اصلاحی مواعظ

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت آدم علیہ السلام کا تذکرہ
انسان پر گزرنے والے ادوار
روضہ اقدس پر حاضری
شب برات۔۔۔ایک تحقیقی جائزہ
صبر و شکر
زبان کی حفاظت
بہترین تاجر کی علامت
خوف خدا اور فکر آخرت
قبر کی تیاری ضروری ہے
مقام بندگی اور دعاء کی حقیقت

جلد دوم

مکتبہ لدھیانوی

اصلاحی مواعظ

شہیدِ اسلام

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی نور اللہ مرقدہ

باہتمام : محمد طلحہ طاہر

نبیرہ شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی نور اللہ مرقدہ

ناشر

مکتبہ لدھیانوی

سلام کتب مارکیٹ بنوری ٹاؤن کراچی

03212115502

اصلاحی مواعظ

تالیف: شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ!

ہمارے دادا جان شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی نور اللہ مرقدہ جہاں تصنیف وتالیف اور تحریر و انشاء کے امام تھے وہاں اللہ تعالیٰ نے آپؒ کو وعظ وتقریر اور زبان و بیان کے میدان میں بھی غیر معمولی صلاحیتوں سے نوازا تھا، آپؒ کے مواعظ و بیانات نہایت سادہ ،موثر، عام فہم اور مسحور کن ہوتے تھے۔ اندازِ بیان میں ناصحانہ و مشفقانہ رنگ غالب ہوتا، مسلمانوں کی خیرخواہی کے جذبہ سے سرشار اور دل کی گہرائیوں سے نکلنے والے وہ موثر مواعظ و بیانات جن سے ہزاروں لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب برپا ہوا، انہیں کیسٹ میں محفوظ کرلیا گیا تھا جسے بعد میں ڈیجیٹائز کیا گیا۔ جو کہ ”شہیدِ اسلام پورٹل“ کے پلیٹ فارم پر دستیاب ہیں۔ ان میں سے تقریباً ۱۳۵ کیسٹوں سے ۸ ضخیم جلدیں ”اصلاحی مواعظ“ کے نام سے مرتب کی گئیں۔ جن میں تخریج کے ساتھ ساتھ قرآنی آیات اور احادیثِ مبارکہ پر اعراب کا خاص اہتمام کیا گیا ہے۔ اس طرح آٹھ جلدوں پر مشتمل یہ خوبصورت گلدستہ تیار ہوگیا ہے جو کہ علماء، طلبا، خطبا، مقررین، واعظین اور عوام الناس کے لیے بیش بہا خزانہ ہے۔

حضرت شہیدِ اسلامؒ کی دیگر تصانیف کی طرح ”اصلاحی مواعظ“ (آٹھ جلدوں) پر مشتمل اس گلدستے کو بھی ”شہیدِ اسلام پورٹل“ کے پلیٹ فارم سے عام کرنے پر ہم

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حضور سربسجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے، ہمارے اکابر کے علوم و فیوض کو عام فرمائے ، خلقِ خدا کے لیے نافع اور ہمارے اکابرین کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔آمین

جن حضرات کی دعاؤں،توجہات اور سرپرستی سے اس اہم کام کی تکمیل ہو پائی، میں ان کا بے حد شکرگزار ہوں، خصوصاً میرے والد ماجد مولانا حافظ محمد سعید لدھیانوی دامت برکاتہم ،شاہینِ ختمِ نبوت حضرت مولانا اللہ وسایا دامت برکاتہم اور شیخ ڈاکٹر ولی خان المظفر حفظہ اللہ، جن کی بھرپور سرپرستی حاصل رہی۔اللہ تعالیٰ ان کے علم وعمر میں برکت عطا فرمائے اور صحت و عافیت کے ساتھ اپنے حفظ و امان میں رکھے۔اسی طرح حافظ محمد طلحہ طاہر(ناظم مکتبہ لدھیانوی) جناب امجد رحیم چوہدری سمیت تمام معاونین کہ جن کا کسی بھی طرح تعاون حاصل رہا،تہہ دل سے شکرگزار ہوں۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا و رضوان سے نوازے۔آمین

محمد الیاس لدھیانوی
بانی ومنتظم ’’شہیدِ اسلام پورٹل‘‘
www.shaheedeislam.com
info@shaheedeislam.com
+92 321 9264592
۱۵/۹/۱۴۴۷ھ - ۵/۳/۲۰۲۶ء

نوٹ: Mobile اور iPad وغیرہ میں بہتر طور پر دیکھنے کے لیے Adobe Acrobat کو PDF Reader کے طور پر استعمال کریں۔

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کو اللہ تعالیٰ نے کن کن صفات و کمالات سے نوازا تھا، ظاہری طور پر اس کا کوئی احاطہ اور احصاءً کرنا چاہے تو ممکن ہے کہ شاید وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوجائے، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپؒ کو جو باطنی کمالات عطا فرمائے تھے ان کا ہم ایسے کم فہموں کے لئے احصاءً تو کیا ادراک بھی مشکل ہے۔

آپؒ نے اپنی چند روزہ زندگی میں جس قدر اپنی صلاحیتوں اور کمالات کا لوہا منوایا اس کے اپنے اور پرائے سب ہی معترف ہیں۔تصنیف و تالیف کا میدان ہو یا وعظ و بیان کی مجلس، درس و تدریس کی مسند ہو یا بحث و مناظرہ کی نشست، اصلاح و ارشاد کا عنوان ہو یا سلوک و احسان کی لائن، آپؒ ہر جگہ سیادت و قیادت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

آپؒ نے تصنیفی میدان میں دفاعِ اسلام کی جو مبارک سعی فرمائی ہے وہ کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے۔

پیش نظر کتاب آپؒ کے ان شاہکار مواعظ کا مجموعہ ہے جو آپؒ نے اصلاح

امت کے جذبے، خوف و خشیت الٰہی میں ڈوب کر ارشاد فرمائے ہیں۔ خطبات کیا ہیں؟ اس کا صحیح اندازہ تو قاری ہی لگا سکتا ہے، مگر اتنی بات ضرور ہے جو انہیں پڑھے گا پڑھتا جائے گا، اور اس کے ایک ایک حرف میں اس کو اپنے اعمال کی تصویر نظر آئے گی۔

یہ اصلاحی مواعظ کی جلد دوم ہے، اس کی جلد اول آج سے دو سال قبل شائع ہو کر عوام و خواص اور حلقہ اہل علم سے داد تحسین حاصل کر چکی ہے، جب کہ اس کی مزید جلدوں کی ترتیب پر کام جاری ہے۔

اس کتاب کی تیاری میں جن حضرات نے کسی بھی درجہ میں تعاون کیا ہے وہ قابل تشکر ہیں، خصوصاً برادر عزیز مولانا محمد اعجاز صاحب جنہوں نے ان مواعظ کی نقل، تیاری، تخریج اور پروف پڑھنے میں محنت کی۔ اسی طرح جناب مولانا محمد طیب لدھیانوی، مولانا محمد عتیق الرحمٰن لدھیانوی، بھائی محمد اجمل، عبداللہ ملک، حاجی عبداللطیف اور کمپوزر بھائی عامر صدیقی شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے خلوص و اخلاص سے اپنی خدمات پیش کیں۔

سعید احمد جلال پوری

۲/۵/۱۴۲۲ھ

فہرست مقالات

تفصیلی فہرست

حضرت آدم علیہ السلام کا تذکرہ

انسان پر گزرنے والے ادوار

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت

روضۂ اقدس پر حاضری کے آداب

جنت میں معیت نبوی ﷺ اور جنت کے مناظر

جنت کے مناظر

زندہ اور فوت شدہ بزرگوں کے حقوق

قرآن کریم کے حقوق

قرآن کریم اور شفاعت رسول ﷺ

علمائے کے فرائض

طلبائے اور علمائے کے لئے لائحہ عمل!

سب سے بڑا عبادت گزار

خود کو دین کا محتاج سمجھنا

شب برأت......تحقیقی جائزہ

صبر و شکر

زبان کی حفاظت

بہترین تاجر کی علامات

گھاٹے کے بیوپاری

ملاقات الٰہی کا شوق

خوفِ خدا اور فکر آخرت

قبر کی تیاری

مقام بندگی اور دعا کی حقیقت

حضرت آدم (علیہ السلام) کا تذکرہ

ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شکایت کی کہ میری اولاد نے مجھے بھلا دیا کہ دوسروں کا تو وہ تذکرہ کرتے ہیں، لیکن میرا تذکرہ نہیں کرتے، اور آپ نے بھی حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا تذکرہ کم ہی سنا ہوگا، اسی لیے میں نے ان کا تذکرہ شروع کیا ہے کہ آج اپنے جدامجد کا تذکرہ کریں۔ (علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام)

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی، اما بعد!

حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ و السلام ہمارے جد امجد ہیں، اب کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے ”جد امجد بندر“ ہیں، ان کے جد امجد بندر ہوں گے، بھائی ہمارے تو جد امجد حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ السلام ہیں، اور حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بارے میں ارشاد الٰہی ہے:

”خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔“ (آل عمران:۵۹)

یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو مٹی سے بنایا اور پھر ان سے فرمایا ہوجا، پس وہ ہوگئے!

اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی تشریح یوں فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے کل روئے زمین کا خلاصہ لیا اور زمین کے خلاصے سے حضرت آدم وعلیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ

والسلام کا قالب بنایا، پہلے گارا گوندھا اور گارا گوندھنے کے بعد وہ اتنا سڑ گیا کہ اس گارے سے بدبو آنے لگی، چنانچہ قرآن کریم میں ہے: ”مِنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ۔“ (سڑے ہوئے گارے سے) اور صحیح مسلم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

”قَالَ لَمَّا صَوَّرَ اللّٰہُ آدَمَ فِی الْجَنَّةِ تَرَكَهٗ مَاشَاءَ اللّٰہُ أَنْ یَّتْرُكَهٗ فَجَعَلَ اِبْلِیْسُ یَطِیْفُ بِهٖ یَنْظُرُ مَا هُوَ فَلَمَّا رَاٰهُ أَجْوَفَ عَرَفَ أَنَّهٗ خُلِقَ خَلْقًا لَا یَتَمَالَكُ۔“

(مسلم ج:۲ ص:۳۲۷)

یعنی اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قالب بنایا، اور قالب خشک ہوتا رہا، یہاں تک کہ اس سے کھن کھن کی آواز آنے لگی، ابلیس لعین حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قالب کے اردگرد چکر لگاتا تھا اور جگہ جگہ سے ٹھونک بجا کر دیکھتا تھا، جب پیٹ پر بجا کر کے دیکھتا تو اندر سے خلا معلوم ہوتا، کہنے لگا کہ اس کے پیٹ میں خلا ہے، اس کو گمراہ کرنا آسان ہوگا، نعوذ باللہ! اس کے بعد حق تعالیٰ شانہ نے اس میں روح پھونکی۔ جیسا کہ فرمایا: ”وَنَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ۔“ (السجدہ:۹)

حضرت آدم علیہ السلام کا سب سے پہلا کلام:

تو حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چھینک آئی، اور انہوں نے کہا الحمدللہ! سب سے پہلا کلام جو ہمارے جد امجد کے منہ سے نکلا، وہ الحمدللہ ہے، جیسا کہ حدیث پاک میں ہے:

”قَالَ لَمَّا خَلَقَ اللّٰہُ اٰدَمَ وَنَفَخَ فِیْهِ الرُّوْحَ عَطَسَ

فَقَالَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ۔" (مشکوٰۃ ص:۴۰۰)

ترجمہ:......" جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیدا فرمایا اور ان میں روح پھونک دی تو حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو چھینک آئی تو انہوں نے کہا: الحمدللہ۔"

اور آپ کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ جب بھی آدمی کو چھینک آئے، تو کہے الحمدللہ! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک آدمی چھینک لے رہا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم "یرحمک اللہ" کہہ رہے تھے، تین دفعہ کہا تو فرمایا: "اَلرَّجُلُ مَزْکُوْمٌ۔" (مشکوٰۃ ص:۴۰۵) چھوڑ دو، اسے زکام ہورہا ہے، چھینکیں دیئے جارہا ہے۔

ایک مسئلہ بتادوں، کوئی آدمی چھینک لینے کے بعد "الحمدللہ" کہے تو اس کے جواب میں "یرحمک اللہ" کہو، اور اگر وہ "الحمدللہ" نہیں کہتا تو "یرحمک اللہ" کہلوانے کا مستحق نہیں، اسلئے بعض اکابر کو میں نے دیکھا کہ وہ اونچی آواز سے "الحمدللہ" نہیں کہتے تھے، جو لوگوں کو سنائی دے، اس لئے کہ اگر چھینک لینے کے بعد چھینک لینے والا "الحمدللہ" اونچی آواز سے کہے تو لوگوں کے ذمے "یرحمک اللہ" کہنا واجب ہوجاتا ہے، تو اس لئے بعض اکابر "الحمدللہ" اونچی آواز سے نہیں کہتے تھے تاکہ لوگوں کو "یرحمک اللہ" نہ کہنا پڑے اور یہ قرض ان کے ذمے نہ ہو، وہ "الحمدللہ" آہستہ کہتے ہیں۔ تو الحمدللہ! ہمارے جد امجد حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کی شکایت:

ایک بات بیچ میں اور یاد آئی کہ ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت آدم علیہ

الصلوٰۃ والسلام نے شکایت کی کہ میری اولاد نے مجھے بھلا دیا (عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی ناظم تبلیغ مولانا بشیر احمد فرماتے ہیں کہ حضرت نے سکھر میں حضرت آدمؑ کی شکایت سے متعلق اپنے خواب کا واقعہ بھی بیان فرمایا۔ ناقل) کہ دوسروں کا تو وہ تذکرہ کرتے ہیں، لیکن میرا تذکرہ نہیں کرتے، اور آپ نے بھی حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا تذکرہ کم ہی سنا ہوگا، اسی لیے میں نے ان کا تذکرہ شروع کیا ہے کہ آج اپنے جد امجد کا تذکرہ کریں (علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام) جب بھی کسی نبی کا نام لو تو حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تک، ان نبیوں میں سے کسی نبی کا بھی نام لو تو ان نبیوں کے ناموں کے ساتھ یہ کہو:...... ''عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ!'' ہمارے نبیصلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان پر سلام ہو، اور اگر ہمارے نبی اکرمصلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیا جائے تو پھر علیٰ نبینا کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے، پھر تو اپنے نبی کا نام ہی ذکر کیا جائے گا، کبھی کسی نبی کا نام بغیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نہ لو اور کبھی کسی نبی کا نام لو...... تو اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ بھولو، ''عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ'' کہو، یعنی ہمارے نبیصلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان پر سلام ہو۔

سب سے پہلے سلام حضرت آدم علیہ السلام نے کہا:

جب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام میں روح ڈالی گئی تو انہیں فرمایا گیا کہ آپ فرشتوں کے پاس جا کر انہیں سلام کریں، چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے:

''وَعَنْ أَبِیْ ہُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَمَّا خَلَقَ اللّٰہُ تَعَالٰی اٰدَمَ قَالَ: اِذْھَبْ

فَسَلِّمْ عَلٰى أُولٰئِكَ النَّفَرِ وَهُمْ نَفَرٌ مِّنَ الْمَلٰئِكَةِ جُلُوْسٌ فَاسْتَمِعْ مَايُحَيُّوْنَكَ؟ فَإِنَّهَا تَحِيَّتُكَ وَتَحِيَّةُ ذُرِّيَّتِكَ. فَذَهَبَ فَقَالَ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ، فَقَالُوْا: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ، قَالَ فَزَادُوْهُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ ......"

(مشکوٰۃ ص:۳۹۷)

ترجمہ:...... "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور اس میں روح ڈالی تو فرمایا کہ: فرشتوں کی جماعت کے پاس جاؤ اور ان کو سلام کہو، اور دیکھو کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں؟ وہ جو جواب دیں وہی تمہارا اور تمہاری اولاد کا جواب ہوگا۔ چنانچہ حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام فرشتوں کے پاس گئے اور ان سے کہا: "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ" تو فرشتوں نے جواباً کہا: "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ" پس انہوں نے "وَرَحْمَةُ اللّٰهِ" کا اضافہ کیا، یعنی انہوں نے کہا: تم پر بھی سلامتی اور اللہ کی رحمت ہو۔"

افسوس ہے کہ آج کل لوگ صحیح طور پر "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ" بھی نہیں کہتے کچھ اور ہی کہہ دیتے ہیں، اور ہمارے پنجابی بھائی تو کہتے ہیں سَلَامُ عَلَيْكُمْ! اور بعضے کہتے ہیں اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ، حالانکہ یہ بددعائیہ کلمہ ہے، جو یہودی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف استعمال کرتے تھے، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے:

"عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: اِنَّ الْيَهُوْدَ

أَتَوُا النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا: اَلسَّامُ عَلَیْکَ۔ قَالَ: وَعَلَیْکُمْ۔ فَقَالَتْ عَائِشَۃُ: اَلسَّامُ عَلَیْکُمْ وَلَعَنَکُمُ اللّٰہُ وَغَضِبَ عَلَیْکُمْ۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَھْلًا یَا عَائِشَۃُ! عَلَیْکِ بِالرِّفْقِ...... قَالَتْ: أَوَلَمْ تَسْمَعْ مَا قَالُوْا؟ قَالَ: أَوَلَمْ تَسْمَعِیْ مَا قُلْتُ؟ رَدَدْتُّ عَلَیْھِمْ فَیُسْتَجَابُ لِیْ فِیْھِمْ وَلَا یُسْتَجَابُ لَھُمْ فِیَّ......الخ۔“

(مشکوٰۃ ص:۳۹۸)

ترجمہ:......”ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کوئی یہودی آئے تھے اور آکر کہنے لگے: ”اَلسَّامُ عَلَیْکَ!“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا ”وَعَلَیْکُمْ“ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو برے لفظ سے بولا تھا تجھ پر موت ہو، نعوذ باللہ!) ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں نے سن لیا، میں نے کہا: ”اَلسَّامُ عَلَیْکُمْ وَلَعَنَکُمُ اللّٰہُ۔“ (بلکہ تم پر موت ہو اور اللہ کی لعنت ہو!)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عائشہ! نرمی اختیار کیجئے (ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مؤمن کو اچھا ہونا چاہئے، مؤمن بدگو نہیں ہوتا اور مؤمن بدگوئی نہیں کیا کرتا، کسی کو گالی نہیں نکالتا، فحش نہیں بکتا) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: میں نے کہا یا رسول اللہ! آپ نے سنا نہیں، انہوں نے کیا کہا؟ یعنی یہودیوں نے کیا کہا؟ فرمایا: اور تم

نے نہیں سنا کہ میں نے ان کے جواب میں کیا کہا تھا؟ انہوں نے کہا تھا...... اَلسَّامُ عَلَیْکُمْ!...... تم پر موت ہو، میں نے کہا...... وَعَلَیْکُمْ...... اور تم پر بھی۔ پھر فرمایا کہ میری دعا ان کے حق میں قبول کی جائے گی، ان کی دعا میرے حق میں قبول نہیں کی جائے گی۔''

سلام کے جواب کا مسنون طریقہ:

حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو صرف السلام علیکم کہا تھا، مگر فرشتوں نے جواب میں السلام علیکم کے ساتھ ورحمۃ اللہ کا لفظ بڑھا دیا، اسی طرح قرآن کریم میں ہے:

''وَاِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّةٍ فَحَیُّوْا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوْهَا۔'' (النسآء:۸۶)

ترجمہ:......''جب تم کو سلام کہا جائے کسی لفظ سے تو تم اس سے بہتر جواب دو، یا کم سے کم وہی لوٹا دو۔''

کوئی کہے، السلام علیکم، تو جواب میں کہو''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔'' اور اگر کوئی کہے''السلام علیکم ورحمۃ اللہ''تو تم جواب میں کہو''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔'' جیسا کہ حدیث میں ہے:

''عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ، فَرَدَّ عَلَیْهِ، ثُمَّ جَلَسَ، فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: عَشْرٌ۔ ثُمَّ جَاءَ آخَرُ، فَقَالَ: اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ

وَرَحْمَةُ اللّٰهِ، فَرَدَّ عَلَيْهِ فَجَلَسَ، فَقَالَ: عِشْرُوْنَ. ثُمَّ جَاءَ آخَرُ، فَقَالَ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ، فَرَدَّ عَلَيْهِ فَجَلَسَ، فَقَالَ: ثَلَاثُوْنَ۔" (ابوداؤد ج:۲ ص:۳۵۰)

ترجمہ:...... "حضرت عمران بن حصینؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آیا اور کہا: "السلام علیکم"، آپ ﷺ نے فرمایا: (اس کے لئے) دس (نیکیاں ہیں)۔ پھر ایک دوسرا شخص آیا اس نے کہا: "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" آپ ﷺ نے اس کا جواب دیا تو وہ بھی بیٹھ گیا، آپ ﷺ نے فرمایا: (اس کے لئے) بیس (نیکیاں ہیں)۔ اتنے میں ایک تیسرا آدمی آیا تو اس نے کہا: "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" آپ ﷺ نے اس کا جواب دیا تو وہ بھی بیٹھ گیا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: (اس کے لئے) تیس (نیکیاں ہیں)۔"

اور کوئی یہاں تک پہنچ جائے یعنی پورے الفاظ کہہ دو تو فرمایا کہ اس نے تو پھر سرے پر تیر پھینک دیا، اس کے جواب میں صرف کہو "وعلیکم!" سارا مضمون جتنا اس نے بیان کیا وہ سارا وعلیکم اس میں آجاتا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کا قد:

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام پیدا ہوئے تھے تو ساٹھ گز کے تھے، یعنی ساٹھ ہاتھ کے تھے، چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

”خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ طُوْلُهٗ سِتُّوْنَ ذِرَاعًا...... قَالَ فَكُلُّ مَنْ يَّدْخُلُ الْجَنَّةَ عَلٰى صُوْرَةِ اٰدَمَ وَطُوْلُهٗ سِتُّوْنَ ذِرَاعًا فَلَمْ يَزِلِ الْخَلْقُ يَنْقُصُ بَعْدَهٗ حَتّٰى الْآنَ۔“ (مشکوٰۃ ص:۳۹۷)

ترجمہ:......”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا، حضرت آدم علیہ السلام کا قد ساٹھ ہاتھ لمبا تھا، (اور جیسے ہماری زبان میں کہتے ہیں کہ اب ہم تو گُٹھ مُٹھئے بن گئے، کہاں ساٹھ ہاتھ کے تھے، اور کہاں اب ہمارا قد ہے؟ اور وہ بھی دیکھ رہے ہیں آپ! کہ دن بدن کم ہی ہورہا ہے) ارشاد فرمایا کہ جب اللہ سبحانہ و تعالیٰ اہل جنت کو جنت میں بھیجیں گے تو سب کے سب حضرت آدم علیہ السلام کی شکل پر ہوں گے، اور آپ کے قد پر ہوں گے، یعنی ساٹھ ہاتھ کے قد ہوں گے...... فرمایا کہ پھر آہستہ آہستہ ان کی اولاد چھوٹی ہوتی گئی، یہاں تک کہ اس نوبت کو پہنچ گئی ہے، لیکن جب ہم جنت میں داخل ہوں گے تو پورے قد کے ساتھ ہوں گے۔“

حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا، جیسا کہ میں نے عرض کیا، مٹی سے پیدا کیا، تو ان کے قالب کا گارا پڑا رہا، پھر ان کا قالب بنایا، وہ پڑا رہا، سوکھتا رہا۔

حضرت حواؑ حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا ہوئیں:

جب حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوگئے تو ایک دن سورہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی پسلی سے حضرت حواؑ کو پیدا کر دیا، ان کو پتہ بھی نہیں چلا، سونے کے بعد جب جاگے تو ان کے قریب ہی ہماری اماں بیٹھی ہوئی تھیں، حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تم کون ہو؟ فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ نے تمہارے انس کے لئے پیدا کیا ہے، ان کی طرف ذرا ہاتھ بڑھایا، تو فرمانے لگیں نہیں، ابھی اجازت نہیں، مہر ادا کرو گے، اور نکاح ہوگا تب فرمایا کہ مہر کیا ہے؟ کہنے لگیں: محمد رسول اللہصلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھ لو۔

حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے جوڑے کو اللہ نے جنت میں ٹھہرنے کا حکم فرمایا، حضرت حواؑ کو شیطان نے ورغلایا، اللہ نے تو فرمایا تھا: ”وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔“(البقرہ:۳۵) اس درخت کے قریب نہ جانا، ورنہ اپنا نقصان کر بیٹھو گے۔

آپ نے غور کیا! کہ میں نے ”فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ“ کا ترجمہ کیا کیا ہے؟ ترجمہ ادب سے کرنا چاہئے، منہ پھٹ نہیں کرنا چاہئے، (ورنہ تم اپنا نقصان کر بیٹھوگے) شیطان نے سمجھ لیا کہ ان کو بہکانے کا یہی راستہ ہے، حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بہکاتا رہا۔ وہ نہیں مانتے تھے، پھر ان کی اہلیہ کو سمجھایا اور قسمیں کھانے لگا، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:”وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّیْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ۔“ (الاعراف:۲۱) (دونوں سے قسم کھا کر یہ کہا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں) چونکہ عورتیں رحم دل ہوتی ہیں، اعتبار کرجاتی ہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے طلاق مرد کے ہاتھ میں

رکھی ہے، عورت کے ہاتھ میں نہیں رکھی، کیونکہ یہ جذباتی ہوتی ہیں، کبھی غصے میں ہوتی ہیں، کبھی ناراض بھی ہوجاتی ہیں، اور ناراض ہوجاتی ہیں تو پھر کسی کی پرواہ نہیں کرتیں، تو ہماری اماں حوا رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہنے لگیں: یہ آدمی یہ بات کہہ رہا ہے، اس کی بات کیوں نہیں مانتے؟ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس درخت کے کھانے سے منع فرما دیا ہے۔ ممانعت کا فلسفہ شیطان نے پہلے بتادیا تھا کہ تمہیں اس لئے منع کیا گیا تھا کہ تم یہاں نئے رہنے آئے تھے اور یہ غذا ذرا ثقیل ہے اور اب چونکہ جنت کی آب و ہوا کے ساتھ تمہیں مناسبت پیدا ہوگئی ہے، اس لئے اب اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں، وہ ممانعت وقتی تھی، جیسا کہ میں نے پہلے کہا: ”وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّی لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ۔“ (الاعراف:۲۱)
(ان کے سامنے قسمیں کھائیں کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں)۔

اماں جی کہنے لگیں کہ آدمی کو کسی پر اعتبار بھی کرنا چاہیئے، وہ قسمیں کھا رہا ہے کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں، خیر خواہی کے ساتھ بات کرتا ہوں، لیکن آپ مان ہی نہیں رہے ایک دفعہ مان تو لیجئے۔

حضرت آدم علیہ السلام کا نادم ہونا:

چنانچہ دونوں بات مان گئے، اور اماں جی نے بہلا پھسلا کر کے حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو آمادہ کرلیا، بس اس درخت کا کھانا تھا کہ جنت کا لباس جو پہنا ہوا تھا وہ اتر گیا، دونوں ننگے ہوگئے، اب جنت کے پتوں سے مدد لینے لگے کہ جنت کے درختوں کے پتے لپیٹ لیں تو کسی جنتی درخت نے پتے بھی نہ دیئے اور کہا کہ ان پر اللہ کا عتاب ہے، ایسا نہ ہو کہ ہم پر بھی یہ عتاب ہو جائے، برگد کا ایک

درخت تھا، اس سے کہا تو اس نے اجازت دے دی کہ میرے پتے لے لو، حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا کہ دوسرے درخت تو کہتے ہیں کہ ہم پر اللہ کا عتاب ہوگا، برگد کہنے لگا جب تم پر عتاب ہوا ہے تو ہم پر بھی عتاب ہوجائے گا تو کیا ہوا؟ بڑی بات ہے، تم اللہ کے خلیفہ ہو، جب تم پر عتاب ہوا تو ہم پر بھی سہی، درختوں کے پتے لپیٹ لیے اپنے ستر کو چھپانے کے لئے، اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ یہاں سے نکلو، اور پھر حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواؑ دونوں زمین پر اتار دیئے گئے اور ایک سو سال تک حضرت آدم علیہ الصلو ۃ والسلام روتے رہے، اور شرم کی وجہ سے منہ اٹھا کر آسمان کی طرف بھی نہیں دیکھا، یہ آدمی ہیں، وہ شیطان تھا جس نے بہکایا، اور ایک غلطی ہوگئی تھی اور وہ بھی تھی محض اللہ کی محبت میں، اور جنت میں ہمیشہ قیام کے شوق میں، اس پر جب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر عتاب ہوا تو اتنے پشیمان ہوئے کہ سو سال تک سر اوپر نہیں اٹھایا، پھر اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول فرمائی، اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرمانے والے ہیں، حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہندوستان میں اترے تھے، اور یہاں سے پیدل سوچ کیئے۔

بیت اللہ کی پہلی تعمیر:

پہلی بار بیت اللہ شریف حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تعمیر کیا، یہ میں نے بہت ہی مختصر سی بات کی ہے، اپنے جد امجد کے بارے میں، حق تعالیٰ شانہ ان کو اپنی رضا اور رحمت کی چادر سے ڈھانپ دے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ قیامت کے دن جب لوگ جائیں گے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ السلام کے پاس، اور کہیں گے

کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، اور آپ میں اپنی روح ڈالی، اور مسجود ملائکہ بنایا، فرشتوں سے سجدہ کروایا، آج آپ کی اولاد پر بڑا سخت وقت آیا ہوا ہے، آپ ان کے لئے دعا کیجئے، ان کا حساب وکتاب شروع ہوجائے، جنت اور دوزخ کا فیصلہ تو بعد میں ہوگا، مگر اس پر حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمائیں گے کہ:

"اِنَّ رَبِّیْ غَضِبَ الْیَوْمَ، لَمْ یَغْضَبْ قَبْلَهٗ وَلَا بَعْدَهٗ۔" (ترمذی ج:۲ ص:۶۶)

(میرا رب آج اتنا غضب ناک ہے کہ نہ کبھی اس سے پہلے اتنا غضب ناک ہوا اور نہ کبھی بعد میں ہوگا۔)

اور فرمائیں گے: نفسی نفسی، مجھے تو اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے ہیں، کسی اور کے پاس جاؤ، نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس جاؤ۔

وہ غلطی جو شیطان کے بہکانے سے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کروائی گئی تھی اور وہ بھی محض اللہ کی محبت کی وجہ سے ہوئی تھی کہ شیطان نے، اللہ تعالیٰ کی محبت کا واسطہ دے کر آمادہ کیا، مگر حضرت آدم علیہ السلام نے اس غلطی کو ایسا یاد رکھا کہ قیامت کو بھی نہیں بھولیں گے۔

میرے عزیز بھائیو! ہم سب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد ہیں، ایک تو ان کے لئے ایصالِ ثواب کرنا چاہئے، دوسرا ہمیں ان کے نقشِ قدم پر چلنا چاہیے، غلطی ہوجانا بندے کا کام ہے، لیکن غلطی پر اصرار نہیں کرنا چاہئے، رجوع کرلینا چاہئے، یا اللہ! ہم سے غلطی ہوگئی ہے، ہمیں معاف فرمادے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

انسان پر گزرنے والے ادوار

ایک دور تو تھا ماں کے پیٹ میں آنے سے پہلے کا، دوسرا دور تھا ماں کے پیٹ میں آنے کے بعد کا، تیسرا دور ہے پیدا ہونے کے بعد کا، یہاں ہم نے اس زمین پر قدم رکھا، کیسے قدم رکھا؟......

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ۔ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ!

حق تعالیٰ شانہ نے ہمیں یہاں بہت مختصر وقت کے لئے بھیجا ہے، اور یہ زندگی عمل کے لئے ہے، ’’جیسی کرنی ویسی بھرنی‘‘ اچھا عمل کریں گے تو اچھا بدلہ ملے گا، اور خدانخواستہ برا عمل کریں گے...... تو پھر برا بدلہ ملے گا، ہم پر کئی مرحلے گزر چکے ہیں اور کئی مرحلے ابھی باقی ہیں، جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

’’ھَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّھْرِ لَمْ یَکُنْ شَیْئًا مَّذْکُوْرًا۔‘‘ (الدہر:۱)

(انسان پر ایک بہت بڑا وقت گزر چکا ہے، جب کہ وہ قابل ذکر چیز نہیں تھا) میرے پیدا ہونے سے پہلے، میرے والدین کی شادی ہونے سے پہلے کوئی مجھے نہیں جانتا تھا، کوئی تذکرہ نہیں تھا، کئی صدیاں گزریں، کوئی تذکرہ نہ تھا، کوئی ایسی بات نہ تھی، اور کوئی تذکرہ نہیں تھا،...... کوئی چیز بھی نہیں تھی، ایک دور ہمارے اوپر یہ گزرا ہے۔

دوسرا دور ہمارے اوپر گزرا جب کہ ہم اپنی والدہ کے شکم میں آئے، اللہ تعالیٰ نے عجیب نظام بنایا، قربان جاؤں اس کی قدرت پر، اور قربان جاؤں اس کی رحمت وعنایت پر، ہم نے ہسپتالوں میں دیکھا جو بچے قبل از وقت پیدا ہوجاتے ہیں، ان کو ایک خاص قسم کا شیشہ ہوتا ہے، اس میں رکھتے ہیں، اب ہر آدمی جانتا ہے کہ اس پر کتنا خرچ ہوتا ہے، لیکن ماں کے پیٹ میں وہ سارا نظام اللہ تبارک وتعالیٰ نے فٹ کردیا ہے، کسی کو پتہ بھی نہیں، کوئی خرچ نہیں، بہرحال جب ہم ماں کے پیٹ میں تھے تو اس وقت ہماری حالت ایسی تھی کہ نہ ہمارے ماں باپ کو پتہ تھا کہ یہ کیا ہے، نہ خود ہمیں پتہ تھا، ہمیں تو کیا پتہ ہوتا، چار مہینے تک مختلف شکلیں بدلتے بدلتے ہمارے اندر روح ڈالی گئی۔

چار ماہ گزرنے کے بعد حمل گرانا جائز نہیں:

یہاں ایک مسئلہ بتادوں، عام طور پر خواتین خطوط میں لکھتی ہیں، سوال کرتی ہیں، کہ بچہ ضائع کرنا ہے، اس میں کچھ ماں کی غلطی ہوتی ہے، یا کوئی اور عارضہ ہوتا ہے، شرعاً چار مہینے پورے ہونے سے پہلے پہلے بچے کو ضائع کردینا جائز ہے، کیونکہ ابھی تک اس کی صورت جمے ہوئے خون کی ہے، یا گوشت کی بوٹی کی ہے، اس کے

اندر روح نہیں ہے، لیکن جب بچے کے اندر روح ڈال دی گئی، تو اس کا ضائع کرنا جائز نہیں، اور اگر کوئی ضائع کرے گا تو قتل کا گناہ ہوگا، بہت سی بے وقوف عورتیں اس حالت میں بھی بچے کو ضائع کر دیتی ہیں، یہ ایسا ہے جیسے کوئی آدمی کسی کو قتل کر دے۔

چار ماہ گزرنے کے بعد رزق لکھ دیا جاتا ہے:

حدیث شریف میں آتا ہے، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بچہ اپنی ماں کے پیٹ میں اپنی شکلیں تبدیل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ جب اس کے چار مہینے پورے ہوجاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو بھیجتے ہیں، فرشتہ آکر اللہ تعالیٰ سے پوچھتا ہے کہ یا اللہ! اس کا رزق کتنا ہے؟ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے:

’’عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوْقُ اِنَّ اَحَدَکُمْ یُجْمَعُ خَلْقُہٗ فِیْ بَطْنِ اُمِّہٖ اَرْبَعِیْنَ یَوْمًا، ثُمَّ یَکُوْنُ فِیْ ذَالِکَ عَلَقَۃً مِثْلُ ذَالِکَ، ثُمَّ یَکُوْنُ فِیْ ذَالِکَ مُضْغَۃً مِّثْلُ ذَالِکَ، ثُمَّ یُرْسِلُ اللّٰہُ الْمَلَکَ فَیَنْفُخُ فِیْہِ الرُّوْحَ وَیُؤْمَرُ بِاَرْبَعِ کَلِمَاتٍ: بِکَتْبِ رِزْقِہٖ وَاَجَلِہٖ وَعَمَلِہٖ وَشَقِیٌّ اَوْ سَعِیْدٌ......الخ۔‘‘

(صحیح مسلم ج:۲ ص:۳۳۲)

ترجمہ:......’’حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا، جو صادق و مصدوق ہیں کہ بے شک تم میں

سے ہر ایک کو اس کی ماں کے رحم میں چالیس دن تک نطفہ کی شکل میں، اور چالیس دن تک جمے ہوئے خون اور چالیس دن تک گوشت کے لوتھڑے کی شکل میں رکھا جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرشتے کو بھیجتے ہیں جو اس میں روح ڈالتا ہے، اور اسے ان چار چیزوں کے لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے: (۱) اس کا رزق کتنا ہوگا؟ (۲) اس کی زندگی کتنی ہوگی؟ (۳) اس کی موت کب اور کہاں واقع ہوگی؟ (۴) اور یہ کہ وہ نیک بخت ہوگا یا شقی و بدبخت......"

اب دیکھیں کہ ماں کے پیٹ میں چار مہینے گزرے ہوئے ہمیں کتنا عرصہ ہوا، ابھی اللہ ہی جانتا ہے کہ مزید یہاں کتنا رہنا ہے، تو پہلے دن ہی اللہ تعالیٰ نے رزق لکھ دیا کہ اس کا رزق کتنا ہے......؟ اور یہ کہ یہ بچہ کہاں کہاں پھرے گا......؟ وغیرہ وغیرہ، غرض موٹی موٹی باتیں ساری کی ساری لکھ دی جاتی ہیں، اور آخر میں فرشتہ اللہ تعالیٰ سے پوچھتا ہے۔ "شَقِيٌّ اَوْ سَعِيْدٌ؟" (پروردگار! یہ نیک بخت ہے یا بدبخت ہے؟)

اب ہمارا نام کن لوگوں میں لکھا ہوا ہے؟ اللہ ہی جانتا ہے، فرشتہ یہ سب پوچھتا ہے اور پوچھنے کے بعد پھر بچے میں روح ڈال دی جاتی ہے، پانچ مہینے اس حالت میں آدمی گزارتا ہے، پھر فرمایا:

"وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِيْ عُنُقِهٖ۔ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتَابًا يَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا۔ اِقْرَاْ كِتَابَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا۔" (بنی اسرائیل: ۱۳، ۱۴)

ترجمہ:......"اور ہر انسان، ہم نے لٹکا دیا ہے اس کی

قسمت کا پروانہ اس کی گردن میں۔ اور قیامت کے دن ہم اس کے لئے ایک کتاب کھولیں گے (یہ اس کی نامہ اعمال کی کتاب ہوگی) جس کو وہ پھیلا ہوا پائے گا اور کہا جائے گا: اپنی کتاب پڑھ، تو ہی کافی ہے آج کے دن اپنا حساب لینے والا۔"

اب آپ کی، میری اور دنیا کے تمام انسانوں کی جو بھی قسمت ہے، اس کو اللہ تعالیٰ نے پروانے کی شکل میں گردن میں لٹکا دیا، کتاب کیا ہے، ہمارے اپنے اعمال جو کچھ بھی ہم نے کیا ہے، چھوٹا عمل ہو یا بڑا، تمام کا تمام لکھا ہوا ہے، اللہ اکبر! یہ تو دوسرے جہان کی بات ہوگئی۔

انسانی زندگی کا پہلا دور:

میں نے عرض کیا کہ ایک دور ہم پر گزرا ہے، جس وقت مجھے اور آپ کو پتہ نہیں تھا کہ میں کون ہوں؟ شاید آپ حضرات کو پتہ ہوگا......؟ مجھے تو پتہ نہیں تھا، پورے پانچ مہینے ماں کے پیٹ میں رہے، روح ڈال لینے کے بعد، چار مہینے پہلے اور پانچ مہینے بعد، یہ کوئی ضروری نہیں، میں ایک عام حالت بتا رہا ہوں کہ بچہ اپنی ماں کے پیٹ میں نو مہینے رہتا ہے، کبھی کم بھی ہوسکتا ہے، شریعت کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر بچہ چھ مہینے کا پیدا ہو تو اس کو اس کے باپ ہی کا سمجھا جائے گا، تم اس کی ماں پر تہمت نہیں لگا سکتے، الا یہ کہ باپ کہے یہ میرا نہیں ہے، وہ دوسری بات ہے، پھر وہ دوسرا مسئلہ چلتا ہے۔

آدمی کو زبان کا استعمال سوچ سمجھ کے کرنا چاہئے، ادھر یہاں یہ بچہ پیدا ہوا، ہم نے چہ میگوئیاں شروع کردیں، آپ سے قیامت کے دن حساب لیا جائے گا، تو

میں نے کہا نو مہینے عام حالت ہے، کہ بچے ماں کے پیٹ میں رہتے ہیں، کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس سے پہلے پیدا ہوجاتے ہیں، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بعد میں پیدا ہوتے ہیں۔

آپ نے حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی سنا ہوگا؟ آپ چار اماموں میں سے چوتھے امام ہیں، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ...... ہمارے امام، امام اعظم سے امام مالک رحمہ اللہ چھوٹے ہیں عمر میں، حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ، اور امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں کے شاگرد ہیں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ، اور ان کے شاگرد ہیں، امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ...... یہ چار امام ہیں، یہ سلسلہ ختم ہوگیا، دوسرے بزرگان دین اور مجتہد بھی تھے، لیکن ان کے مذہب مٹ گئے، البتہ کتابوں میں ان کا تذکرہ باقی ہے اور ان کے اقوال باقی ہیں، باقی باقاعدہ مذاہب ان چار ائمہ کے علاوہ کسی کے مدون نہیں ہوئے۔ تو میں عرض کررہا تھا کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی والدہ ماجدہ کے پیٹ میں دو سال رہے، اسی طرح بعض بچے ایسے بھی پیدا ہوئے کہ جو پیدا ہوئے تو ان کے دانت نکلے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ کی قدرت کی رنگینیاں ہیں، لیکن یہ دور جو گزرا، میرے اوپر اور آپ کے اوپر اس کا مجھے بھی اور آپ کو بھی پتہ نہیں، بہرحال اس کے بعد ہم دنیا میں آگئے۔

انسانی زندگی کا دوسرا دور:

اب یہاں سے دوسرا دور شروع ہوگیا، ایک دور تو تھا ماں کے پیٹ میں آنے سے پہلے کا، دوسرا دور تھا ماں کے پیٹ میں آنے کے بعد کا، تیسرا دور ہے پیدا ہونے کے بعد کا، یہاں ہم نے اس زمین پر قدم رکھا، کیسے قدم رکھا؟...... تم جانتے

ہو! علامہ اقبال کا شعر ہے کہ:

یاد داری کہ وقت زیست تو
خندہ بودند و تو گریاں

ترجمہ: تجھے یاد ہے کہ جب تو پیدا ہوا تھا، تو سارے ہنس رہے تھے اور تو رو رہا تھا۔

بچہ کیوں روتا ہے؟ یہ کوئی اس سے پوچھے صاحبزادے میاں روتے کیوں ہو؟ تم نے کبھی ڈاکٹروں کی دکانوں پر جاکر دیکھا ہوگا، اس میں بچے کا نقشہ کیسا بنا ہوتا ہے، اس کا سر ٹانگوں میں دیا ہوا ہوتا ہے، اس حالت میں بے چارے نے ماں کے پیٹ کی ساری عمر گزاری، لیکن جب پیدا ہوا تو رو رہا ہے اس لئے کہ وہ سمجھتا ہے کہ مجھ سے بہت اچھی چیز چھین لی گئی، بس اتنا ہی جانتا ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ معارف القرآن میں لکھتے ہیں کہ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو اس کو کوئی ہنر نہیں آتا، آنکھیں کھولتا نہیں، اس وقت آنکھیں بھی بند ہوتی ہیں، تھوڑی تھوڑی کھولتا ہے دیر کے ساتھ، چند لمحوں کے بعد کھولتا ہے، بولنا نہیں آتا، اپنے ساتھ کپڑا کوئی نہیں لایا، بھلا کوئی بچہ کپڑے ساتھ لاتا ہے؟...... بلکہ الف ننگا ہوتا ہے کوئی چیز بھی تو نہیں اس کے پاس، ماں کے پیٹ سے کچھ کما کے لایا ہے؟ مالک نے ماں کے پیٹ میں پانچ مہینے روح ڈالنے کے بعد رکھا، کل نو مہینے رکھا، نہ باپ کو کچھ پتہ، نہ ماں کو کچھ پتہ، نہ ان صاحبزادے صاحب کو کچھ پتہ، لیکن حق تعالیٰ شانہ نے کرم فرمائی کی، جب پیدا ہوگیا، اب بولنا نہیں جانتا، ہلنا نہیں جانتا، ہل نہیں سکتا، اب اس کو صرف ایک رونے کا کام آتا ہے اور بس......

مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بچہ کو صرف ایک ہنر آتا

ہے رونے کا اور کوئی ہنر نہیں آتا، بھوک لگے تو روئے گا، دھوپ لگے تو روئے گا، سردی لگے تو روئے گا، تکلیف ہو تو روئے گا، کاش! اے کاش! ہم اپنی حالت اللہ کے سامنے ایسی بنالیتے کہ ہمارے اختیار میں کچھ نہیں، اللہ کے سامنے رونا ہے بس! جب بھی کوئی ضرورت پیش آئے، جب بھی کوئی حاجت پیش آئے تو اللہ کے سامنے رولیں تو ہماری ساری ضرورتیں پوری ہوجایا کریں۔

انسانی زندگی کا تیسرا دور:

اگر ہمیں عقل ہوتی تو ہم دو کام کرتے، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے جو حکم فرمایا، اس کو پورا کرتے رہتے، اور دوسرے یہ کہ ہماری جو ضرورت ہوتی اللہ سے مانگتے، روکر مانگتے، بلبلاکر مانگتے، اب ہماری زندگی کا تیسرا دور شروع ہوا اور یہ کتنا لمبا ہے؟ آپ کو معلوم ہے، کس کس حالت سے ہم گزرے؟ وہ بھی مجھ سے زیادہ آپ حضرات کو معلوم ہے، آخر طاقت آتی گئی، سیانے ہوتے گئے، پہلے بچپن تھا، پھر اس کے بعد جوانی آئی، اور جوان ہونے کے بعد تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس دنیا میں ہمارے سوا اور کوئی نہیں، اسی لئے کہا جاتا ہے: "اَلشَّبَابُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْجُنُوْنِ۔" یعنی ارشاد فرمایا گیا کہ: جوانی جنون کا ایک شعبہ ہے، بڑا ہوگیا، پھر خود اہل و عیال والا ہوگیا، اب چلتے چلتے یہاں تک پہنچ گیا کہ اب میری طرح کوئی ہاتھ پکڑ کر پھراتا ہے، خود سے چلنے پھرنے سے بھی معذور، دنیا میں آنے کے بعد کوئی تاریخ لکھتا ہے، کوئی کچھ لکھتا ہے، کوئی کچھ لکھتا ہے، میں نے کہا تاریخ میری اور آپ کی وہاں لکھی ہوئی ہے، اور صحیح تاریخ کراماً کاتبین لکھ رہے ہیں۔

انسانی زندگی کا چوتھا دور:

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن بندہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس حال میں پیش ہوگا کہ:

”عَنْ عدِیّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَا مِنْکُمْ مِّنْ اَحَدٍ اِلَّا سَیُکَلِّمُہٗ رَبُّہٗ لَیْسَ بَیْنَہٗ وَ بَیْنَہٗ تُرْجَمَانٌ وَلَا حِجَابٌ یُّحْجِبُہٗ......الخ۔“

(مشکوٰۃ ص:۴۸۵)

ترجمہ:......”تم میں سے ہر ایک قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے اس حال میں پیش ہوگا کہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان نہ کوئی ترجمان ہوگا، اور نہ کوئی ایسا حجاب ہوگا کہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حائل ہو۔“

یعنی ہر شخص کو اپنے اعمال کی براہ راست جوابدہی کرنا ہوگی، اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے سامنے کوئی ترجمانی کرنے والا نہیں ہوگا۔ لہٰذا چپ چاپ اپنا سر نیچے کئے ہوئے اللہ تعالیٰ کے فیصلے کا منتظر کھڑا ہوگا کہ میرے بارے میں بارگاہ الٰہی سے کیا فیصلہ ہوتا ہے؟ کیونکہ فرشتوں نے ساری مسلیں پڑھ کر سنادیں، اب فیصلہ لکھنا ہے، اور یہ کھڑا کانپ رہا ہوگا کہ اب میرے ساتھ کیا ہوگا؟ تب اللہ تعالیٰ اس کو قریب بلائیں گے اور ارشاد فرمائیں گے، جیسا کہ حدیث میں ہے:

”عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اِنَّ اللّٰہَ یُدْنِی الْمُؤْمِنَ

فَيَضَعُ عَلَيْهِ كَنَفَهُ وَيَسْتُرُهُ فَيَقُولُ اَتَعْرِفُ ذَنْبَ كَذَا؟ اَتَعْرِفُ ذَنْبَ كَذَا؟ فَيَقُولُ: نَعَمْ! اَىْ رَبِّ۔ حَتّٰى قَرَّرَهُ بِذُنُوْبِهٖ وَرَاٰى فِىْ نَفْسِهٖ اَنَّهٗ قَدْ هَلَكَ۔ قَالَ سَتَرْتُهَا عَلَيْكَ فِى الدُّنْيَا وَاَنَا اَغْفِرُهَا لَكَ الْيَوْمَ۔ فَيُعْطٰى كِتَابُ حَسَنَاتِهٖ.........اَلخ۔" (مشکوٰۃ ص:۴۸۵)

ترجمہ:......"حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایک مؤمن کو اپنے قریب بلائیں گے اور اس پر پردہ ڈال کر اسے چھپا کر پوچھیں گے کہ تم نے فلاں فلاں گناہ کئے تھے، تمہیں یاد ہیں؟ بندہ مؤمن کہے گا ہاں! مجھے یاد ہیں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے بار بار اس کے گناہ یاد دلائیں گے، تو وہ دل میں کہے گا کہ بس اب تو ہلاک ہوگیا، مگر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میں نے تم پر دنیا میں ستاری کی تھی (آج بھی میں تمہیں رسوا نہیں کروں گا، جاؤ) میں آج تمہیں معاف کرتا ہوں، پس اسے اس کی نیکیوں کا اعمال نامہ دیا جائے گا......"

یعنی اللہ تعالیٰ اسے فرماویں گے کہ کیا میرے فرشتوں نے تو تم پر ظلم تو نہیں کیا؟ کہیں کراماً کاتبین نے غلط لکھ دیا ہو؟ وہ کہے گا: یا اللہ! انہوں نے بالکل صحیح لکھا ہے، پھر اللہ تعالیٰ فرماویں گے کہ انہوں نے تجھ پر کوئی ظلم تو نہیں کیا؟ وہ جواب میں کہے گا: یا اللہ! انہوں نے کوئی ظلم نہیں کیا۔ پھر فرماویں گے تیرے پاس گناہ کا کوئی عذر ہو تو اس کو بیان کرو۔ بندہ کہے گا یا اللہ میرے پاس کوئی عذر نہیں، اب کیا کیا جائے،

حدیث کے الفاظ ہیں، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میں نے دنیا میں تیری پردہ داری کی اور آج بھی تیری پردہ پوشی کرتے ہوئے تیری بخشش کرتا ہوں۔

یہ وہ بندہ ہے جو اپنے پروردگار کے سامنے عجز و نیاز کو بجا لاتا ہے، کوتاہیاں ہوتی ہیں، معافی مانگتا ہے، اور جانتا ہے کہ میں سر سے پاؤں تک گندگی میں لتھڑا ہوا ہوں، اب کروں تو کیا کروں، پیش کروں تو کیا پیش کروں؟

بیماری اور تکلیف اللہ تعالیٰ کی طرف سے:

ایک بزرگ تھے، وہ جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوئے تو اللہ تعالیٰ ان سے فرماتے ہیں کہ ہمارے لئے کیا لائے، انہوں نے سوچا، سوچ کر کہنے لگے کہ اور چیزیں تو میں کیا پیش کروں، اتنا ہے کہ میں ایک اللہ کو مانتا ہوں، توحید کا قائل ہوں، یہ واقعہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے، بندہ کہے گا کہ آپ کی بارگاہ میں توحید پیش کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ ”اَمَا تَذْكُرُ لَيْلَةَ اللَّبَنِ؟“

وہ دودھ والی رات یاد نہیں رہی؟ یعنی جب تم نے یہ کہا تھا کہ رات کو میں نے دودھ پیا تھا، اور پیٹ میں درد ہوگیا، یعنی جب صبح لوگوں نے پوچھا کیا بات ہوگئی، کہا کہ میں نے رات دودھ پیا تھا اس لئے پیٹ میں درد ہوگیا، فرمایا دودھ پینے سے درد ہوا کرتا ہے؟ اور اسی کو توحید کہتے ہیں؟ اب ہماری حالت آپ دیکھ رہے ہیں کہ کیسی ہے؟

یہ زندگی ہم نے پوری کی اور جیسے تیسے باقی بھی پوری ہوجائے گی، ہمارے باپ دادا نے پوری کرلی ہم بھی پوری کرلیں گے، حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر اب تک لوگ پوری کرتے ہوئے جارہے ہیں، اور زندگی کی ایک عجیب

خاصیت ہے۔باری آنے والی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے مجھے پہاڑ چڑھنا ہے، آگے بہت مشکل ہے، اور جو پیچھے گزر گئی ہے، ایسے معلوم ہوتا ہے کہ کل کی بات ہے یہ، کوئی بات ہی نہیں، کبھی روتے ہیں، کبھی چلاتے ہیں، کبھی شکایتیں کرتے ہیں، کبھی کچھ کرتے ہیں، کبھی کچھ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا شکر نہیں کرتے، جب بھی کسی سے حالت پوچھنے بیٹھ جاؤ، جیسا بھی کھاتا پیتا آدمی ہو، اپنا کچا چٹھا بیان کرنے لگ جاتا ہے، شکایتیں شروع کردیتا ہے۔

امت مسلمہ کی عمر ساٹھ ستّر سال کے درمیان:

میرے بھائیو! ہم نے اللہ تعالیٰ کو کیا دیا؟...... میں اکثر یہ حدیث شریف سناتا رہتا ہوں، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ پہلی امتوں کی عمریں بڑی لمبی ہوتی تھیں، ہماری تو بہت چھوٹی عمریں ہیں۔ پوچھا گیا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ: ”أَعْمَرُ أُمَّتِی مِنْ سِتِّیْنَ اِلٰی سَبْعِیْنَ۔“ (ترمذی ج:۲ ص:۵۹) میری امت کی عمر ساٹھ ستّر سال کے درمیان ہے بس!

ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک صاحب نے پانچ سو سال اللہ تعالیٰ کی عبادت کی، نافرمانی کبھی نہیں کی، ان کا حساب پیش ہوا، اللہ تعالیٰ فرمانے لگے، جاؤ میری رحمت کے ساتھ جنت میں داخل ہوجاؤ، وہ کہنے لگا رحمت کے ساتھ؟ میں نے تو پانچ سو سال عمل کیا ہے، اس کا کوئی شمار ہی نہیں، فرشتوں سے کہا جائے گا اسے ذرا دوسری طرف سیر کرالاؤ فرشتے اسے لے جائیں گے جہنم کی طرف، راستے میں اسے پیاس لگے گی، شدید پیاس! اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو بھیجیں گے پانی دے کر وہ راستے میں ملے گا، یہ کہے گا کہ اے اللہ کے بندے تو مجھے پانی پلاسکتا ہے، وہ کہے گا کہ ضرور

پلاؤں گا، کہے گا یار پلادو، وہ کہے گا کہ پانی مول بکتا ہے، قیمت ادا کرنی پڑے گی، کہنے لگے کتنی قیمت ہے؟ وہ کہے گا پانچ سو سال کی عبادت ایک گلاس کی قیمت ہے، یہ بیچارہ پیاس کی وجہ سے مر رہا ہوگا، برا حال ہوگا، کہنے لگا ایک گلاس دے دو، دے دیا، پی لیا، ٹھنڈ آ گئی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا واپس لے آؤ، واپس لے آئے حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرمائیں گے عبادت دے دی؟ پانچ سو سال کی عبادت، ایک گلاس کے بدلے میں، اچھا یہ بتاؤ کہ پانچ سو سال کی زندگی میں میں نے کتنے گلاس پلائے تھے؟ یہ چپ، فرمایا اچھا میری رحمت کے ساتھ جنت میں داخل ہوجاؤ۔

اپنی پوری زندگی کا جائزہ لیں کہ ہم نے اللہ کی نعمتوں کا کیا شکر ادا کیا، شکایتیں ہی کیں، کہا یہ تکلیف ہے، مجھے یہ تکلیف ہے، مجھے یہ تکلیف ہے، جو گزر گئی ہے، اس کا پتہ بھی نہیں تھا تجھے، یہ بھی گزر جائے گی، اور موت آ جائے گی۔

اب مسئلہ چلتا ہے کہ قبر کی زندگی کس کو کہتے ہیں، بہت سے بے وقوف تو اس کے منکر ہی ہو گئے، کہ یہ قبر میں کیا ہوتا ہے، مرا ہوا ہوتا ہے، ان کو نظر نہیں آ رہا، یہ سامنے کی چیز کو دیکھتے ہیں، غائب کی چیز کو نہیں دیکھتے، اور اسی لئے بہت سارے لوگ تو ایسے ہیں جنہوں نے حیات النبی کا انکار کر دیا، نعوذ باللہ! نبی ﷺ نہیں سنتے، ان کی قبر پہ جا کر ان کو سلام کرو، وہ نہیں سنتے۔ (لاحول ولا قوۃ الا باللہ)

حالانکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

”مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُہٗ، وَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ نَائِیاً اُبْلِغْتُہٗ۔“ (مشکوٰۃ ص:۸۷)

ترجمہ:......”جو میرے روضہ اقدس پر آ کر مجھے سلام کرے گا، میں اس کو کانوں سے سنتا ہوں، اور جواب بھی دیتا

ہوں۔ اور جو دور سے مجھے سلام کرتا ہے، مجھے پہنچایا جاتا ہے۔“

قبر کی زندگی:

بہر کیف مرنے کے بعد قبر میں اسے دفن کر دیا جاتا ہے، لوگوں کے علم میں کچھ نہیں، حالانکہ اس زندگی پر، پوری زندگی مرتب ہونے والی ہے، حضور اقدس ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

”اِنَّمَا الْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ اَوْحُفْرَةٌ مِّنْ حُفَرِ النَّارِ۔“ (ترمذی ج:۲ ص:۷۳)

ترجمہ:...... ”قبر جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے، یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔“

کبھی کبھی اللہ تعالیٰ دکھا بھی دیتے ہیں، جو کچھ قبر میں انسان پہ گزرتی ہے اس کو کبھی کبھی دکھا بھی دیتے ہیں، ویسے عام طور پر دکھاتے نہیں، چنانچہ قبر کے عذاب کو نہ دکھانے کی حکمت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

”فَلَوْ لَا اَنْ تَدَافَنُوْا لَدَعَوْتُ اللّٰهَ اَنْ يُّسْمِعَكُمْ مِّنْ عَذَابِ الْقَبْرِ الَّذِیْ اَسْمَعُ مِنْهُ۔“ (مشکوٰۃ ص:۲۵)

ترجمہ:...... ”آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ اگر مجھے یہ خطرہ نہ ہوتا کہ تم اپنے مردے قبروں میں دفن کرنا چھوڑ دو گے، تو میں اللہ تعالیٰ سے کہتا کہ وہ تمہیں سنا دے قبر کے عذاب سے جو کچھ میں سن رہا ہوں، (لیکن مجھے اندیشہ یہ ہے کہ اگر تمہیں یہ باتیں معلوم ہوگئیں تو پھر تم مردوں کو دفن کرنا چھوڑ

دوگے۔" (یہ تو اللہ پاک کی عنایت و رحمت ہے ہم پر مگر ہم نے اس کا انکار کردیا، انکار کرنا شروع کردیا، زندگی سے انکار کرنا شروع کردیا۔)

مشکوٰۃ شریف میں ہے:

"اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا وُضِعَ فِیْ قَبْرِہٖ............الخ۔"

(مشکوٰۃ ص:۲۴)

جب میت کو دفن کردیا جاتا ہے اور اس کی اینٹیں برابر کردی جاتی ہیں، تو دو فرشتے اس کے پاس آتے ہیں اور تین سوال کرتے ہیں۔

تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ اور حضور اکرم ﷺ کا نقشہ پیش کرکے پوچھا جاتا ہے کہ تم ان کے بارے میں کیا کہتے تھے؟ نیک آدمی تو صحیح صحیح جواب دیتا ہے، بخاری شریف کی حدیث ہے کہ: حضور ﷺ نے فرمایا کہ قرآن کریم کی آیت:

"وَيُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔" (مشکوٰۃ ص: ۲۴)

کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ثابت قدم رکھیں گے مرنے کے وقت۔

قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ جب نیک آدمی کا انتقال ہوتا ہے: "وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ۔" (الانبیآء: ۱۰۳) تو فرشتے اس کا استقبال کرتے ہیں۔ دوسری آیت میں ہے کہ فرشتے کہتے ہیں کہ: "وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ۔" (حم السجدہ: ۳۰) تمہیں اس جنت کی بشارت ہو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

اگر دوسری ٹائپ کا آدمی ہو، اور دوسری قسم کا آدمی ہو، تو ہر بات پر کہتا ہے:

”هَا هَا لَا اَدْرِیْ، هَا هَا لَا اَدْرِیْ، هَا هَا لَا اَدْرِیْ۔“ مجھے پتہ نہیں، بھول جاتا ہے، آگے فرمایا کہ اس سے کہا جاتا ہے: ”لَا دَرَیْتَ وَ لَا تَلَیْتَ۔“ (مشکوٰۃ ص: ۲۵) تو نے نہ خود جانا، نہ کسی جاننے والے کے پیچھے چلا۔ اللہ تعالیٰ ہم سے کیا چاہتا ہے...... تو نے نہیں جانا، یہاں کے علوم تو بڑے پڑھے، اسکول بھی بنائے، یونیورسٹیاں بنائیں، تعلیم گاہیں بنائیں، دانش گاہیں بنائیں، لیکن مرنے کے بعد کیا ہوتا ہے؟ نہیں معلوم۔

نوجوان کا قصہ:

یہ تمہارے لاہور کا ہی واقعہ ہے، ایک صاحب نے اپنا بچہ پتہ نہیں کتنی تکلیفوں کے ساتھ، کتنا خرچ کر کے بھیجا، ولایت، ولایت پاس کرنے کے لئے، اعلیٰ علوم کی تعلیم حاصل کر کے آیا، آتے ہی بیمار ہوگیا، اور بیمار ہوا تو اس کا چالان ہوگیا، انگریزی میں کچھ کہہ رہا تھا، باپ نے انگریزی جاننے والوں سے پوچھا کہ یہ کیا کہتا ہے، انہوں نے کہا یہ کہتا ہے اپنے باپ سے کہ اس وقت کے لیے مجھے تو نے کیا پڑھایا۔

میرے بھائیو! میں تم سے بھی کہتا ہوں کہ اس وقت کے لئے کیا پڑھایا ہے تم نے اپنی اولاد کو؟ اور تم نے خود کیا سیکھا ہے؟ ولایت بھی پاس کرلی، ایل ایل بی بھی کرلیا، ڈاکٹری بھی کرلی، اور نامعلوم اب کتنی کتنی قسم کی ڈگریاں آگئی ہیں، وہ تم نے سب حاصل کرلیں، لیکن جب عزرائیل آئے گا اور روح قبض کرے گا، اس وقت کے لئے تم نے کیا کیا؟ ان کو کیا سکھایا؟

برزخی زندگی:

اب یہاں سے برزخ کی زندگی شروع ہوتی ہے، جیسا کہ میں نے عرض کیا: "اَلْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ" ہے، قبر جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے، نیک آدمی ہو تو حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں کہ میرے بندے کے لئے جنت کا کفن لاؤ، یہ تم جو پہناتے ہو نا کفن، اور ہمارے یہاں تو ایک ہی چل رہا ہے، اور وہ یہ کہ ہم تولٹھے کا پہناتے ہیں، کوئی امیر ہو یا غریب، ایک لمبا کرتا اور دو چادریں۔

اچھا ایک مسئلہ بتا دوں، وہ یہ کہ پتہ نہیں لوگوں کو یہ مسئلہ کہاں سے معلوم ہوا، پیچھے کی جانب تھوڑا سا رکھتے ہیں، اور اوپر کی جانب جو کرتا ہوتا ہے وہ لمبا رکھتے ہیں، حالانکہ کرتہ دونوں جانب سے برابر ہونا چاہئے۔ بہرحال وہ کرتا ان سلا یعنی سلائی کے بغیر ہوتا ہے، یا تو بہت زیب و زینت کے ساتھ سیتے تھے، کڑھائی کرتے تھے۔ حدیث میں ہے کہ جنتی کے لئے حکم ہوگا: "فَافْرِشُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَالْبِسُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَافْتَحُوْا لَهٗ بَابًا مِنَ الْجَنَّةِ۔ قَالَ فَيَأْتِيْهِ مِنْ رَّوْحِهَا وَطِيْبِهَا۔" (مشکوٰۃ ص:۲۵)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرے بندے کے لئے جنت سے کفن لاؤ، (خوشبودار، معطر، جنت کا کفن اس کو پہنایا جاتا ہے) اور جنت کا بستر بچھاؤ اور جنت کا لباس پہناؤ اور اس کے لئے جنت کی طرف سے ایک دروازہ کھول دو، اس سے ہوائیں آتی ہیں، اور اس کی خوشبوئیں آتی ہیں۔ سبحان اللہ۔

اور اگر دوسری قسم کا ادمی ہو، جس نے اس زندگی کے لئے کچھ نہیں کیا تھا، اللہ تعالیٰ معاف فرمائے، اللہ سے پناہ مانگو تو پھر:

"فَتَلْتَئِمُ عَلَيْهِ فَتَخْتَلِفُ اَضْلَاعُهٗ فَلَا يَزَالُ فِيْهَا مُعَذَّبًا حَتّٰى يَبْعَثَهُ اللّٰهُ

مِنْ مَّضْجَعِهٖ......الخ۔" (مشکوٰۃ ص:۲۵) ترجمہ: حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ قبر اس کو اس طرح بھینچتی ہے کہ اس کی پسلیاں ایک طرف سے دوسری طرف نکل جاتی ہیں (نعوذ باللہ من ذالک) یا اللہ اپنی پناہ میں رکھ، اور اس حالت میں یہ پورے وقت یعنی آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک آرہے ہیں یہاں تک کہ اللہ پاک ان کو قبروں سے اٹھادے، تم سوچتے ہو کہ گل سڑ کے مٹی ہوگئے ہوں گے، نہیں! عذاب یا ثواب باقاعدہ ہورہا ہے، میں نے کہا تھا کہ تمہیں واقعہ سنادوں، واقعات اس قسم کے ہیں، اتنے ہیں، قبروں کے حالات اتنے ہیں اور اتنے مجھے یاد ہیں کہ اس کے لئے ایک مجلس کافی نہیں ہے۔

مسلمان کا قاتل جہنمی:

رسول اللہ ﷺ جہاد میں تھے، اور آئے دن لوگ نئے نئے مسلمان ہوتے تھے، اور بعض دفعہ ایسا ہوتا تھا کہ کبھی کسی کے دل میں وہ پرانی باتیں پیدا ہوجاتی ہیں، ایک صاحب نے کسی مسلمان کو قتل کردیا، جہاد کے دوران، اس کی پرانی دشمنی تھی جاہلیت کی، وہ بھی مسلمان، یہ بھی مسلمان، قتل تو کردیا لیکن آکر حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کرنے لگا یا رسول اللہ! مجھ سے غلطی ہوگئی، میرے لئے بخشش مانگیں، بخشش کی دعا کریں، غلطیاں تو اور بہت سی ہوجاتی ہیں، لیکن کسی مسلمان کو قتل کرنا بڑا گناہ ہے، بڑا گناہ ہے بڑا پاپ ہے، چنانچہ اس نے کہا:

"اِنَّهٗ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنْ لَقِيْتُ كَافِرًا، فَاقْتَتَلْنَا، فَضَرَبَ يَدَىَّ بِالسَّيْفِ فَقَطَعَهَا ثُمَّ لَاذَا بِشَجَرَةٍ وَقَالَ: اَسْلَمْتُ لِلّٰهِ۔ اَقْتُلُهٗ بَعْدَ اَنْ قَالَهَا؟ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ: لَا تَقتُلہُ۔ قَالَ: یَا رَسُولَ اللّٰہِ! فَاِنَّہٗ طَرَحَ اِحدیٰ یَدَیَّ ثُمَّ قَالَ ذَالِکَ بَعدَ مَا قَطعَھا۔ أَ اَقتُلُہٗ؟ قَالَ لَا تَقتُلہُ فَاِنْ قَتلَتہٗ فَاِنَّہٗ بِمَنزِلَتِکَ قَبلَ اَنْ تَقتُلَہٗ وَاَنتَ بِمَنزِلَتِہٖ قَبلَ اَنْ یَّقُولَ کَلِمَتَہُ الَّتِی قَالَ۔“

(بخاری ج:۲ ص:۱۰۱۴)

یعنی ایک صحابی (حضرت مقداد بن عمرو الکندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) پوچھتے ہیں یا رسول اللہ! ایک کافر کے ساتھ میرا مقابلہ ہورہا ہے، اس نے میرا ایک ہاتھ کاٹ دیا ہے، میں نے جب تلوار اس پر اٹھائی، وہ کہنے لگا ”لا الہ الا اللہ“ یعنی ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ پڑھ کر مسلمان ہوگیا، میری تلوار اٹھی ہوئی ہے، اور اس نے مجھے نقصان پہنچایا، فرمایا اس کو تم نہیں قتل کرسکتے، ”لا الہ الا اللہ“ کے بعد تم اس کو قتل نہیں کرسکتے، اگلی بات میں سنانا چاہتا ہوں جو آنحضرت ﷺ نے فرمائی، وہ یہ کہ اگر تو نے اس کو قتل کیا، تو تو اس کی جگہ ہوگا اور وہ تیری جگہ ہوگا، مسلمان ہونے سے پہلے اس کی جو جگہ تھی وہاں تجھے پہنچادیں گے (جہنم) مسلمان ہونے کے بعد جو تیری جگہ تھی، (جنت) اس کو وہاں پہنچادیں گے۔

حضرت اسامہ ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضور ﷺ کے منہ بولے بیٹے، حضرت زید ابن حارثہؓ کے بیٹے تھے، نوجوان تھے، آنحضرت ﷺ نے ان کو ایک فوجی دستے میں بھیجا، تو ان کو بھی مغالطہ ہوگیا، ایک آدمی ”لا الہ الا اللہ“ کہہ رہا تھا، انہوں نے

اس کو قتل کردیا، اور یہ خیال کیا کہ یہ ڈر کے مارے کہتا ہے، جب آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کارگزاری سنائی، کہ یہ واقعہ بھی درمیان میں آیا، آپ ﷺ (میرے ماں باپ قربان ہوں آپ پر) نے فرمایا:

”وَ قد قَتَلْتَهٗ وَقَدْ قَالَ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ۔“(مسلم ج:۱ ص:٦٨)تو نے اس کو قتل کردیا، حالانکہ وہ ”لا الہ الا اللہ“ کہہ رہا تھا......؟ یہ کہہ کر آپ کی آنکھیں سرخ ہوگئیں، حضرت اسامہ نے کہا یا رسول اللہ اس نے بچنے کے لئے یہ کلمہ پڑھا تھا، تو آپ نے فرمایا:

”فَهَلْ اَشْقَقْتَ عَنْ قَلْبِهٖ۔“(مسلم ج:۱ ص:٦٨) ترجمہ: کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا؟

مسلمان کے قاتل کو قبر نے باہر پھینک دیا:

بہر حال میں اس کا ذکر کررہا تھا کہ ایک آدمی دوسرے کو قتل کرکے آگیا، پھر کہنے لگا یا رسول اللہ! میرے لیے معافی مانگئے، مجھ سے یہ غلطی ہوئی، چونکہ وہ پرانی جاہلیت میں قتل کرتے تھے، اور اب تو وہ مسلمان تھا، اور یہ بھی مسلمان تھا، لیکن پرانی جاہلیت کا بدلہ لیا، اب آنحضرت ﷺ اس کو کیسے معاف کرتے یا اس کے لئے کیسے استغفار کرتے؟ تم نے ابھی سنا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا پوتا، یعنی زید ابن حارثہ، آپ کا بیٹا تھا، منہ بولا بیٹا، اور اسامہ گویا آنحضرت ﷺ کا پوتا تھا، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ حضرت اسامہ سے ایسے پیار کرتے تھے جیسے کہ حسن و حسین رضی اللہ عنہما سے کرتے تھے، لیکن آپ نے اس کو معاف نہیں کیا، حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”لَا غَفَرَ اللّٰهُ لَکَ۔“

یعنی اللہ تیری بخشش نہ کرے......توبہ، استغفراللہ! تو نے ایک مسلمان کو قتل کر دیا...... چنانچہ البدایہ والنہایہ میں ہے:

''لَا غفرَ اللّٰهُ لکَ۔ فقام وَهُوَ يتلقّٰى دُمُوعَهٗ بِبُرْدَيْهِ فَمَا مَضَتْ لَهٗ سَابِعَةٌ حَتّٰى مَاتَ فَدَفَنُوْهُ فَلَقَطَتْهُ الْاَرْضُ، فَجَاؤُا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرُوا ذٰلِكَ لَهٗ فَقَالَ اِنَّ الْاَرْضَ لَتَقبَّلُ مَنْ هُوَ شَرٌّ مِنْ صَاحِبِكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَرَادَ اَنْ يَعِظَكُمْ مِنْ حُرْمَتِكُمْ......الخ۔''

(حیاۃ الصحابۃ ج:۲ ص:۳۷۳، البدایۃ ج:۴ ص:۲۲۴)

خلاصہ یہ کہ صحابیؓ کہتے ہیں کہ ایک چادر اس کے پاس تھی مجھے اس کا نقشہ اب بھی نظر آرہا ہے، دونوں آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، چادر سے صاف کر رہا تھا، بڑی منتیں کرتا رہا، توبہ کرتا رہا، اللہ کے سامنے لیکن آنحضرت ﷺ نے جواب نہیں دیا، کافی دیر بیٹھا رہا آپ کے پاس، بالآخر چلا گیا، اور سات دن کے بعد اس کا انتقال ہوگیا، یعنی اس کو اتنا غم اور اتنا صدمہ ہوا کہ سات دن کے بعد ختم ہوگیا، لوگوں نے قبر کھودی، نہلایا دھلایا، کفن وغیرہ کا کیا، اور قبر میں دفن کر کے آگئے، اگلے دن جا کے دیکھا باہر پڑا ہے، یعنی قبر سے باہر پڑا ہے، حضور اقدس ﷺ کے سامنے اس کا تذکرہ کیا گیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا زمین تو اس سے زیادہ گنہگاروں کو بھی پناہ دے دیتی ہے، مگر اللہ تعالیٰ تم کو اپنی قدرت کی نشانی دکھانا چاہتا ہے۔

قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل:

میرے بھائیو! قبر میں ہمارے ساتھ کیا ہونے والا ہے، اس سے تو بالکل ہم

غافل ہوگئے، اور ہم اس کو بھول گئے۔ امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کسی قبر پہ جاتے تھے، تو اتنا روتے تھے، اتنا روتے تھے، اتنا روتے تھے کہ آپ کی داڑھی مبارک تر ہوجاتی تھی، عرض کیا گیا کہ:

"تَذْکُرُ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ وَلَا تَبْکِ۔" (ترمذی ج:۲ ص:۵۵)

آپ جنت اور دوزخ کا تذکرہ کرتے ہیں آپ نہیں روتے، مگر آپ اس پر اتنا کیوں روتے ہیں؟ فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ قبر آخرت کی منازل میں سے پہلی منزل ہے، اگر یہاں کامیاب ہوگیا تو انشاء اللہ آگے بھی کامیاب ہوجاؤ گے، اگر یہاں کامیاب نہ ہوا، اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے، تو پھر آگے بھی فیل، قبر والوں پر کیا کیا گزرتی ہے...... ہم تو جانتے نہیں ہیں، ہم تو صرف یہ کہتے ہیں کہ چہلم کرلو، قل شریف کرلو، اور ایک اور رواج نکال لیا ہے کہ برسی کرلو، لوگ مجھے خط لکھ لکھ کر برسی کا پوچھتے ہیں، میں نے کہا مجھے تو پتہ نہیں ہے اس کا، بس وقت ہوگیا ہے اس پر ختم کرتا ہوں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

رسول اللہ ﷺ کی نصیحت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی امت کے لیے ایسی نصیحتیں فرماتے تھے کے امت اپنے دل کی گہرائی کے ساتھ ان کو سنے اور سن کر ان کو محفوظ کر لے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ۔ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ!

حضرات گرامی!

مولانا ہمارے شاہ صاحب نے، جناب سید سلمان گیلانی صاحب نے نظم پڑھی، اور مولانا امجد خان نے ہمارے خون کو گرمایا، ہمارا خون تو ٹھنڈا تھا، ہمارے خون کو بھی گرما دیا، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے، میں اپنی بات تو بعد میں کروں گا، ایک بات کہہ دیتا ہوں، اور وہ اپنی بات نہیں ہوگی، بلکہ حضور ﷺ کی بات ہوگی، لیکن ایک بات کہتا ہوں، ہمارا جو کچھ بھی ہے، رسول اللہ ﷺ کے لئے ہے۔

ناموس رسول کے لئے جان کی قربانی سستا سودا ہے:

اگر ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ بھی نہیں رہے...... تو کچھ نہیں رہا، اس لئے

اگر گردن بھی کٹانی پڑے تو حاضر ہے، سودا سستا ہے۔

اور اگر گورنمنٹ بزدلی اختیار کرتی ہے، ناموس رسالت قانون پاس ہوگیا تھا، اب بزدلی اختیار کرتی ہے، تو پھر آزما کر کے دیکھ لے، زیادہ اس سلسلے میں بات کرنے کی ضرورت نہیں، قانون بن چکا ہے اور قانون یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے گستاخ کی سزا موت ہے، یہ اٹل ہے، اس کو نہیں بدل سکتے، تم ایچ پیچ کر کے باتیں کر رہے ہو، لیکن مسلمان تو...... مسلمان بیچارہ چاہے جتنا بھی کمزور ایمان والا ہو، لیکن رسول اللہ ﷺ کی ناموس کے لئے سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار ہے، (بالآخر حضرت شہیدؒ نے عملاً اپنی جان عزیز کا نذرانہ پیش کر کے بتلا دیا کہ ناموس رسالت کے تحفظ کے لئے یہ سودا سستا ہے،) بس اب یہ بات تو ختم ہوگئی، اب میں حضور ﷺ کی بات کرتا ہوں۔

حضور ﷺ کی حضرت معاذؓ کو وصیتیں:

حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ، آنحضرت ﷺ کے بہت ہی پیارے اور لاڈلے صحابی تھے، مسند احمد میں ہے:

”عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ لَمَّا بَعَثَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَی الْیَمَنِ خَرَجَ مَعَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُوْصِیْہِ وَمُعَاذٌ رَاکِبٌ وَرَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَمْشِیْ تَحْتَ رَاحِلَتِہٖ، فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ یَا مُعَاذُ! اِنَّکَ عَسٰی اَنْ لَا تَلْقَانِیْ بَعْدَ عَامِیْ ھٰذَا اَوْ لَعَلَّکَ اَنْ تَمُرَّ بِمَسْجِدِیْ ھٰذَا اَوْ قَبْرِیْ ھٰذَا......الخ۔“ (مسند احمد ج:۸ حدیث:۲۲۱۱۳)

ترجمہ:...... ''حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے مجھے یمن کی طرف (گورنر بنا کر) بھیجا، تو آپؐ مجھے رخصت کرنے کے لئے مدینہ منورہ سے باہر تک تشریف لائے، اور آپؐ مجھے وصیتیں فرما رہے تھے، میں سواری پر سوار تھا، اور رسول اکرم ﷺ پیدل چل رہے تھے، جب آپ ﷺ وصیتوں سے فارغ ہوئے، تو فرمایا: اے معاذ! بہت ممکن ہے کہ آج کے بعد تم مجھ سے نہ مل سکو، یا یہ فرمایا کہ: اے معاذ! آئندہ تم میری اس مسجد میں تو آؤ گے (مگر مجھے نہ پاؤ گے) یا یوں فرمایا: آئندہ تم میری قبر پر آؤ گے...... اور پھر آگے وصیتیں فرمائیں......''

یعنی رسول اقدس ﷺ نے آخری دور میں ان کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا، یہ اپنی سواری پر سوار تھے، رسول اللہ ﷺ ان کے ساتھ پیدل چل رہے تھے، اور آپ ﷺ کی سواری ساتھ تھی، انہوں نے کہا یا رسول اللہ! یا مجھے اجازت دیجئے کہ میں اتر جاؤں، یا آپ سوار ہو جایئے، فرمایا نہ تم اترو گے، نہ میں سوار ہوں گا، تمہارا کیا حرج ہے، اگر اللہ کے راستے کا غبار میرے قدموں کو لگ جائے، تمہارا کیا نقصان ہے اور ایک بات آخری ان سے کہی تھی اور بہت سی باتیں کہیں راستے میں، ایک بات یہ کہی تھی کہ معاذ! ہوسکتا ہے کہ تم آج کے بعد مجھے نہیں دیکھو گے، تم میری قبر پر گزرو گے، مجھے نہیں دیکھو گے، (چنانچہ یہی ہوا) آنحضرت ﷺ نے انہی معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چند نصیحتیں فرمائی، اور ان میں سے ایک نصیحت یہ تھی کہ اپنی زبان کی حفاظت کیا کرو،

حضرت معاذؓ کہنے لگے:

”وَھَلْ نُؤَاخذُ بِمَا نَتَکَلَّمُ بِهٖ یَارَسُولَ اللّٰهِ؟ ثَکِلَتْکَ اُمُّکَ یَا مَعَاذُ! وَھَلْ یُکِبُّ النَّاسَ عَلٰی وُجُوهِهِم اَوْ قَالَ عَلٰی مَنَاخِرِهِم اِلَّا حَصَائِدَ اَلْسِنَتِهِم۔“

(مسند احمد ج:۸ حدیث:۲۲۱۲۹)

ترجمہ:...... ”یا رسول اللہ! ہم اپنی زبان سے جو باتیں کردیتے ہیں، اس پر بھی ہم سے پکڑ ہوگی؟ فرمایا: معاذؓ! تیری ماں تجھے گم پائے یعنی تو مرجائے (یہ عربوں کا محاورہ ہے)، لوگوں کو چہروں کے بل یا ناکوں کے بل جہنم میں گرانے والی سوائے زبان کے کھیتیوں کے اور کیا چیز ہوگی؟“

میرے بھائیو! جو عمل کرو یہ دیکھو کہ میرے رسول ﷺ کو ناراضگی تو نہیں ہے اس میں! حضور اقدس ﷺ اس سے ناراض تو نہیں ہوں گے، یہ دیکھ لیا کرو، داڑھی منڈواتے ہو تو بھی دیکھ لیا کرو، کپڑا پہنتے ہو تو بھی دیکھ لیا کرو، کوئی بات کرتے ہو تو بھی دیکھ لیا کرو، کوئی جھگڑا کرتے ہو تو بھی دیکھ لیا کرو، ایک ایک چیز دیکھ لیا کرو کہ رسول اللہ ﷺ ...... جن کی بارگاہ میں ہمیں شفاعت کے لئے حاضر ہونا ہے، وہ ناراض تو نہیں ہوں گے۔ پھر فرمایا: معاذ!...... ”اُحِبُّ لَکَ مَا اُحِبُّ لِنَفْسِیْ۔“

میں تمہارے لئے وہی چیز پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں، یہ رسول اللہ ﷺ کا طرزِ تکلم تھا، بات کہنے سے پہلے بات اگلے کے دل میں اتر جائے، بات ابھی کہی نہیں، لیکن اس انداز سے بات کی گئی کہ دل اس کے لئے تیار ہوجائے، جس طرح کہ بارش کا قطرہ ہوتا ہے، بارش ہوتی ہے نا! بارش کا قطرہ برستا ہے تو سیپ

اپنا منہ کھول دیتی ہے، اور ادھر قطرہ گرجاتا ہے سیپ کے اندر اور فوراً سیپ اپنا منہ بند کرلیتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ بھی امت کے لئے ایسی نصیحتیں فرماتے تھے کہ امت اپنے دل کی گہرائی کے ساتھ ان کو سنے، اور سنکر کے ان کو محفوظ کرلے، فرمایا معاذ! میں تمہارے لیے وہی چیز پسند کرتا ہوں جو چیز اپنے لیے پسند کرتا ہوں۔

تین باتوں کی نصیحت:

اور پھر فرمایا میں تمہیں تین باتوں کی نصیحت کرتا ہوں۔ اور بھائی یہ تین باتیں جیسے تمہارے لئے ضروری ہیں، ایسے ہی میرے لئے بھی ضروری ہیں، اس کو پکالو، اللہ تعالیٰ مجھے بھی توفیق عطا فرمائے اور آپ کو بھی، ان کو اپنا معمول بنالو، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا تھا معاذؓ کبھی ان چیزوں کو نہ چھوڑنا، اور وہ چھوٹی چھوٹی تین باتیں یہ ہیں:

"اَللّٰھُمَّ اَعِنِّی عَلٰی ذِکْرِکَ وَ شُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ۔" (مسند احمد ج:۸ حدیث:۲۲۱۸۰)

اے اللہ! میری خاص مدد فرما۔"عَلٰی ذِکْرِکَ۔"اپنے ذکر پر۔

ہم دنیا کا تذکرہ تو بہت کرتے ہیں، اللہ کا ذکر بھی کیا کریں، حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آنحضرت ﷺ نے نصیحت فرمائی، کہ یہ کہا کرو:

"اَللّٰھُمَّ اَعِنِّی عَلٰی ذِکْرِکَ وَ شُکْرِکَ۔"

(یا اللہ! میری خاص مدد فرما کہ میں آپ کا ذکر کیا کروں۔)

"وَ شُکْرِکَ۔"اور آپ کا شکر کیا کروں، کوئی نعمت اللہ تعالیٰ نے عطا

فرمائی ہو، کوئی نعمت اللہ کی طرف سے آئی ہو، ہم اس پر اللہ کا شکرادا کیا کریں، ناشکری کرنے والے تو بہت ہیں، شکر کرنے والے کم ہیں، اللہ کی شکایت کرنے والے تو بہت ہیں، لیکن یہ کہنے والے کہ ''یا اللہ! تیرا شکر ہے، میں تو اس کا بھی اہل نہیں تھا۔ یہ تو آپ نے انعام فرمادیا۔''

ایک چھوٹا بچہ ہے ہمارے پاس، ہم اسے ۱۰۰ کا نوٹ پکڑادیتے ہیں، کبھی اس کے دل میں وسوسہ بھی نہیں آئے گا کہ میں اس کا اہل تھا، حق تعالیٰ شانہ نے ہمیں کتنی نعمتیں عطا فرمائی ہیں، مال ہے، اولاد ہے، بیوی بچے ہیں، گھر بار ہے، عزت و آبرو ہے اورسب سے بڑی بات یہ ہے کہ اپنے نام کی توفیق عطا فرما دی ہے، اور سب چیزیں ایک طرف، اللہ تعالیٰ کے نام کی اور رسول اللہ ﷺ کی عظمت کی بات بھی سیکھو، یااللہ! مجھے اپنے ذکر کی توفیق عطا فرما، اپنے شکر کی توفیق عطا فرما، اورکم سے کم یہ کہہ دیا کرو یا اللہ! آپ نے جتنی بھی نعمتیں عطا فرمائیں تیرا شکر ہے، زبان سے کہہ دیا کرو، اور آخری بات یہ کہ: ''وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ۔'' اپنی عبادت کو اچھی کرنے کی توفیق عطا فرما۔

ایک ہے عبادت کرنا اور ایک ہے عبادت کو اچھی طرح کرنا، دونوں باتوں میں بڑا فرق ہے، ہم لوگ نماز پڑھتے ہیں، جان چھڑانے والی، یعنی سجدے سے اٹھے، سیدھے بھی نہیں بیٹھے پھر چلے گئے، کیونکہ جب ہم نماز پڑھنے لگتے ہیں اس وقت ہمیں پوری دنیا کے کام یاد آجاتے ہیں، اور ہم چاہتے ہیں کہ اس نماز کو ٹرخا کے جلدی جلدی اس کام کو نمٹائیں۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی ایک شخص کو نصیحت:

نہیں بھائی! یہ تو وہی بات ہوگئی حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں ایک آدمی آیا، کہنے لگا حضرت ایک بات پوچھنے کے لئے آیا ہوں، فرمایا کیا؟ کہا کہ میں کسی جگہ اپنا روپیہ دبا کر کے بھول گیا ہوں، روپیہ دبایا تھا، لیکن اب مجھے یاد نہیں رہا، بہتیرا تلاش کیا، جگہیں بھی کھودیں، مگر وہ نہیں مل رہا، تو مجھے کوئی ایسی ترکیب بتادیجئے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ دو رکعت نماز کی نیت باندھ لو، تمہیں وہ دبایا ہوا خزانہ یاد آجائے گا، لیکن مہربانی کر کے نماز پوری کرلینا۔

اس نے نماز کو جو شروع کیا، شیطان نے فوراً یاد دلا دیا اور وہ نماز توڑ کر کے بھاگ گیا۔ تو ہمارا ایسا ہی حال نہ ہو بھائی، اپنی عبادت کریں لیکن اچھی طرح عبادت کریں، ایک بات کہتا ہوں، عبادت مثلاً نماز ہے، پڑھنے لگو تو یہ تصور کرو کہ ممکن ہے یہ نماز میری آخری نماز ہو اور اس کے بعد پھر مجھے نماز پڑھنے کی توفیق بھی نہ ملے، اطمینان کے ساتھ نماز پڑھو، اور پڑھنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے مانگو کہ یا اللہ! اگر آئندہ بھی میری قسمت میں نماز ہے تو اپنی رحمت کے ساتھ اس نماز کو اچھی طرح پڑھنے کی توفیق عطا فرمادے، ایک نماز کی بات نہیں، اور جتنی بھی نمازیں ہیں۔

”وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ۔“ جتنی بھی عبادت کی چیزیں ہیں یا اللہ! مجھے ٹھیک کرنے کی توفیق عطا فرما۔

میرے بھائیو! داڑھی نہ منڈواؤ، قیامت کے دن اس پر عذاب ہوگا، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ہم پیش ہوں گے اور حضور ﷺ فرمائیں گے...... یہ کیا کر کے آئے ہو؟ میں نے تمہیں یہ سنت دی تھی؟

داڑھی منڈے سے حضور ﷺ کی نفرت:

آنحضرت ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے اور ایران کے دو سپاہی آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور شاہ ایران نے انہیں بھیجا تھا، آپ ﷺ کو پکڑنے کے لئے، آنحضرت ﷺ نے دیکھا کہ ان کی داڑھیاں منڈی ہوئی ہیں، مونچھیں رکھی ہوئی ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا ناس ہوجائے...... یہی الفاظ ہیں، تمہارا ناس ہوجائے......تم نے اپنی یہ شکل کیوں بگاڑی ہوئی ہے، انہوں نے کہا کہ ہمارے رب یعنی کسریٰ نے، شاہ ایران نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے، آنحضرت ﷺ نے جواب میں فرمایا: ”لیکن میرے رب نے تو مجھے حکم فرمایا ہے کہ مونچھیں کٹواؤں اور داڑھی بڑھاؤں، چنانچہ بدایہ والنہایہ میں ہے:

”......فَكَرِهَ النَّظَرُ اِلَيْهِمَا۔ وَقَالَ وَيْلَكُمَا مَنْ اَمَرَكُمَا بِهٰذَا؟ قَالَ اَمَرَنَا رَبَّنَا يَعْنِيَانِ كِسْرٰى فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلٰكِنَّ رَبِّىْ اَمَرَنِىْ بِاِعْفَاءِ لِحْيَتِىْ وَقَصِّ شَارِبِىْ۔“

(حیاۃ الصحابۃ ج:۱ ص:۱۱۵، البدایۃ والنہایۃ ج:۴ ص:۲۷۰)

میرے بھائیو! انگریز کی نقل نہ کرو، ایرانیوں کی نقل نہ کرو، مجوسیوں کی نقل نہ کرو، اپنے نبی پاک ﷺ کی نقل کرو، آنحضرت ﷺ نے ان مجوسیوں کو یہ کہا اور ساتھ ہی فرمایا کہ ”میرے پاس سے اٹھ جاؤ، میرا نمائندہ تم سے بات کرے گا، میں تم سے بات بھی نہیں کرتا۔

حضور ﷺ داڑھی منڈے کے سلام کا جواب نہیں دیتے:

ایک صاحب گئے مدینہ طیبہ...... ان سے ہمیشہ ملاقات ہوتی رہتی ہے، انہوں نے بتایا کہ ایک صاحب حضوری ہیں، جنہیں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضری کی توفیق ہوتی ہے، انہوں نے ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ ! آپ کی حیات طیبہ میں کوئی قصور کرکے آتا تھا، وہ آکر سلام کرتا تھا تو آپ منہ ادھر کرلیتے تھے، ادھر سلام کرتا تھا تو آپ منہ ادھر کرلیتے تھے، تو جو لوگ داڑھی منڈوا کر کے آپ ﷺ کے روضہ اقدس پر آتے ہیں اور آپ ﷺ کو سلام کرتے ہیں، کیا آپ ﷺ ان کے سلام کا جواب دیتے ہیں؟ فرمایا میں ان کے سلام کا جواب نہیں دیتا۔

میرے بھائیو! ہمارا خسارہ ہے، یہ داڑھی کے بال تمہیں بوجھ محسوس ہوتے ہیں؟ بوجھ نہیں ہیں، یہ رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے، قیامت کے دن تو یہ ہوگی ہی نہیں، کہتے ہیں کہ...... بعض روایتوں میں آتا ہے، ایک حضور ﷺ کی داڑھی ہوگی، ایک آدم علیہ السلام کی داڑھی ہوگی، اور کسی کی داڑھی نہیں ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اس لئے رسول اللہ ﷺ کی ہر سنت پر عمل کرو اور انشاء اللہ اس میں ہماری نجات ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

روضہ اقدس پر
حاضری کے آداب!

مدینہ کا سفر محبت کا سفر ہے، اور آنخضرت ﷺ سے شفاعت طلب کرنے کا سفر ہے، ہم آنخضرت ﷺ کے در دولت پر اس لئے حاضری دیتے ہیں کہ ہم عرض معروض کرسکیں کہ حضور ﷺ ہماری بھی شفاعت کردیں۔

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی، اما بعد!

مدینہ طیبہ میں حاضری حج کا رکن نہیں ہے، اگر کوئی شخص مکہ مکرمہ جاکر حج کرلے، اور مدینہ منورہ نہ جائے تو اس کا حج ہوجائے گا، لیکن آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

”مَنْ حَجَّ وَلَمْ يَزُرْنِیْ فَقَدْ جَفَانِیْ۔“

(درمنثور ج:۱ ص:۲۳۷، کشف الخفاء للعجلونی ج:۲ ص:۳۳۸، ۳۸۲، تنزیه الشریعة لابن العراق ج:۲ ص:۱۷۲)

ترجمہ:......”جس نے حج کیا اور میری زیارت کو نہیں آیا اس نے میرے ساتھ بے مروتی (بے وفائی) کی۔“

میں نے یہ مسئلہ تو بتادیا ہے کہ مدینہ طیبہ کی حاضری کا حج سے کوئی تعلق نہیں ہے، حج تو اس کے بغیر بھی ہوجاتا ہے، لیکن آدمی نے اتنا لمبا سفر طے کیا اور حضور اقدس ﷺ کی بارگاہ میں حاضر نہیں ہوا تو بڑی محرومی کی بات ہے۔

ہمارے ایک پیر بھائی ہیں جناب ڈاکٹر محمد اسماعیل مدنی صاحب، وہ ایک

مرتبہ امریکہ سے آئے اور آئے بھی حج کے دنوں میں، مگر حج نہیں کیا، بلکہ وہ پورے موسم حج میں مدینہ طیبہ میں ٹھہرے رہے، فرمانے لگے کہ حج تو بہت کئے ہیں، لیکن اس سال کا یہ سفر صرف مدینہ منورہ کے لئے کیا ہے۔

طلب شفاعت کا سفر:

میرا بھائی! مدینہ کا سفر محبت کا سفر ہے، اور آنحضرت ﷺ سے شفاعت طلب کرنے کا سفر ہے، ہم آنحضرت ﷺ کے در دولت پر اس لئے حاضری دیتے ہیں کہ ہم عرض معروض کرسکیں کہ حضور ﷺ ہماری بھی شفاعت کردیں۔ ہمارے اکابر نے فرمایا ہے کہ مدینہ منورہ کی حاضری کے وقت یہ نہ کہے کہ میں مدینہ کی زیارت کے لئے آیا ہوں بلکہ یوں کہے کہ میں آنحضرت ﷺ کی زیارت کے لئے آیا ہوں، اس لئے کہ آنحضرت ﷺ اپنے روضۂ اقدس میں بھی اسی طرح حیات ہیں جس طرح کہ آپ ﷺ اپنی زندگی میں حیات تھے، یہ اپنا عقیدہ ہے۔

مدینہ منورہ کے آداب:

مدینہ منورہ کی حاضری کے کچھ آداب ہیں، اب میں اس کے مختصر آداب بتاتا ہوں:

ا:......پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم جب مدینہ طیبہ کی طرف چلیں، ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ ہم اس مبارک شہر کے سفر میں آنکھوں کے بل چل کر جاتے، موٹر اور سواری پر سوار نہ ہوتے، لیکن چونکہ ہم کمزور ہیں، ٹانگوں میں چلنے کی طاقت نہیں ہے، اور پھر ۴۰۰ کلومیٹر سے زیادہ کا سفر ہے، اور اتنا لمبا سفر پیدل مشکل ہے، چنانچہ میرے بہت سے اکابر کا معمول رہا ہے کہ جب مسجد نبوی ﷺ پر نظر پڑتی تو سواری

سے اتر جاتے، اور جوتے کے بغیر جاتے، لیکن بھئی ہم تو اس سے بھی کمزور ہیں، میں تو ایک دو قدم بھی نہیں چل سکتا، اس لئے سواری پر سفر کرو تو کوئی گناہ نہیں، لیکن میں ادب بتا رہا ہوں کہ اکابر کا ادب یہ تھا کہ مدینہ کا سفر پیدل کرتے تھے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ادب:

ہمارے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مدینہ طیبہ میں حاضر ہوتے تھے مگر صرف ایک دن اور ایک رات کے لئے، یا تین دن، تین رات کے لئے، اس عرصہ میں نہ کھاتے تھے نہ پیتے تھے اور نہ پیشاب کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ میں اس سے زیادہ یہاں رہ نہیں سکتا، فرماتے تھے کہ جس جگہ اور جس زمین پر حضور اکرم ﷺ کے قدم مبارک لگے ہوں میں اس جگہ کو پیشاب پاخانہ سے ملوث کروں، مجھے شرم آتی ہے۔ ہم کہتے ہیں مدینہ پاک، مدینہ منورہ، مدینہ طیبہ وہ پاک بھی ہے، منور بھی ہے، وہ طابہ بھی ہے، اس کے ایک ایک قدم پر آنحضرت ﷺ کے نشانات لگے ہوئے ہیں، اس لئے ہمیں آنحضرت ﷺ کا حد سے زیادہ احترام کرنا چاہئے۔

۲:...... بزرگوں نے فرمایا کہ جب مدینہ منورہ کا سفر شروع کرے تو پورے راستہ میں جتنا ہوسکے درود شریف پڑھتا رہے، پورے سفر کو آنحضرت ﷺ پر درود شریف پڑھنے میں مشغول کرلے۔ مدینہ منورہ پہنچ کر اپنے کپڑے بدلے اور پاک صاف کپڑے پہن کر آنحضرت ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو، مدینہ طیبہ میں بارگاہ نبوت میں حاضری کے علاوہ دوسرا کوئی عمل نہیں ہے۔ کہتے ہیں ایک پٹھان بھائی مدینہ طیبہ گئے کہنے لگے: وہ صفا، مروا کدھر ہے؟ اس کو بتایا گیا کہ یہاں صفا اور مروہ نہیں ہوتا، تو کہنے لگا واہ روضے والے تیرے ہاں کتنا اچھا ہے کہ یہاں صفا بھی نہیں ہے اور

مروا بھی نہیں ہے، تو وہاں کوئی کام نہیں ہے، البتہ مدینہ منورہ میں صرف دو کام ہیں، ایک تو یہ کہ آپ چالیس نمازیں تکبیرِ تحریمہ کے ساتھ پڑھیں۔

حدیث میں ہے، اگرچہ یہ حدیث ذرا کمزور ہے مگر فضائل اعمال میں چلتی ہے کہ:

”عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ مَنْ صَلّٰى فِيْ مَسْجِدِيْ اَرْبَعِيْنَ صَلَاةً لَا يَفُوْتُهٗ صَلَاةٌ كُتِبَتْ لَهٗ بَرَاءَةٌ مِّنَ النَّارِ وَنَجَاةٌ مِّنَ الْعَذَابِ وَ بَرِئَ مِنَ النِّفَاقِ۔“

(مسند احمد ج:۳ ص:۱۵۵)

ترجمہ:...... ”آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہاں جس شخص نے چالیس نمازیں اس طرح پڑھیں کہ اس کی تکبیرِ تحریمہ فوت نہیں ہوئی، اس کو دو پروانے عطا کئے جاتے ہیں، ایک پروانہ دوزخ سے نجات کا، دوسرا نفاق سے برأت (نجات) کا (یعنی یہ منافق بھی نہیں ہے اور دوزخ میں بھی نہیں جائے گا)۔“

حضرت رائے پوری رحمہ اللہ کا واقعہ:

ہمارے حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ تھے، کل میں نے حضرت نفیس شاہ صاحب کو یہ واقعہ سنایا کہ میں اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ وہاں چلا گیا، جہاں حضرت رائے پوریؒ ٹھہرے ہوئے تھے، عصر کی نماز ہوئی ہم بھی شریک ہوئے، نماز کے بعد سارے لوگ اٹھ کر اپنے اپنے کاموں کے لئے چلے گئے، اس لئے کہ مقامی لوگ

تھے، حضرت اکیلے بیٹھے رہ گئے، میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ سبحان اللہ کیا بات ہے؟ اچھا موقع ہے کہ ہم حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت، ہمیں تنہائی میں مل گئے، میں نے کہا حضرت ایک بات پوچھنی ہے، کہنے لگے ہاں پوچھئے! میں نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

”عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِکٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی لِلّٰہِ أَرْبَعِیْنَ یَوْمًا فِیْ جَمَاعَۃٍ یُّدْرِکُ التَّکْبِیْرَۃَ الْأُوْلٰی کُتِبَ لَہٗ بَرَاءَتَانِ بَرَاءَۃٌ مِّنَ النَّارِ وَبَرَاءَۃٌ مِّنَ النِّفَاقِ۔“

(ترمذی ج:۱ ص:۳۳)

ترجمہ:......”جو شخص چالیس دن کی نمازیں اس طرح پڑھے کہ تکبیر اولیٰ فوت نہ ہو، تو اس کے لئے دو برأتیں لکھی جاتی ہیں، ایک برأت دوزخ سے دوسری نفاق سے۔“

حضرت! میں ایک سال سے نمازیں پوری کرنے کی کوشش کررہا ہوں، (پھر حضرت لدھیانوی شہیدؒ نے مجمع سے پوچھا کہ آپ نے بھی کبھی تکبیر اولیٰ کا چلّہ پورا کرنے کی کوشش کی ہے؟ ناقل) تو میری کوشش ہے کہ ۴۰ نمازیں ایسی پڑھوں کہ درمیان میں کسی تکبیر اولیٰ کا ناغہ نہ ہو اور پوری مکمل کی مکمل تکبیر اولیٰ کے ساتھ پڑھوں، مگر ہمیشہ آخر میں جاکر یہ سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے، حضرت نے سن کر فرمایا کہ: اگر آدمی کو یہ فضیلت مل جائے تو بھی آدمی کو بے فکر نہیں ہونا چاہئے کہ بس اب مل گئی ہے نجات، بلکہ پھر بھی دھن میں لگا رہے، پھر فرمایا کہ آپ تو کہہ رہے ہیں کہ چالیس دن

کی نمازیں پوری نہیں ہوئیں، میں نے کہا کہ میرا تو سوال ہی یہ ہے اور اس کے لئے ایک سال سے لگا ہوا ہوں، اور بعض مرتبہ تو آخری دن کی نماز کی تکبیر اولیٰ چھوٹ گئی، اور میں نے پھر نئے سرے سے شروع کردی، حضرت نے ارشاد فرمایا: (یہ بات سب حضرات کو سنانے کی ہے) تمہاری اور شیطان کی لڑائی ہو رہی ہے، اب دیکھو کون غالب آتا ہے؟ بس حضرت کی مجلس سے اٹھا، حضرت کے ساتھ تکبیر اولیٰ کے ساتھ نماز پڑھی، حضرت کی یہ کرامت تھی کہ اس دن کے بعد میں نے اپنی ۴۰ دن کی نمازیں تکبیر اولیٰ کے ساتھ پوری کرلیں، میں اپنے دوستوں سے (جن کو بیعت کرتا ہوں) چند تاکیدیں کیا کرتا ہوں۔ ایک تاکید یہ ہوتی ہے کہ تکبیر اولیٰ کے ساتھ نماز پڑھو گے، یہ میری پہلی شرط ہے، میرے ایک ساتھی نے بتایا کہ بعض ان میں سے ایسے بھی ہیں کہ جن کی ٦ مہینے تک تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی۔ تو یہاں تو چالیس دن ہیں اور وہاں مدینہ منورہ میں تو صرف چالیس نمازیں ہیں۔

آنحضرت ﷺ کے شہر کی رعایت ہے کہ وہاں صرف چالیس نمازیں ہیں، میرے حاجی بھائی جاتے ہیں بازاروں میں پھرتے رہتے ہیں، ان میں سے بہت سے تو ایسے ہوتے ہیں جو تہجد کی نماز کے لئے اور ریاض الجنۃ میں پہنچنے کے لئے دوڑتے ہیں، میں کبھی ریاض الجنۃ کے لئے نہیں دوڑا، اگر موقع مل گیا تو پہنچ گیا، ورنہ ٹھیک ہے، ویسے دو یا چار رکعتیں پڑھ لیں۔

میں نے کہا وہاں تو صرف کھانا، پینا اور سونا ہے، اور رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں نمازیں پڑھنا ہے، اس لئے کوشش کرو کہ وہاں ۴۰ نمازیں تکبیر اولیٰ کے ساتھ پڑھو۔

مدینہ اور اہل مدینہ کا ادب:

جب تم آنحضرت ﷺ کے شہر میں پہنچو اور جب اس کے در و دیوار پر تمہاری نظر پڑے تو اس کا نور تمہاری نظر میں آجائے، تمہاری آنکھیں روشن ہوجائیں، تم سوچو، تصور کی دنیا میں سوچو کہ میرے آقا ﷺ ان راستوں سے گزرے ہوں گے، اونٹ پر گزرے ہوں گے، پیدل گزرے ہوں گے، لٰہذا نہایت ادب کے ساتھ شہر میں رہو، مدینہ والوں کے ساتھ کوئی مکر وفریب نہ کرو، ان کے ساتھ اونچی آواز میں بھی نہ بولو اور مسجد میں آؤ تو ستھرا لباس پہن کر اور یہ سوچ کر کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہورہے ہیں۔

صلوٰۃ وسلام کا ادب:

علماء نے لکھا ہے کہ: ”اَلصَّلوٰةُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، اَلصَّلوٰةُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا سَیِّدَ الْمُرسَلِیْنَ، اَلصَّلوٰةُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا شَفِیْعَ الْمُذْنِبِیْنَ، اَلصَّلوٰةُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا نَبِیَّ اللّٰهِ۔“ کہتے وقت نظریں نیچی ہوں۔ ہو سکے تو تمہاری آنکھوں سے دل کے گناہ نکل کر کے بہہ رہے ہوں، یعنی چشم نم کے ساتھ صلوٰۃ وسلام پڑھو، پوری محبت اور اخلاص کے ساتھ درود وسلام پڑھو، علماءؒ نے لکھا ہے کہ کم سے کم ۸۰ مرتبہ سلام پیش کرو۔

آنحضرت ﷺ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا روضہ مبارک ہے، ان کے ساتھ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار مبارک ہے، یعنی ایک قدم ادھر آئیں حضرت ابوبکر ہیں، ایک قدم اور آگے کو جائیں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، ان کی خدمت میں بھی سلام عرض کرو۔

یعنی یوں کہو: ''اَلصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا خَلِیْفَۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ۔'' جو بھی الفاظ آتے ہیں پڑھ لو، جو جو کتابوں میں الفاظ آتے ہیں وہ پڑھ لیں، ورنہ اپنی ہی زبان میں سلام پیش کرلو، پھر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں دوبارہ پیچھے کو لوٹو، مگر ہجوم زیادہ ہوتا ہے، بڑا مشکل ہوتا ہے، اتنا سارے آدمی مواجہہ شریف پر جمع ہوں تو بڑا مشکل ہوجاتا ہے، وہاں آدمی ٹھہر نہیں سکتا، اس لئے میں تو اقدام عالیہ کی طرف عام طور پر جاتا ہوں، یعنی جس طرف آنحضرت ﷺ کے قدمین مبارکین ہیں، میں عام طور پر وہاں جاتا ہوں، اور اپنے گناہوں سے ڈرتا ہوا، میں تو آنحضرت ﷺ کو منہ دکھانے کے بھی قابل نہیں۔

دوسروں کی جانب سے سلام کا طریقہ:

بہرحال حکم یہ ہے کہ اپنا سلام پیش کرنے کے بعد اپنے اہل و عیال کی جانب سے، دوست احباب کی طرف سے، جن جن لوگوں نے سلام پیش کرنے کو کہا ہے ان لوگوں کی طرف سے، آنحضرت ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کرے، اور اگر یاد نہ ہو تو صرف یہ کہہ دے کہ یا رسول اللہ! آپ ﷺ کی امت کے بہت سے لوگوں نے مجھے آپ ﷺ کو سلام پہنچانے کے لئے کہا ہے یا رسول اللہ! ان سب کی طرف سے حضور ﷺ کی خدمت میں سلام۔

بارگاہِ رسالت کا ادب:

مسجد شریف میں جہاں تک بھی مسجد ہے، وہاں نہایت وقار کے ساتھ رہو، آواز بلند نہ کرو، قرآن کریم میں ہے:

''اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَھُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ

اُولٰئِکَ الَّذِیۡنَ امۡتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوۡبَھُمۡ لِلتَّقۡوٰی۔"(الحجرات:۳)

ترجمہ:......"جو لوگ کہ آنحضرت ﷺ کے سامنے اپنی آواز پست رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے دلوں کو تقوے کے لئے چن لیا ہے۔"

شور شرابہ نہ کرو، پہلی مرتبہ جب میں گیا تھا، میں دیکھتا ہوں کہ اس وقت کا اور اب کے وقت کا رنگ بہت بدلا ہوا ہے، اب بھی جاتا ہوں لیکن وہ لذت نہیں آتی جو پہلی دفعہ آئی تھی، پہلے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تمام مسجد میں سناٹا ہے جب کہ مسجد بھری ہوئی ہوتی تھی، لوگ قرآن مجید کی تلاوت میں لگے ہوئے ہوتے تھے، ذکر میں لگے ہوئے ہوتے تھے، درود شریف میں لگے ہوئے ہوتے تھے، اور کچھ آنحضرت ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر سلام پیش کر رہے ہوتے تھے،لیکن مکمل سناٹا،مگر اب دیکھتا ہوں اور سنتا ہوں کہ ایک شور ہوتا ہے، اور بالکل شور ہوتا ہے۔

ہماری مستورات بھی جاتی ہیں، بے چاری ایک تو یہ پردہ کے بغیر ہوتی ہیں، میری بہنو! کم سے کم حضور اقدس ﷺ کے دربار میں حاضر ہونے کے لئے تو برقع لے لیتیں،مگر یہ وہاں بھی ایسے ہی پھرتی ہیں جیسے گویا اپنا گھر ہے، بھائی! جتنا ادب اس پاک مقام کا ہوسکتا ہے کیا کرو۔ میں نے کہا کہ اور تو کوئی عمل ہے نہیں، آنحضرت ﷺ سے ادب ہی سیکھ لیں۔

داڑھی منڈوں کے سلام کا جواب:

میرے ایک دوست تھے، اب بھی ہیں انہوں نے مجھے بتایا کہ ایک بزرگ تھے جن کو آنحضرت ﷺ کے دربار میں حضوری اور حاضری نصیب ہوتی تھی، کچھ اللہ

کے بندے ایسے بھی ہیں جن کو شرف باریابی نصیب ہوتا ہے اس کو حضوری کہتے ہیں انہوں نے آنحضرت ﷺ کی بارگاہ عالی میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ جب دنیا میں تشریف فرما ہوتے تھے اور کوئی آدمی آتا تھا جس نے کوئی غلطی کی ہوتی، اگر وہ آکر کہتا ''اَلسَّلامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ'' یا ویسے ہی السلام علیکم کہتا، تو آپ ﷺ ادھر سے منہ مبارک دوسری طرف فرمالیتے، وہ اُدھر سے ہوکر کے سلام عرض کرتا آپ ﷺ اِدھر سے منہ دوسری طرف کرلیتے، وہ ادھر سے ہوکر سلام عرض کرتا آپ ﷺ ادھر کو ہولیتے، آپ ﷺ اس کے سلام کا جواب نہیں دیتے تھے، اب آپ ﷺ کا کیا معمول مبارک ہے؟

یہاں ایک واقعہ سنادوں: ''ایک آدمی نے سونے کی انگوٹھی پہنی ہوئی تھی، اور رسول اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے اسی طرح دائیں طرف سے سلام عرض کیا آپ ﷺ نے بائیں طرف منہ کرلیا، پھر بائیں طرف حاضر ہوا، سلام عرض کیا تو آنحضرت ﷺ نے دائیں طرف منہ کرلیا، مگر سلام کا جواب نہیں دیا، اس شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھ سے کیا غلطی ہوئی ہے؟ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بعض لوگ میری مجلس میں آگ کی انگوٹھی پہن کر آجاتے ہیں'' وہ سونے کی انگوٹھی جو پہنی تھی اس کو آگ کی انگوٹھی فرما رہے تھے، انہوں نے فوراً ہاتھ سے نکالی اور نکال کر پھینک دی۔'' (مسند احمد ج:۳ ص:۱۴)

پتہ نہیں کہاں چلی گئی ہوگی، جب آنحضرت ﷺ گھر تشریف لے گئے تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ان صاحب سے کہا: میاں تم نے انگوٹھی پھینک کیوں دی؟ اس کو اٹھالیتے عورت کو پہنادیتے (عورتوں کو پہننا تو جائز ہے نا) فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے جس چیز کو ناگوار سمجھا ہے، اور اس پر نفرت کا اظہار کیا ہے میں اس کو نہیں اٹھاتا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، حضور اکرم ﷺ کی مجلس میں

حاضر ہوتے تھے تو خود فرماتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا: ”كَأَنَّ عَلٰى رُؤُوْسِنَا الطَّيْرَ۔“ (مسند احمد ج:۴ ص:۲۷۸، ۲۸۷، ۲۹۵، ابوداؤد ج:۲ ص:۱۸۳) گویا ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں، ہل نہیں سکتے اگر ہلے تو پرندے اڑ جائیں گے ___ تو ان صاحب نے پوچھا جو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضری دیتے تھے یا رسول اللہ! آپ کا زندگی کا معمول تو یہ تھا کہ کوئی غلطی کر کے آتا تھا اور آپ ﷺ کو السلام علیک کا کہتا، تو آپ دوسری طرف منہ کر لیتے تھے، دوسری طرف سے اگر سلام کرتا، آپ ﷺ دوسری طرف منہ کر لیتے تھے، یا رسول اللہ! اب تو بہت سے لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں، ان کی داڑھیاں منڈھی ہوئی ہوتی ہیں، تو آپ ﷺ ان کے سلام کا جواب دیتے ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں ان کے سلام کا جواب نہیں دیتا۔

میری بات یاد رکھو اور یہ پکی بات ہے جو لوگ اس (داڑھی منڈانے) سے توبہ نہیں کرتے ___ داڑھی کا ایک مشت تک رکھنا واجب ہے ___ جو لوگ اس سے توبہ نہیں کرتے، رسول اللہ ﷺ ان کے سلام کا جواب نہیں دیتے (اللہ تعالیٰ معاف فرمائے) حضور اقدس ﷺ کے در دولت پر بھی حاضر ہوں اور آنحضرت ﷺ کی بارگاہ عالی میں شفاعت کی درخواست بھی کریں اور وہاں سے محرومی ہوجائے، صرف انگریزوں کی سنت کے لئے؟

ایرانی قاصدوں کا قصہ:

آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایران کے بادشاہ کے دو قاصد آئے تھے، میری کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ (داڑھی کے بارے میں، میرا چھوٹا سا رسالہ ہے ”داڑھی

کا مسئلہ'') ان کو بھیجا گیا تھا کہ اس شخص کو نعوذ باللہ پکڑ کر لاؤ (حضور اکرم ﷺ کو)، وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا ناس ہو تم نے اپنی شکل کیوں بگاڑ رکھی ہے؟ یعنی داڑھی کیوں کترائی ہوئی ہے، اور مونچھیں کیوں بڑھائی ہوئی ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہمارے رب (کسریٰ) نے اس کا حکم دیا ہے۔ رسول اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے رب یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ نے تو مجھے حکم دیا ہے کہ میں داڑھی بڑھاؤں اور مونچھیں کتراؤں۔ یہ فرمایا اور کہا میری مجلس سے اٹھ جاؤ، میرا نمائندہ تم سے بات کرے گا میں تم سے بات نہیں کروں گا۔

(البدایہ والنہایہ ج:۴ ص:۲۷۰، حیاۃ الصحابہ ج:۱ ص:۱۱۵)

بہت ہی ادب کے ساتھ اپنے تمام بھائیوں سے میں عرض کرتا ہوں کہ داڑھی رکھ لیں اور آئندہ کے لئے توبہ کرلیں اور پھر آنحضرت ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوں اور پھر عرض کریں کہ یا رسول اللہ! ہم گناہگار ہیں، ہماری شفاعت فرمایئے؟

میرا معمول:

میں اب تو کمزور ہوگیا ہوں، پہلے جب میں حاضر ہوتا تھا تو دس ہزار درود شریف پڑھنے کا روزانہ کا معمول تھا، تلاوت بھی اور دوسرے معمولات بھی تھے، دس ہزار روزانہ، مسجد شریف میں، بازار میں اور چلتے ہوئے ہمیشہ درود شریف پڑھتا رہتا تھا، اور کسی سے بات نہیں کرتا تھا، اب تو کمزور ہوگیا ہوں اہتمام تو اب بھی کرتا ہوں لیکن اب اتنی ہمت نہیں رہی۔

ایک بزرگ کا درود کا معمول:

ایک صاحب ہمارے بزرگ ہیں وہ اب بھی حیات ہیں، میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو کہنے لگے کہ میں جوانی کے زمانہ میں اسّی ہزار درود شریف روازانہ پڑھتا تھا (سبحان اللہ)، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے میں نے تو دس ہزار کا کہا ہے اور میرے بزرگوں نے ایک دن کا اسّی ہزار کا معمول کیا ہے۔تو وہاں یہ کام ہے کہ نماز کی پابندی کرنا اور درود شریف کثرت سے پڑھنا، نہایت ادب کے ساتھ، نہایت احترام کے ساتھ رہنا، جتنی زیادہ محبت ہوگی اور ادب ہوگا، اتنا ہی زیادہ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں گے، بس اسی پر اکتفاءٗ کرتا ہوں وقت کافی ہوگیا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

جنت میں

معیت نبوی ﷺ

ہماری محبت کا محور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات، آپ ﷺ کی سیرت وسوانح اور اسوۂ حسنہ ہونا چاہئے، اگر جنت میں حضور ﷺ کے ساتھ جانا چاہتے ہو تو اپنی شکل، شباہت، وضع قطع اور لباس پوشاک حضور ﷺ جیسی بناؤ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمد للہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفی، اما بعد!

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہم سب کو مسجد میں بیٹھنے کی توفیق بخشی، اور آپ سب حضرات جانتے ہیں کہ مسجد اللہ کا گھر ہے، گویا اس وقت ہم اللہ کے گھر میں بیٹھے ہیں، جتنی دیر ہم مسجد میں بیٹھے رہیں گے، اتنی دیر گویا ہم اللہ کے گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں، آپ سب حضرات دعا کریں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و احسان سے ہمیں دنیا میں اپنے گھر میں بیٹھنے کی توفیق عطا فرمائی ہے، ایسے ہی اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے آخرت کے گھر، جنت میں بھی ایک ساتھ بیٹھنے کی اجازت اور توفیق مرحمت فرمائیں، آمین۔

جنت دراصل نبیوں، صدیقوں، شہیدوں، صالحین اور ہمارے آقا و مولیٰ سید الاولین و الآخرین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا گھر ہے، خدا کرے ہم سب کو جنت میں آقائے دوعالم ﷺ کی زیارت و ملاقات کا شرف حاصل ہو جائے، اور اس سے قبل

آخرت کی طرف جانے کے تمام مراحل میں بھی شرف زیارت نصیب ہوجائے، آمین۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

''عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مِنْ أَشَدِّ أُمَّتِیْ اِلَیَّ حُبًّا نَاسٌ یَّکُوْنُوْنَ بَعْدِیْ یَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ رَءَانِیْ بِأَهْلِهٖ وَمَالِهٖ۔''

(صحیح مسلم ص:۳۷۹ ج:۲)

ترجمہ:...... ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ: میری امت میں سب سے زیادہ مجھ سے محبت کرنے والے وہ لوگ ہوں گے جن میں کا ایک شخص یہ خواہش کرے گا کہ وہ اپنا گھربار مال و متاع قربان کرکے مجھے دیکھ سکے، (مگر وہ مجھے نہ دیکھ سکے گا)۔''

آج ہم اور آپ سب حضور ﷺ کی زیارت و ملاقات کرنا چاہتے ہیں مگر نہیں ہوسکتی، اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ ہم سب کو یہ سعادت دنیا میں نہیں تو جنت میں نصیب ہوجائے، انشاءاللہ، اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو اس محبت اور سچی محبت کی بدولت جنت میں آنحضرت ﷺ کی زیارت و معیت نصیب فرمادیں گے، چنانچہ ایک حدیث شریف میں ہے:

''آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک انصاری صحابی تشریف لائے طبیعت پر حزن و ملال کا اثر تھا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کیا بات ہے؟ کیوں پریشان ہو؟ عرض کیا یا رسول اللہ یہ سوچ کر پریشان ہوں کہ دنیا میں ہم صبح شام حاضر خدمت

ہوتے ہیں، جب جی چاہتا ہے آپ ﷺ کا دیدار کرلیتے ہیں، آپ ﷺ کی زیارت سے محظوظ ہوتے ہیں، آپ ﷺ کی خدمت میں بیٹھتے ہیں، حتی کہ اگر آدھی رات کو بھی خیال آجائے تو مسجد میں چلے آتے ہیں اور آپ ﷺ سے ملاقات ہوجاتی ہے، مرنے کے بعد ہمارا کیا ہوگا؟ کیونکہ آپ تو انبیاؑ کے درجے پر پہنچ جائیں گے، پہلے تو یہی پتہ نہیں کہ ہم کہاں ہوں گے؟ اگر جنت میں چلے بھی گئے تو آپ تو جنت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوں گے، اور ہم آپ سے بہت دور ہوں گے، اس وقت آپ کی ملاقات کے بغیر ہمارا گزارہ کیسے ہوگا؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: (اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ) ''آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبت ہوگی۔''

(درمنثور ج:۲ ص:۱۸۲، معالم التنزیل ج:۱ ص:۴۵۰)

یعنی کسی فکر کی ضرورت نہیں انشاءَاللہ جنت میں بھی ساتھ ہوں گے۔

اس حدیث میں بڑی بشارت اور خوشخبری ہے ان لوگوں کے لئے جو حضور ﷺ، صحابہ کرامؓ اور اکابرین علماءِ امت سے محبت کرتے ہیں، کہ جنت میں آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے دنیا میں اس کو محبت تھی۔

ہماری محبت کا محور:

اس لئے ہماری محبت کا محور آنحضرت ﷺ کی ذات، آپ ﷺ کی سیرت و سوانح اور اسوۂ حسنہ ہونا چاہئے، اگر جنت میں حضور ﷺ کے ساتھ جانا چاہتے ہو تو اپنی شکل، شباہت، وضع قطع اور لباس پوشاک حضور ﷺ جیسی بناؤ، میرے بھائیو!

داڑھیاں مونڈنا بند کردو، یہ گناہ کبیرہ ہے، اور گناہ کبیرہ کرنے والے کو حضور ﷺ کی معیت نصیب نہیں ہوگی، اور حضور ﷺ ایسے کسی شخص کے سلام کا جواب نہیں دیتے جو داڑھی مونڈتا ہے، بلکہ اس سے اعراض فرما کر اس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔

داڑھی منڈوانے والے کو حضور ﷺ سلام کا جواب نہیں دیتے:

مدینہ منورہ میں ایک بزرگ رہتے ہیں، انہوں نے مجھے بتایا کہ یہاں ایک بزرگ ہیں جن کو بارگاہ نبوت میں حاضری اور ملاقات کا شرف حاصل ہوتا ہے (ہاں اب بھی اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں جن کو یہ شرف حاصل ہوتا ہے)، انہوں نے فرمایا کہ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ دنیا کی زندگی میں تو آپ کا معمول مبارک تھا کہ اگر کوئی شخص گناہ کرکے آپ کے پاس آتا اور سلام کرتا تو آپ (ﷺ) اس سے منہ پھر لیتے تھے، اگر وہ دائیں جانب سے آتا تو آپ ﷺ بائیں جانب منہ پھیر لیتے، وہ اگر بائیں جانب سے آتا تو آپ ﷺ دائیں جانب منہ پھیر لیتے، اب آپ ﷺ کا معمول مبارک کیا ہے؟ جب کہ لوگ داڑھیاں مونڈ کر آپ ﷺ کے روضۂ اطہر پر سلام پیش کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میرا اب بھی وہی معمول ہے کہ میں ایسے لوگوں کے سلام کا جواب نہیں دیتا۔

کتنی بڑی محرومی کی بات ہے کہ آنحضرت ﷺ کی بارگاہ میں حاضری ہو، اور آپ ﷺ ہمارے سلام کا جواب نہ دیں، دعویٰ ہے حضور ﷺ کی محبت کا، مگر شکل ہے انگریزوں اور یہود و نصاریٰ جیسی، آج کے بعد وعدہ کرو کہ ڈاڑھی نہیں کاٹیں گے، کالر نہیں لگائیں گے، اے اللہ محض اپنے فضل وکرم سے جنت میں ہمیں حضور ﷺ کی معیت نصیب فرما، بھائی محض اس کے فضل سے ہی نجات ہوگی۔

ایک اسرائیلی زاہد کا قصہ:

مستدرک حاکم میں ایک بنی اسرائیلی عابد کا قصہ بایں الفاظ منقول ہے:

”عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ خَرَجَ عَلَیْنَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ فَقَالَ خَرَجَ مِنْ عِنْدِیْ خَلِیْلِیْ جِبْرِیْلُ اٰنِفًا فَقَالَ یَا مُحَمَّدُ! وَالَّذِیْ بَعَثَکَ بِالْحَقِّ اِنَّ لِلّٰهِ عَبْدًا مِنْ عَبِیْدِهٖ عَبَدَ اللّٰهَ تَعَالٰی خَمْسُ مِائَةِ سَنَةٍ عَلٰی رَأْسِ جَبَلٍ فِی الْبَحْرِ عَرْضُهٗ وَطُوْلُهٗ ثَلَاثُوْنَ ذِرَاعًا فِیْ ثَلَاثِیْنَ ذِرَاعًا وَّالْبَحْرُ مُحِیْطٌ بِهٖ أَرْبَعَةَ آلَافِ فَرْسَخٍ مِّنْ کُلِّ نَاحِیَةٍ وَأَخْرَجَ اللّٰهُ تَعَالٰی لَهٗ عَیْنًا عَذْبَةً بِعَرْضِ الْاُصْبُعِ تَبِضُّ بِمَاءٍ عَذْبٍ فَتَسْتَنْقِعُ فِیْ أَسْفَلِ الْجَبَلِ وَشَجَرَةُ رُمَّانٍ تَخْرُجُ لَهٗ کُلَّ لَیْلَةٍ رُمَّانَةً فَتُغْذِیْهِ یَوْمِهٖ فَاِذَا أَمْسٰی نَزَلَ فَأَصَابَ مِنَ الْوُضُوْءِ وَأَخَذَ تِلْکَ الرُّمَّانَةَ فَأَکَلَهَا ثُمَّ قَامَ لِصَلَاتِهٖ فَسَأَلَ رَبَّهٗ عَزَّ وَ جَلَّ عِنْدَ وَقْتِ الْأَجَلِ أَنْ یَّقْبِضَهٗ سَاجِدًا وَأَنْ لَّا یَجْعَلَ لِلْأَرْضِ وَلَا لِشَیْءٍ یُّفْسِدُهٗ عَلَیْهِ سَبِیْلًا حَتّٰی یَبْعَثَهٗ وَهُوَ سَاجِدٌ قَالَ فَفَعَلَ فَنَحْنُ نَمُرُّ عَلَیْهِ اِذَا هَبَطْنَا وَاِذَا عَرَجْنَا فَنَجِدُ لَهٗ فِی الْعِلْمِ أَنَّهٗ یُبْعَثُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فَیُوْقَفُ بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فَیَقُوْلُ لَهُ الرَّبُّ أَدْخِلُوْا عَبْدِیَ الْجَنَّةَ بِرَحْمَتِیْ فَیَقُوْلُ رَبِّ بَلْ بِعَمَلِیْ فَیَقُوْلُ الرَّبُّ أَدْخِلُوْا عَبْدِیَ الْجَنَّةَ

بِرَحْمَتِی فَیَقُوْلَ یَا رَبِّ بَلْ بِعَمَلِیْ فَیَقُوْلُ الرَّبُّ اَدْخِلُوْا عَبْدِیْ الْجَنَۃَ بِرَحْمَتِیْ فَیَقُوْلَ رَبِّ بَلْ بِعَمَلِیْ فَیَقُوْلُ اللّٰہُ عَزَّ وَ جَلَّ لِلْمَلٰئِکَۃِ قَایِسُوْا عَبْدِیْ بِنِعْمَتِیْ عَلَیْہِ وَبِعَمَلِہٖ فَتُوْجَدُ نِعْمَۃُ الْبَصَرِ قَدْ اَحَاطَتْ بِعِبَادَۃِ خَمْسِ مِائَۃِ سَنَۃٍ وَبَقِیَتْ نِعْمَۃُ الْجَسَدِ فَضْلًا عَلَیْہِ فَیَقُوْلُ اَدْخِلُوْا عَبْدِیْ النَّارَ، قَالَ فَیُجَرُّ اِلَی النَّارِ فَیُنَادِیْ رَبِّ بِرَحْمَتِکَ اَدْخِلْنِیْ الْجَنَّۃَ فَیَقُوْلُ رُدُّوْہُ فَیُوْقَفُ بَیْنَ یَدَیْہِ فَیَقُوْلُ یَا عَبْدِیْ! مَنْ خَلَقَکَ وَلَمْ تَکُ شَیْئًا؟ فَیَقُوْلُ اَنْتَ یَا رَبِّ، فَیَقُوْلُ کَانَ ذٰلِکَ مِنْ قِبَلِکَ اَوْ بِرَحْمَتِیْ؟ فَیَقُوْلُ بَلْ بِرَحْمَتِکَ، فَیَقُوْلُ مَنْ قَوَّاکَ لِعِبَادَۃِ خَمْسِ مِائَۃِ عَامٍ؟ فَیَقُوْلُ اَنْتَ یَا رَبِّ، فَیَقُوْلُ مَنْ اَنْزَلَکَ فِیْ جَبَلٍ وَسْطَ اللُّجَّۃِ وَاَخْرَجَ لَکَ الْمَاءَ الْعَذْبَ مِنَ الْمَاءِ الْمَالِحِ وَاَخْرَجَ لَکَ کُلَّ لَیْلَۃٍ رُمَّانَۃً وَاِنَّمَا تَخْرُجُ مَرَّۃً فِیْ السَّنَۃِ وَسَأَلْتَنِیْ اَنْ اَقْبِضَکَ سَاجِدًا فَفَعَلْتُ ذٰلِکَ بِکَ فَیَقُوْلُ اَنْتَ یَا رَبِّ فَقَالَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ فَذٰلِکَ بِرَحْمَتِیْ وَبِرَحْمَتِیْ اُدْخِلُکَ الْجَنَّۃَ۔ اَدْخِلُوْا عَبْدِیْ الْجَنَّۃَ۔ فَنِعْمَ الْعَبْدُ کُنْتَ یَا عَبْدِیْ فَیُدْخِلُہُ اللّٰہُ الْجَنَّۃَ قَالَ جِبْرِیْلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ اِنَّمَا الْاَشْیَاءُ بِرَحْمَۃِ اللّٰہِ تَعَالٰی یَا مُحَمَّدُ۔ ھٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحُ الْاَسْنَادِ۔" (مستدرک ج:۴ ص:۲۵۰)

ترجمہ:......"حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے

کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ ابھی حضرت جبرئیل علیہ السلام مجھے بتلاکر گئے ہیں کہ: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، اللہ کے نیک بندوں میں سے ایک ایسا بندہ تھا جس نے پانچ سو سال تک بیچ سمندر کے ایک ایسے پہاڑ پر جس کا طول وعرض نو سو ذراع تھا، اور جس کے چاروں طرف چار چار ہزار فرسخ کی مسافت تک پانی تھا، پانچ سو سال تک اللہ کی عبادت کی، وہاں اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے ایک انگشت برابر میٹھا چشمہ جاری فرما دیا تھا، جس سے وہ پانی پیتا اور دامن پہاڑ میں انار کا ایک درخت اگا دیا تھا، جس پر ہر رات ایک انار لگ جاتا، جو اس کی غذا کا کام دیتا، جب شام ہوتی تو وہ اپنی عبادت کی جگہ سے اتر کر اسے توڑتا، اور کھا لیتا اور نماز کے لئے کھڑا ہو جاتا۔

جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو اس نے دعا کی کہ یا اللہ! سجدہ کی حالت میں میری روح قبض کی جائے، اور یہ کہ میرا بدن گلنے سڑنے سے محفوظ رہے، اور قیامت کے دن مجھے سجدے ہی کی حالت میں اٹھایا جائے...... چنانچہ اس کی یہ دونوں دعائیں قبول کی گئیں...... جب قیامت کے دن اسے اٹھایا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کی پیشی ہوگی تو اللہ تعالیٰ فرماویں گے کہ: میرے بندے کو میری رحمت سے جنت

میں داخل کردو۔ مگر وہ کہے گا: نہیں، بلکہ میرے اعمال کی بدولت! یعنی میں نے جو پانچ سو سال تک رات دن عبادت کی تھی، اس کے بدلے میں مجھے جنت ملنی چاہیے، اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماویں گے کہ میرے بندے کے اعمال اور میری نعمتوں کا حساب لگاؤ، پس جب حساب لگایا جائے گا تو پانچ سو سال کی عبادت صرف بینائی کی نعمت کا بدلہ ثابت ہوگی، جب کہ جسم اور جسم کی دوسری تمام نعمتوں کا حساب اس کے ذمہ باقی ہوگا، تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میرے بندے کو جہنم میں ڈال دو، چنانچہ اسے آگ کی طرف کھینچ کر لے جایا جارہا ہوگا کہ وہ آواز دے گا: ''اے اللہ! محض اپنی رحمت سے مجھے جنت میں داخل فرمادیجئے۔'' اس پر اللہ تعالیٰ فرماویں گے میرے بندے کو واپس لاؤ، جب اسے واپس لایا جائے گا اور بارگاہ الٰہی میں لاکھڑا کیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ فرماویں گے:

اے میرے بندے! تمہیں کس نے پیدا کیا؟ حالانکہ تم کچھ بھی نہ تھے؟ وہ کہے گا یا اللہ آپ نے ہی پیدا فرمایا! پھر فرماویں گے یہ میری رحمت سے ہوا، یا تیرے مطالبہ پر؟ وہ کہے گا محض تیری رحمت سے، پھر فرماویں گے: تجھے پانچ سو سال تک عبادت کی قوت و طاقت اور توفیق کس نے دی؟ کہے گا اے اللہ آپ نے! پھر فرماویں گے کہ وسط سمندر میں اس پہاڑ پر آپ کو کس نے بٹھایا؟ وہاں کڑوے پانی کے بیچ میں میٹھا چشمہ کس

نے جاری کیا؟ ہر رات انار کون لگاتا تھا؟ آپ نے سجدے کی حالت میں روح قبض کرنے کی دعا کی اور قبول کی گئی، یہ سب کچھ کس نے کیا؟ وہ کہے گا یا اللہ آپ ہی نے کیا! پس اللہ تعالیٰ فرماویں گے (جس طرح) یہ سب کچھ میری رحمت سے تھا، اسی طرح آج بھی میں اپنی رحمت سے آپ کو جنت میں داخل کرتا ہوں۔ اور حکم ہوگا کہ میرے بندے کو میری رحمت سے جنت میں داخل کردو، پھر اللہ تعالیٰ فرماویں گے اے میرے بندے! تم میرے اچھے بندے تھے، پس اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمادیں گے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا یا محمد (ﷺ) سب چیزیں اللہ کی رحمت سے ہوتی ہیں۔"

اور بعض روایتوں میں کسی قدر فرق سے یوں آتا ہے کہ بنی اسرائیل کا ایک عابد وزاہد تھا جس نے پانچ سو سال اس طرح عبادت کی کہ درمیان میں کبھی کوئی گناہ نہیں کیا، جب اس کا انتقال ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اسے فرمایا: جا میری رحمت سے جنت میں چلا جا، اس نے عرض کیا: یا اللہ پانچ سو سال اس طرح عبادت کی کہ درمیان میں کبھی کوئی گناہ نہیں کیا، میری پیشانی سجدوں سے گھس گئی اور آپ فرماتے ہیں کہ: "میری رحمت سے جنت میں چلا جا"، کیا میرے ان اعمال اور نیکیوں کی کوئی قیمت نہیں؟ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائیں گے، ذرا اس کو جہنم کی طرف لے جاؤ، فرشتے لے جائیں گے، راستہ میں ایک فرشتہ پانی لے کر کھڑا ہوگا، پانچ سو سال کے عبادت والے زاہد کو پیاس محسوس ہوگی، وہ اس فرشتہ سے کہے گا کہ آپ مجھے پانی پلا سکتے

ہیں؟ وہ کہے گا کیوں نہیں! مگر قیمتاً، عابد کہے گا کیا قیمت ہے اس کی؟ فرشتہ عرض کرے گا: ایک گلاس، پانچ سو سال کی عبادت کے عوض، اتنے میں پیاس کا غلبہ اس قدر شدید ہوگا کہ جان نکلنے کو آجائے گی، اور وہ پانچ سو سال کی عبادت دے کر ایک گلاس پانی پی لے گا۔

ملائکہ اسے واپس لائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے دے آئے پانچ سو سال کی نیکیاں؟ اور وہ بھی صرف ایک گلاس پانی کے عوض؟ دنیا میں تو نے میرے کتنے گلاس پانی پیئے تھے؟ اور کیا کیا نعمتیں تم نے استعمال کی تھیں؟ ذرا لاؤ تو ان کا حساب؟ وہ عابد خاموش ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے جا میری رحمت سے جنت میں چلا جا۔

جنت ومغفرت اللہ کے فضل وکرم سے:

تو بھائی بات دراصل یہ ہے کہ جنت ومغفرت تو محض اللہ کے فضل اور رحم و کرم سے ہے، ہمارے پاس ایسے کوئی اعمال تو ہیں نہیں کہ جن کو پیش کرسکیں، البتہ ہم جنت میں جانے اور حضور ﷺ کی معیت حاصل کرنے کے لئے کم ازکم اتنا تو کرسکتے ہیں کہ گناہوں کو چھوڑ دیں، ارے اپنی شکل وشباہت اور وضع قطع حضور ﷺ جیسی بنالیں، انشاءاللہ ہماری اس تھوڑی سی محنت، تبدیلی اور پیش قدمی سے اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم کو ہماری طرف متوجہ فرمادیں گے اور ہمیں انشاءاللہ جنت میں حضور ﷺ کی معیت نصیب ہوگی۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

(شکریہ بینات کراچی ربیع الاول ۱۴۲۰ھ)

جنت کے مناظر

جنت جنتیوں کے انوار کی وجہ سے روشن ہوگی، جنتی اتنے نورانی ہوں گے کہ اس کے بعد کسی روشنی کی ضرورت نہیں ہوگی۔تو جنت کے اندر دن اور رات کا نظام تو ہوگا نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے کوئی نہ کوئی نظام بنایا ہوگا، جس سے معلوم ہوگا کہ کس کام کو اتنے دن ہوگئے ہیں، اتنے دن رہتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمد للہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضور اقدس ﷺ کے صحابی ہیں اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے سب سے زیادہ احادیث کو نقل کرنے والے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، ان کے داماد تھے حضرت سعید ابن المسیب رحمہ اللہ ان کو سید التابعین کہا جاتا ہے، یعنی تابعین کے سردار، تابعی اس کو کہتے ہیں جس نے صحابہ کو دیکھا ہو اور صحابی اس کو کہتے ہیں جس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہو۔

قابلِ مبارک:

آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

”طُوبیٰ لِمَنْ رَاٰنِیْ وَاٰمَنَ بِیْ وَمَنْ رَاٰی مَنْ رَاٰنِیْ وَمَنْ رَاٰی مَنْ رَاٰی مَنْ رَاٰنِیْ۔“ (مجمع الزوائد ج:۱۰ ص:۲۰)

مبارک ہو اس شخص کو جس نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا، اور مبارک ہو اس شخص کو جس نے میرے دیکھنے والوں کو دیکھا، اور مبارک ہو اس شخص کو جس نے میرے دیکھنے والوں کے دیکھنے والوں کو دیکھا، یہ تین زمانے ''خیر القرون'' کہلاتے ہیں۔

حضور اقدس ﷺ کا زمانہ، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا زمانہ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دیکھنے والے ''تابعین'' کا زمانہ اور تابعین کو دیکھنے والے ''تبع تابعین'' کا زمانہ، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''ثُمَّ یَفْشُو الْکَذِبَ۔'' پھر جھوٹ پھیل جائے گا، یہ تین زمانے بہت مبارک زمانے ہیں۔

روضہ اطہر سے اذان کی آواز:

بہر حال! حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے داماد ہیں، حضرت سعید ابن المسیبؒ۔ یزید کے زمانے میں یزید کی فوجوں کی وجہ سے تین دن مسجد نبوی (علیٰ صاحبہ الف الف تحیۃ وسلام) میں جماعت نہیں ہوسکی تھی، اور مسجد میں صرف ایک آدمی تھے اور وہ سعید بن المسیب ہی تھے، باقی کوئی مسجد میں نہیں آتا تھا، یعنی کسی کو آنے کی اجازت نہیں تھی، یزید کی فوج کے سپاہی آئے، ان سے کہنے لگے: بڈھے تو کیسے بیٹھا ہے؟ وہ آئیں بائیں کرنے لگے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کوئی پاگل ہے، دوسرے نے کہا کہ: یار رہنے دو اس کو، بیچارہ کوئی معذور آدمی ہے، یہ پتہ نہیں ہے کہ یہ تمام تابعین کا سردار ہے۔

حضرت سعید ابن المسیب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جب نماز کا وقت ہوتا تھا تو:

''فَکُنْتُ اِذَا حَانَتِ الصَّلَاۃُ اَسْمَعُ اَذَانًا یَّخْرُجُ

مِنْ قِبَلِ الْقَبْرِ حَتّٰی اٰمِنَ النَّاسُ۔“ (ابن سعد ج:۵ ص:۱۳۲)

ترجمہ: جب نماز کا وقت قریب ہوتا، تو مجھے آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک سے اذان کی آواز سنائی دیتی تھی، اور میں اس پر نماز پڑھتا تھا، تین دن نہ کھایا، نہ پیا، نہ باہر جانے کی ضرورت پیش آئی، ایسے عجیب آدمی تھے، خیر! ترمذی شریف میں ہے:

جنت کا بازار:

”عَنْ سَعِیْدِ بْنِ الْمُسَیَّبِ اَنَّهٗ لَقِیَ أَبَاهُرَیْرَةَ فَقَالَ أَبُوْهُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ: أَسْأَلُ اللّٰهَ أَنْ یَّجْمَعَ بَیْنِیْ وَبَیْنَکَ فِیْ سُوْقِ الْجَنَّةِ۔ فَقَالَ سَعِیْدٌ: أَفِیْهَا سُوْقٌ؟ قَالَ: نَعَمْ...... ثُمَّ یُوْذَنُ فِیْ مِقْدَارِ یَوْمِ الْجُمُعَةِ مِنْ أَیَّامِ الدُّنْیَا......الخ۔“ (ترمذی ج:۲ ص:۷۸)

ترجمہ:...... ”حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے ملاقات کی تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: سعید! دعا کرو! اللہ تعالیٰ ہمیں جنت کے بازار میں جمع کردے، وہ کہنے لگے کہ: حضرت! جنت میں بازار ہوگا؟ فرمایا: ہاں! جنت میں بازار ہوگا، جمعہ کے دن اللہ تعالیٰ جامع مسجد میں لوگوں کو جمع فرمالیں گے۔“

جنت میں جمعہ کا خطاب:

اب تم خود سوچو، وہ کتنی بڑی جامع مسجد ہوگی، جس میں تمام اہل جنت جمع ہوجائیں گے؟ اور آپ جانتے ہیں کہ جمعہ کے دن خطیب خطبہ دیا کرتا ہے، اور خطبہ

سے پہلے ہمارے یہاں تھوڑی سی تقریر بھی ہوتی ہے، میں ادھر ڈنڈی کی طرف گیا تھا یعنی کئی سال ہوگئے ہیں کہ مجھے بھیجا گیا کہ تم وہاں جمعہ پڑھا دینا، میں نے پوچھا کہ: تقریر کتنی ہوگی؟ کہنے لگے کہ جی پندرہ منٹ!...... ’’لاحول ولا قوۃ الا باللہ‘‘ اتنی دور سے تو میں گیا، ان لوگوں کی زیارت کے لئے اور منٹ صرف پندرہ دیئے گئے، مجھے افسوس بھی ہوا لیکن افسوس اس اعتبار سے ٹل گیا کہ یہ بیچارے مشغول لوگ ہیں، ان کی یہی بڑی مہربانی ہے کہ یہاں مسجد میں آجائیں تو غرضیکہ! جنت میں اللہ تعالیٰ تمام اہل جنت کو جمعہ کے دن جمع کریں گے۔

جنت کی روشنی:

یہاں یہ بات یاد رکھو کہ دن رات کا یہاں جو نظام ہے، وہ وہاں نہیں ہوگا، وہاں دن نہیں ہوگا، رات نہیں ہوگی، ایک خاص روشنی ہوگی جو ہمیشہ ہی رہا کرے گی جیسے کہ سورج نکلنے سے چندلمحہ پہلے روشنی ہوتی ہے، نہ دن ہوتا ہے، نہ رات ہوتی ہے، جنت میں نہ دن ہوگا، نہ رات ہوگی، لیکن روشنی ہوگی۔

بعض علمائؒ نے فرمایا ہے کہ: جنت جنتیوں کے انوار کی وجہ سے روشن ہوگی، جنتی اتنے نورانی ہوں گے کہ اس کے بعد کسی روشنی کی ضرورت نہیں ہوگی۔

تو جنت کے اندر دن اور رات کا نظام تو ہوگا نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے کوئی نہ کوئی نظام بنایا ہوگا، جس سے معلوم ہوگا کہ کس کام کو اتنے دن ہوگئے ہیں، اتنے دن رہتے ہیں۔

بہرحال! جمعہ کے دن یعنی ساتویں دن اللہ تعالیٰ تمام اہل جنت کو دعوت دیا کریں گے، یہاں تو ہمارے خطیب خطبہ دیتے ہیں، وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے

دیتے ہیں، خطیب صاحب کا خطبہ یہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور جنت میں جس میدان کی میں بات کررہا ہوں اور جس ''جامع مسجد'' کی میں بات کررہا ہوں، اس میں براہ راست اللہ تعالیٰ خطبہ دیا کریں گے، حق تعالیٰ شانہ خطبہ دیں گے، ایک روایت میں آتا ہے کہ:

''وَلَا یَبْقٰی فِیْ ذَالِکَ الْمَجْلِسِ رَجُلٌ اِلَّا حَاضَرَہُ اللّٰہُ مُحَاضَرَۃً۔'' (ترمذی ج:۲ ص:۷۸)

ترجمہ:...... ''اس مجلس کا کوئی آدمی باقی نہیں رہے گا مگر اللہ تعالیٰ اس سے آمنے سامنے کلام فرمائیں گے۔''

یعنی ایک ایک آدمی کے ساتھ اللہ تعالیٰ گفتگو فرمائیں گے، اب کروڑہا کروڑ آدمی جمع ہوں گے لیکن ''لَایَشْغَلُہٗ شَأْنٌ عَنْ شَأْنٍ۔'' اللہ تعالیٰ کو ایک شان دوسری شان سے مشغول نہیں کرتی، جیسے کہ یہاں بھی اس کے بندے تو بہت ہیں مگر کوئی اس کو مشغول نہیں کرسکتا۔ میں تو کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ وہاں ہمیں کون پوچھے گا؟ لیکن پھر خیال آتا ہے نہیں! اگر اللہ تعالیٰ ہمیں اس وقت نہیں بھولے جب کہ ہم اپنی ماں کے پیٹ میں تھے تو اس وقت بھی نہیں بھولیں گے جب ہم ماں کے پیٹ میں چلے جائیں گے، ایک ماں وہ تھی جس نے ہمیں جنا اور ایک ماں وہ ہے جس نے ہمیں اپنی آغوش میں لیا (مرنے کے بعد)۔

ایک روایت میں ہے کہ: اللہ تعالیٰ اندھیری رات میں جب کہ مکمل سکون ہوتا ہے اور کوئی آہٹ نہیں ہوتی، کوئی آواز نہیں آتی، اس وقت بھی اللہ تعالیٰ ''بھوری'' یعنی چھوٹی سی چیونٹی کے چلنے کی آواز سنتے ہیں۔

ایک بزرگ نے کہا کہ: یا اللہ! آپ ان چیزوں کو کیسے جانتے ہیں؟ فرمایا اس پتھر کو توڑو، پتھر توڑا گیا، اس کے اندر ایک اور پتھر نکلا، اس کو توڑا گیا، ایک اور پتھر نکلا، اس کو توڑا گیا، ایک اور پتھر نکلا اور ان تمام پتھروں کے درمیان سے ایک کیڑا نکلا جس کے منہ میں سبز پتا تھا، اللہ تعالیٰ کسی کو بھی نہیں بھولتے۔

تو حق تعالیٰ شانہ تمام اہلِ جنت سے اور ہر ایک سے خطاب فرمائیں گے، اس خطاب کی تفصیلات آتی ہیں مگر میں اس کو چھوڑتا ہوں، چنانچہ حدیث میں ہے:

"وَيَقُوْلُ رَبُّنَا قُوْمُوْا اِلٰى مَا أَعْدَدْتُّ لَكُمْ مِنَ الْكَرَامَةِ فَخُذُوْا مَا اشْتَهَيْتُمْ فَنَأْتِيْ سُوْقًا...... فَيُحْمَلُ اِلَيْنَا مَا اشْتَهَيْنَا لَيْسَ يُبَاعُ فِيْهَا وَلَا يُشْتَرٰى ......الخ۔"

(ترمذی ج:۲ ص:۷۸)

یعنی پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ: تم مہمان آئے ہو، مہمان کا حق ہوتا ہے کہ اس کا اکرام کیا جائے، اس کی دعوت کی جائے، ہم نے تمہارے لئے یہ ایک بازار لگایا ہے، (وہاں ایک بازار لگا ہوا ہوگا) اس میں جو چیز تمہیں پسند آتی ہے لے لو! اس کے پیسے ہمارے ذمہ ہیں ہم نے پیسے ادا کردیئے، گویا اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے وہ ہوگا، پیسے اس کے کیا ہونگے؟ یوں آتا ہے کہ:

"فَتُوْضَعُ لَهُمْ مَنَابِرُ مِنْ نُوْرٍ وَّمَنَابِرُ مِنْ لُؤْلُؤٍ وَّمَنَابِرُ مِنْ يَاقُوْتٍ وَّمَنَابِرُ مِنْ زَبَرْجَدٍ وَّمَنَابِرُ مِنْ ذَهَبٍ وَّمَنَابِرُ مِنْ فِضَّةٍ وَّيَجْلِسُ أَدْنَاهُمْ وَمَا فِيْهِمْ مِنْ دَنِيٍّ عَلٰى كُثْبَانِ الْمِسْكِ وَالْكَافُوْرِ مَايُرَوْنَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَرَاسِيِّ بِأَفْضَلَ مِنْهُمْ مَجْلِسًا......الخ۔"

(ترمذی ج:۲ ص:۸۱)

اہل جنت کا اعزاز:

اس میدان میں جب لوگ جمع ہوں گے، کچھ لوگ یاقوت کے ممبروں پر ہوں گے، کچھ لوگ زمرد کے ممبروں پر ہوں گے کچھ ایسے اور کچھ ایسے، درجہ بدرجہ ہوں گے یہاں تک کہ بعض لوگ کستوری کے ٹیلوں پر بیٹھے ہوں گے، اور کچھ نیچے بیٹھے ہوں گے، اور آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ان میں سے کوئی بھی گھٹیا نہیں ہوگا، جو وہ نیچے بیٹھے ہوں گے، وہ یہ سمجھیں گے کہ ہم سب سے اونچے بیٹھے ہیں، آگے فرمایا:

"وَفِیْ ذَالِکَ السُّوْقِ یَلْقیٰ أَھْلُ الْجَنَّۃِ بَعْضُھُمْ بَعْضًا قَالَ فَیُقْبِلُ الرَّجُلُ ذُوْالْمَنْزِلَۃِ الْمُرْتَفِعَۃِ فَیَلْقٰی مَنْ ھُوَ دُوْنَہٗ وَمَا فِیْھِمْ دَنِیٌّ فَیَرُوْعُہٗ مَایُریٰ عَلَیْہِ مِنَ اللِّبَاسِ فَمَا یَنْقَضِیْ اٰخِرُ حَدِیْثِہٖ حَتّٰی یَتَخَیَّلَ عَلَیْہِ مَا ھُوَ أَحْسَنُ مِنْہُ۔" (ترمذی ج:۲ ص:۷۸)

ایک جنتی دوسرے جنتی سے ملے گا، وہاں بھی ملاقاتیں ہوں گی، سارے جنتی جمع ہوں گے، جیسے اہل محلّہ جمع ہوجائیں تو ایک دوسرے سے مزاج پرسی کرتے ہیں، اہل جنت جمع ہوں گے تو ایک اونچے درجے کا جنتی ہوگا اور ایک نیچے درجے کا جنتی ہوگا، اب ظاہر ہے کہ دونوں کے درمیان فرق تو ہوگا ہی!، ان کے لباس میں بھی فرق ہوگا اور دوسری چیزوں میں بھی فرق ہوگا، اس نیچے درجے والے جنتی کے دل میں خیال آجائے گا کہ میرے کپڑے گھٹیا ہیں، ان کے کپڑے بڑھیا ہیں، اس خیال کا آنا ہوگا کہ یکایک اس کو ایسا محسوس ہوگا کہ میرے کپڑے اس سے زیادہ قیمتی ہیں، اس کی

وجہ یہ ہے کہ جنت میں کسی کو غم نہیں ہوگا، کسی کو رشک نہیں ہوگا، کسی کو کسی پر حسد نہیں ہوگا اور کوئی کسی کو دیکھ کر جلے گا نہیں کہ اس کے پاس نعمت ہے، میرے پاس کیوں نہیں ہے، یہ جنتی اس بازار میں جائیں گے اور جو چیز ان کو پسند آئے گی اس کی طرف اشارہ فرمادیں گے، فرشتے ان کو وہاں پہنچادیں گے، ان کے مکان پر پہنچادیں گے، اور وہ مکان ان کے ایسے نہیں ہوں گے جیسے تم نے سمجھے ہوں گے بلکہ ایک مکان دوسرے مکان کے ساتھ ملا ہوا ہے۔

جنت کے درجات:

مشکوٰۃ میں ہے:

''عَنْ اَنسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعالیٰ عَنْهُ أَنَّ الرَّبِیْعَ بِنْتَ الْبَرَاءِ وَهِیَ أُمُّ حَارِثَةَ بْنِ سُرَاقَةَ أَتَتِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اَلَا تُحَدِّثُنِیْ عَنْ حَارِثَةَ وَكَانَ قُتِلَ یَوْمَ بَدْرٍ اَصَابَهُ سَهْمٌ غَرْبٌ فَاِنْ كَانَ فِی الْجَنَّةِ صَبَرْتُ وَاِنْ كَانَ غَیْرَ ذَالِکَ اِجْتَهَدْتُّ عَلَیْهِ فِی الْبُكَاءِ. فَقَالَ یَا أُمَّ حَارِثَةَ اِنَّهَا جِنَانٌ فِی الْجَنَّةِ وَاِنَّ ابْنُکِ أَصَابَ الْفِرْدَوْسَ الْاَعْلٰی۔'' (مشکوٰۃ ص:۳۳۱)

ترجمہ:......''ربیع بنت براءؓ جو حارثہ بن سراقہ کی ماں ہیں، ان کا بچہ شہید ہوگیا، وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی کہنے لگیں: یا رسول اللہ (ﷺ) میرا بچہ شہید ہوگیا ہے۔ آپ کے ساتھ جہاد میں تھا، مجھے پتہ چل جائے کہ وہ

جنت میں گیا ہے تو میں صبر کروں، اور خدانخواستہ دوسری طرف چلا گیا تو پھر میں اپنے بیٹے پر رونے کا حوصلہ نکال لوں...... (ماں کا اولاد کے ساتھ یہی تعلق ہوتا ہے) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے ام حارثہ ایک جنت نہیں کئی جنتیں ہیں، اور تیرا بیٹا فردوس اعلیٰ میں ہے۔''

دوسری حدیث میں ہے:

''فَاِنَّ فِی الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ مَا بَیْنَ کُلِّ دَرَجَتَیْنِ کَمَا بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَالْفِرْدَوْسُ اَعْلَی الْجَنَّةِ وَاَوْسَطُهَا وَفَوْقَ ذَالِکَ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ ...... وَاِذَا سَاَلْتُمُ اللّٰهَ فَاسْئَلُوْهُ الْفِرْدَوْسَ......الخ۔'' (ترمذی ج:۲ ص:۷۶)

ترجمہ:......'' آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ ایک جنت نہیں ہے! سو جنتیں اوپر نیچے ہیں، اور ہر جنت کا فاصلہ اتنا ہے جتنا کہ زمین کا فاصلہ آسمان تک، اور سب سے اوپر جنت الفردوس ہے اور اس کی چھت اللہ کا عرش ہے، اس کا سائبان اللہ کا عرش ہے۔ جب تم اللہ سے جنت مانگو تو جنت الفردوس مانگا کرو، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی نصیب فرمائے۔''

اسی طرح ترمذی شریف میں ہے:

''ثُمَّ نَنْصَرِفُ اِلٰی مَنَازِلِنَا فَتَلَقَّانَا اَزْوَاجُنَا، فَیَقُلْنَ مَرْحَبًا وَّاَهْلًا! لَقَدْ جِئْتَ وَاِنَّ لَکَ مِنَ الْجَمَالِ اَفْضَلَ مِمَّا فَارَقْتَنَا عَلَیْهِ۔ فَنَقُوْلُ اِنَّا جَالَسْنَا الْیَوْمَ رَبَّنَا الْجَبَّارُ وَیَحِقُّنَا اَنْ نَّنْقَلِبَ بِمِثْلِ مَا انْقَلَبْنَا۔'' (ترمذی ج:۲ ص:۷۸)

تو تمام جنتی اپنے گھروں کو لوٹ جائیں گے، اور فرشتے سامان ان کے گھروں کو پہنچادیں گے، ان کی بیویاں ان کو دیکھیں گی، کہیں گی تم اتنے حسین کیوں ہوگئے ہو؟ یہ کہیں گے کہ ہمیں تو حسین ہونا ہی چاہیئے، اس لئے کہ ہم اللہ رب العالمین کے پاس بیٹھ کر آئے ہیں، یہ اہل جنت کا ایک نقشہ ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی نصیب فرمائے لیکن:

بہر غفلت یہ تیری ہستی نہیں
دیکھ جنت اس قدر سستی نہیں

ہم نے تو یوں سمجھا ہے کہ یہاں بھی اپنی من مانی کرتے رہیں گے، آگے ہمارے لئے جنت بنی بنائی ہے، نہ بھائی! ایسا نہیں!!، محنت کرنی ہوگی، محنت یہاں نہیں کروگے تو پھر اللہ تعالیٰ وہاں محنت کروائیں گے!

دنیا محنت کی جگہ ہے:

یوں آتا ہے کہ: جس نے دنیا میں محنت کی، اللہ کے سامنے توبہ تائب کی، اللہ کے سامنے روتا رہا، معافیاں مانگتا رہا، اور ڈرتا رہا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو ڈر سے محفوظ رکھیں گے، ہاں بھائی اللہ تعالیٰ کے سامنے کرتے جاؤ اور ڈرتے جاؤ، تمام احکام الٰہی جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ بھیجے ہیں، وہ میرے اور آپ کے لئے ہی ہیں، سکھوں اور ہندوؤں کے لئے نہیں ہیں، اگر ہم رسول اللہ ﷺ والے اعمال کو درخور اعتنا نہ سمجھیں، ان کی طرف توجہ نہ فرمائیں، اپنی من مانی میں لگے رہیں، تو یہ احکام جو رسول اللہ ﷺ لے کر آئے تھے ان پر عمل کون کرے گا؟ کیا یہ یہودیوں کے لئے ہیں؟ کیا یہ سکھوں اور ہندوؤں کے لئے ہیں؟ نہیں بھائی یہ احکام حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی امت کے لئے ہیں، اور "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" ﷺ! پڑھنے والوں کے لئے ہیں۔

اگر ہم نے اس زندگی میں محنت نہ کی، اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ نہ کی اور اپنی غلطیوں کو نہ چھوڑا تو پھر قبر میں معاملہ طے ہوگا، وہاں تو تمہارے ساتھ کوئی نہیں ہوگا، یہاں تو تمہارے چار یار ہیں، اور دوسری چیزیں ہیں، وہاں تو کوئی نہیں ہوگا، اکیلے ہوں گے۔ اکبر الہ آبادی کہتے ہیں کہ:

ہمیں کیا جو تربت پہ میلے رہیں گے!
تہہ خاک ہم تو اکیلے رہیں گے

بے شک قبر کے اوپر چادریں چڑھا لو، بہت سارے بے وقوف ہیں جو پکی قبر بناتے ہیں، حماقت کی بھی حد ہوگئی، جا کے دیکھو قبرستان میں پکی قبریں بنی ہوئی ہیں، بہت سے اوپر گنبد بنا دیتے ہیں، کیا حماقت ہے!

مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کے ارشاد پر اور کہنے پر عمل کرنا ہی چھوڑ دیا، جو کچھ میرے جی میں آیا میں نے کرلیا، جو تمہارے جی میں آیا تم نے کرلیا، اللہ اللہ خیر سلا!

یوں کہتے ہیں کہ دنیا میں اپنے اعمال کی اصلاح نہ کی، توبہ نہ کی، تو پھر مرنے کے بعد قبر میں معاملہ طے ہوگا، اور اگر پھر بھی کسر پوری نہ ہوئی تو میدان حشر میں حساب برابر ہوگا، اگر پھر بھی کسر پوری نہ ہوئی تو پھر جہنم میں غوطہ دیا جائے گا۔ ''نعوذ باللہ، استغفر اللہ'' اللہ تعالیٰ معاف رکھیں۔

جنت میں تو پاک کرکے لوگوں کو لے کر جائیں گے، تو سب سے پہلے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم پاک صاف ہوجائیں، علماءٔ موجود ہیں، مسئلے مسائل بتانے والے موجود ہیں، سب چیزیں موجود ہیں لیکن ہم نے اپنی مرضی کرنی شروع کردی ہے، پوچھ کرکے چلنا شروع ہی نہیں کیا، ہمیں کوئی کام کرنا ہوتا ہے یا کوئی فارم بھرنا ہوتا ہے تو پوچھتے ہیں کہ ہمیں بتادو کس طرح بھرنا ہے؟ یہ ایک معمولی چیز ہے، مگر اس کو بھی جاننے والے سے پوچھتے ہیں اور پوچھ کرکے کرتے ہیں۔

لیکن دین کا کام اور رسول اللہ ﷺ کے احکام پر عمل کرنے کیلئے کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں، جو میں نے کرلیا وہ ٹھیک ہے، جو آپ نے کرلیا وہ ٹھیک ہے۔ اور اگر ہمیں کسی نے کہہ دیا کہ نہیں بھئی ایسا نہیں! تو ہم اس سے لڑ پڑیں گے چل اوے! بڑا مولوی بنا ہے! یہ ہمارے پاس جواب ہوتا ہے۔کوئی بات نہیں تو مولویوں کو جو کچھ کہنا چاہو کہہ لو، تمہارے جی میں جو کچھ آتا ہے کہہ لو لیکن ایک وقت آنے والا ہے، ہمارے جانے کا وقت آنے والا ہے اور ہم یہاں زندہ نہیں رہیں گے، اور وہ وقت قبر کا وقت ہوگا، وہاں ہمیں کوئی پوچھنے والا نہیں ہوگا، کوئی فریاد کو پہنچنے والا نہیں ہوگا۔

عذاب قبر کا ایک واقعہ:

میں نے پرانے زمانے میں ایک کاپی لکھنی شروع کی تھی، اس میں جو واقعات عجیب وغریب ہوتے تھے اس کو لکھ لیا کرتا تھا، بعد میں یہ چیزیں چھوڑ دیں۔ ایک واقعہ اس کا مجھے یاد ہے کہ:

”ایک فوجی تھے وہ گھر آئے، گھر میں ان کی بہن کا انتقال ہوگیا، اس کو دفن کیا، جیسا کہ عام طریقہ ہے اور قبر میں ذرا ٹیڑھے ہونے لگے تو جیب سے بٹوا گر گیا، اس کو خیال نہیں رہا، بعد میں دیکھا کہ بٹوا نہیں، تب معلوم ہوا کہ قبر میں رہ گیا، قبر اکھیڑ لی، ”یہ مسئلہ یاد رکھو! کہ قبر کو دوبارہ نہ کھولو اس لئے کہ میت پر جو کچھ گزرتا ہے اس کو دیکھنا ہم برداشت نہیں کرسکتے، اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائیں۔“

”تو اس فوجی نے قبر کھود لی اور اپنا بٹوا اٹھالیا، اس نے دیکھا کہ اس کی بہن کے سر کے بال اس کے پاؤں کے

ساتھ باندھے ہوئے ہیں اور وہ بیٹھی ہوئی ہے، ابھی تو دفن کیا، اس خاتون کے سر کے بال پاؤں کے انگوٹھوں سے باندھے ہوئے ہیں، اس کو دیکھ کر بہت ترس آیا، اس نے چاقو لے کر کے بال کاٹ دیئے اور میت دھڑام سے پیچھے گر گئی، ساتھ ہی اس سے باقاعدہ یہ آواز آئی کہ ظالم تو نے ابھی تک میرا پیچھا نہیں چھوڑا؟''

ہمیں کیا معلوم ہے کہ کیا ہو رہا ہے قبرستان میں؟ قبروں میں، یہاں عیش و عشرت اڑا رہے ہیں، میت کو دفن کر دیا ہمیں کوئی خیال ہی نہیں گزرتا۔

تو یوں کہتے ہیں کہ قبر کے اندر میت کو عذاب دیا جاتا ہے، اور اتنا عذاب دیا جاتا ہے، اتنا عذاب دیا جاتا ہے کہ میت اتنی چیخیں مارتی ہے کہ مشرق و مغرب کی تمام چیزیں اس کی آواز سنتی ہیں، ''اِلَّا الثَّقَلَیۡنِ'' صرف انسان اور جنوں کے سوائے۔

انسان اور جن نہیں سنتے، کیونکہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے عالم غیب رکھا ہے، ہمارے سامنے مردے پڑے ہوئے ہیں ویسے ہی، ہم کہتے ہیں ٹھیک ٹھاک ہیں۔

عذاب قبر کی مثال:

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: عذاب قبر کی مثال ایسی ہے کہ کوئی آدمی تمہارے ساتھ سویا ہوا ہو، دونوں بھائی ایک چارپائی پر لیٹے ہوئے اور سوئے ہوئے ہیں، ایک جنت کی سیر کر رہا ہے اور ایک دوزخ کی سیر کر رہا ہے، اس کے مناظر اور ہیں، اس کے مناظر اور ہیں، امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: بالکل اسی طرح سمجھو کہ میت پر جو حالات گزرتے ہیں ہمیں معلوم نہیں کہ وہ کیا حالات ہیں؟

ہمیں صرف مردہ لیٹا ہوا نظر آتا ہے کہ قبر میں ہم نے مردہ لٹا دیا ختم! اور جیسا میں نے کہا کہ بعض بیوقوف اوپر پکی گنبدیں بنا دیتے ہیں۔

ہمارے ہاں ایک نوجوان فوت ہوا، اس کے باپ نے اس پر قبہ بنادیا، میرا بھائی! باہر کے قبے کو کیا کریں گے؟ بات تو اندر کی ہے! قبر کے اندر کیا ہو رہا ہے؟ اس کے لئے ہم نے کوئی انتظام نہیں کیا، جو چلے گئے ہیں ان کے لئے کوئی انتظام نہیں کیا بہرحال! میں عرض کر رہا تھا کہ جنت میں ایک میدان ہے، جس میں اللہ تعالیٰ اہل جنت کو جمعہ کے دن جمع کیا کریں گے، اور اس میں خود خطبہ ارشاد فرمائیں گے، اور ان کو اس دن تحائف دیں گے، ہر ایک جنتی جو جو چیز چاہے گا، جنتیوں کے پاس تو ویسے بھی کمی نہیں ہوگی، مگر وہ جو چاہے گا وہ اس کو دے دیا جائے گا، یہ جنتیوں کا گویا جمعہ ہوگا۔

عورتوں کی اللہ سے ملاقات:

یوں کہتے ہیں کہ عورتوں کو بھی جنت میں دعوت دی جائے گی، لیکن وہ عیدین میں دی جائے گی، مردوں کو ہر جمعہ کے دن اللہ تعالیٰ کی زیارت نصیب ہوا کرے گی، اور اللہ تعالیٰ کی زیارت کے لئے ایک میدان میں جمع ہوا کریں گے، اور خواتین کو عید الفطر، بقر عید، دو عیدوں کے موقع پر جمع کیا جائے گا، اس میں ان کو اللہ تعالیٰ کی زیارت نصیب ہوا کرے گی، اللہ تعالیٰ ہمیں اہل جنت کی نعمتوں سے نوازیں اور ہماری تمام خطاؤں لغزشوں کو معاف فرمادیں۔

میرے بھائیو! وہ وقت آنے والا ہے، یہ سارے اوقات ہم پر گزرنے والے ہیں، برزخ کے بھی حالات گزرنے والے ہیں، مرنے کے بعد اٹھنے کے، یعنی میدان محشر کے حالات ہم پر گزرنے والے ہیں، نفسا نفسی کا عالم ہوگا، وہ حالات ہم پر گزرنے والے ہیں، وہاں کوئی کسی کو نہیں پوچھے گا، کوئی کسی کی بات نہیں سنے گا، یہ حالات ہم پر گزرنے والے ہیں، کچھ اللہ کے بندے ایسے ہوں گے، جن کو بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

ایک دفعہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ: کچھ اللہ کے بندے ایسے ہونگے جو بغیر حساب و کتاب کے جنت میں جائیں گے، رسول اللہ ﷺ نے جب یہ بات فرمائی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ (ﷺ) آپ کچھ اللہ تعالیٰ سے اور مانگ لیتے! ۷۰ ہزار تو جنت میں بغیر حساب و کتاب کے جائیں گے، آپ کچھ اور مانگ لیتے! فرمایا: ہر ایک آدمی کے ساتھ ۷۰ ہزار اور...... "تم اب حساب و کتاب لگاؤ ۷۰ ہزار کو ۷۰ ہزار سے ضرب دو۔" کہا کہ: یا رسول اللہ آپ کچھ اور مانگ لیتے! فرمایا: اور بھی مانگ لیا تھا! وہ یہ مانگا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ: "وَلَسَوۡفَ يُعۡطِيۡكَ رَبُّكَ فَتَرۡضٰى۔" عنقریب تیرا رب تجھ کو اتنا دیگا کہ تو راضی ہو جائے گا۔

اور میں نے قسم کھائی ہے کہ میرا امتی اگر ایک بھی دوزخ میں ہوگا تو میں راضی نہیں ہوں گا، جب تک کہ میرے تمام امتیوں کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل نہیں کر دیا جاتا، میں نہیں راضی ہوں گا، مگر میرا بھائی! وہ تو اس وقت ہوگا جب کہ رسول اللہ ﷺ کی شفاعت ہوگی، ہم نے رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کا مذاق اڑایا تو وہ ہماری شفاعت کیسے اور کیونکر کریں گے؟

اس لئے میں ہمیشہ کہتا ہوں، اپنے ہر بیان میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کی شکل بناؤ اور ہم سے جو کوتاہیاں ہوئی ہیں، اس کی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو اور اس بات کی اللہ سے دعا کرو کہ یا اللہ! ہمیں قیامت کے دن رسول اللہ ﷺ کی امت میں شامل فرما اور ہم سے جو کوتاہیاں، لغزشیں ہوئی ہیں ہمیں معاف فرما۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا ومولانا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

زندہ اور فوت شدہ بزرگوں کے حقوق

حضرت آدم علیہ السلام ہمارے جد امجد ہیں، سب سے بڑے ہمارے بزرگ ہیں، کیا ہم نے ان کے لئے کبھی ایصال ثواب کیا؟ ہم نے کبھی ان کے لئے رفع درجات کے لئے دعاء کی؟ کبھی ہم نے ان کے لئے ذخیرۂ آخرت بھیجا؟ آخر ان کے بھی ہم پر حقوق ہیں، ہمارے والدین جن سے ہم پیدا ہوئے، ان کے بھی ہم پر حقوق ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب نے (ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندرؒ) بہت اچھی باتیں آپ کو بتائی ہیں۔ رمضان مبارک کا مہینہ آرہا ہے، اور کم وبیش ہر سال آپ اس موضوع پر باتیں سنتے رہے ہیں، اب علماءً کے پاس کوئی نئی بات کہنے کی نہیں، صرف یاددہانی کی ضرورت ہے۔

مشکوٰۃ شریف میں ایک مستقل باب باندھا گیا ہے ”بَابُ تَنْزِيْهِ الصَّوْمِ“ جس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے روزے کو پاک رکھنا۔

ترغیب وترہیب میں ایک حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں دو عورتوں نے روزہ رکھا، روزہ میں اس شدت سے بھوک لگی کہ ناقابل برداشت بن گئی، وہ ہلاکت کے قریب پہنچ گئیں، صحابہ کرامؓ نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ان کا معاملہ پیش کیا تو آپ ﷺ نے ان دونوں کے پاس ایک پیالہ بھیجا اور فرمایا کہ اس میں قئے کریں، چنانچہ حدیث میں ہے:

”فَقَالَ لِاِحْدَاهُمَا ”قِيْئِی“ فَقَاءَتْ قَيْحًا وَدَمًا وَصَدِيْدًا وَلَحْمًا حَتّٰى مَلَأَتْ نِصْفَ الْقَدْحِ ثُمَّ قَالَ لِلْاُخْرٰى .... ثُمَّ قَالَ اِنَّ هَاتَيْنِ صَامَتَا عَمَّا أَحَلَّ اللّٰهُ لَهُمَا وَأَفْطَرَتَا عَلٰى مَا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا جَلَسَتْ اِحْدَاهُمَا اِلَى الْاُخْرٰى فَجَعَلَتَا تَأْكُلَانِ مِنْ لُحُوْمِ النَّاسِ۔“

(الترغیب والترہیب ج:۳ ص:۳۲۸)

حضور ﷺ نے ان دونوں کو قئے کرنے کا حکم فرمایا، دونوں نے قئے کی، تو اس میں پیپ، گوشت کے ٹکڑے اور تازہ کھایا ہوا خون وغیرہ نکلا، لوگوں کو حیرت ہوئی، تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: انہوں نے حق تعالیٰ شانہ کی حلال روزی سے روزہ رکھا اور حرام چیزوں کو کھایا کہ دونوں عورتیں لوگوں کی غیبت کرتی رہیں۔

کسی مسلمان کی غیبت کرنا ایسا ہی ہے جیسے کسی مردہ بھائی کا گوشت کھانا۔ قرآن کریم میں بھی یہ مضمون بیان فرمایا گیا ہے۔

ماشاءُ اللہ آپ کے ملک میں تو اب دن بہت چھوٹے ہوگئے اور رات بہت بڑی ہوگئی، دن اتنے چھوٹے کہ صبح ہم گلاسگو میں تھے تو آٹھ بجکر ۱۹ منٹ پر سورج نکلا، اور چار بجنے والے تھے کہ مغرب ہوگئی۔ اب چار بجے سے لے کر صبح نو بجے تک رات ہی رات ہے، اور دن چھوٹا سا، لیکن اس میں بھی ہمارے بہت سے بھائی ایسے ہوتے ہیں جو روزہ نہیں رکھتے۔

روزہ کی حفاظت:

ہمارے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے تھے کہ: ’’مردوں کی نسبت عورتیں روزہ زیادہ رکھتی ہیں۔‘‘

کسی گھر میں آپ کم دیکھیں گے کہ عورتیں روزہ رکھنے والی نہ ہوں، مرد تو کوتاہی کرلیتے ہیں، سستی کرلیتے ہیں، لیکن عورتیں نہیں کرتیں۔ اور جن مردوں کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ذوق نصیب فرمایا ہے، وہ بھی اس میں کوتاہی نہیں کرتے۔ گرمیوں کے موسم میں آپ کے یہاں بائیس گھنٹہ کا بھی روزہ رہا، لیکن آپ میں سے جو روزہ رکھنے والے تھے، انہوں نے ان دنوں میں بھی روزہ رکھا۔ ایک بات تو یہ ہے کہ جب آپ نے روزہ رکھ لیا، پھر اس کی حفاظت کریں۔ روزہ رکھنا تو آسان ہے لیکن محض اللہ تعالیٰ کی رضأ کے لئے اس روزے کی حفاظت بھی کی جائے۔ حتیٰ کہ اور چیزوں کے علاوہ لغویات سے بھی پرہیز کیا جائے، فضول بات نہ کی جائے، آج ہمارے ڈاکٹر صاحب (ڈاکٹر اسکندر صاحب) ایک واقعہ سنا رہے تھے کہ:

> ’’ایک بزرگ دوسری جگہ گئے، پوچھا کہ وہ صاحب کہاں ہیں؟ گھر والوں نے کہا نہیں ہیں۔ انہوں نے کہا: کہاں گئے ہیں؟ گھر والوں نے کہا ہمیں معلوم نہیں۔ واپس آگئے اور واپس آکے بے تحاشا روئے کہ مجھے اس بات کے کہنے کی ضرورت کیا تھی؟ یہ میں نے لغو بات کی ہے، فضول بات کی ہے، قیامت کے دن اس کا بھی حساب ہوگا۔‘‘

جب آپ نے روزہ رکھ لیا تو حتی الوسع جہاں تک ممکن ہو آپ کی زبان سے

کوئی لغو اور کوئی فضول کلمہ نہیں نکلنا چاہیئے، رمضان المبارک میں روزہ تو آپ رکھیں گے ہی، ساتھ کے ساتھ اس روزہ کی پرورش کرنے کی ضرورت ہے، اور وہ ہوگی اللہ تعالیٰ کے ذکر سے۔

جامع نصیحت:

ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، کہنے لگا: یا رسول اللہ (ﷺ) مجھے کوئی نصیحت فرمایئے، لیکن بات لمبی نہ ہو، بڑھا ہوگیا ہوں بات یاد نہیں رہتی۔

آنحضرت ﷺ نے ایک ہی لفظ ارشاد فرمایا: "لَا یَزَالُ لِسَانُکَ رَطْبًا مِنْ ذِکْرِ اللّٰہِ۔" (الترغیب والترھیب ج:۲ ص:۳۹۴) ہمیشہ تیری زبان اللہ کے ذکر سے تر رہنی چاہیئے۔ چلیئے سارا کچھ اس میں آگیا۔

آنحضرت ﷺ کی ایک بات پر عمل کرلیں، "لَا یَزَالُ لِسَانُکَ رُطْبًا مِنْ ذِکْرِ اللّٰہِ۔" ہمیشہ تیری زبان اللہ کے ذکر سے تر رہنی چاہیئے۔

گپیں ہانکنا، فضول باتیں کرنا، لغو بات ہے، جو لمحہ آپ کا گزر گیا، جو وقت آپ کا گزر رہا ہے اس کو اللہ کے ذکر کے ساتھ معمور کریں۔

انسانی اعضأ زبان کی بارگاہ میں:

یہ زبان انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایسی چیز عطأ فرمائی ہے کہ یہ عجیب وغریب مخلوق ہے!

ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

"عَنْ أَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ

اِذا أَصبح ابنُ ادمَ فاِنَّ الأَعضاءَ كُلَّها تُكفِّرُ اللِّسانَ فَتقُولُ اِتَّقِ اللّٰهَ فِينا فاِنَّا نَحنُ بِکَ فَاِن اسْتَقَمتَ اِسْتقَمنا وَاِنْ أَعوَجتَ أَعوَجنا۔'' (مشکوٰۃ ص:۴۱۳)

ترجمہ:......'' حضرت ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب صبح ہوتی ہے تو انسان کے سارے اعضاً اس کی زبان کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ: ''فَاِنَّا نَحنُ بِکَ۔'' ہمارے ساتھ معاملہ ویسا ہوگا جو تو کروائے گی۔ اگر تو ٹھیک رہی تو ہم بھی ٹھیک رہیں گے اور اگر تو نے خرابی کردی تو اس کا وبال ہم پر بھی پڑے گا۔''

یہ زبان فضول بات کرکے خود تو چھپ جاتی ہے دانتوں کے درمیان، اور جوتے پڑتے ہیں سر پر، کوئی غلط بات کہی، کسی کو برا بھلا کہا، کوئی ایسی بات کہی جو نہ کہنے کی تھی، اب زبان تو چھپ گئی لیکن جوتے پڑتے ہیں دوسرے اعضأ کو، تم خود سوچو! کہ جب یہاں جوتے کھلواتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی والے اعمال کرکے پھر آخرت میں بھی جوتے پڑیں گے یا نہیں؟ اس لئے اللہ تعالیٰ زبان کے جاتے کھلوانے سے بچنے کی توفیق عطأ فرمائے۔

بچوں کی تربیت:

آپ ماشأاللہ روزے رکھیں گے، اپنے اہل وعیال کو بھی روزے رکھوائیں، اپنے متعلقین کو بھی، اور اب تو چھوٹے چھوٹے بچے بھی روزے رکھتے ہیں۔ حدیث

شریف میں ہے:"مُرُوْا اَوْلَادَکُمْ بِالصَّلٰوۃِ وَھُمْ اَبْنَاءُ سَبْعَ سِنِیْنَ۔ وَاضْرِبُوْھُمْ عَلَیْھَا وَھُمْ اَبْنَاءُ عَشَرَ۔" (ابوداؤد ج:۱ ص:۷۱) یعنی بچوں کو نماز کا حکم کرو جبکہ وہ سات سال کے ہوں، اور اگر دس سال کے ہونے کے باوجود نماز نہ پڑھیں تو ان کی پٹائی کرو۔ اور ہم نے اس معاملہ میں اب بچوں کو آزاد کردیا ہے، خصوصاً آپ کے انگلینڈ میں، کیونکہ یہاں تو بچے کو کچھ کہہ بھی نہیں سکتے، فوراً پولیس کو شکایت کردے گا، ٹیلیفون کردے گا، ہمارے بچے بھی ہمارے ہاتھ سے نکل گئے۔ یہاں ہم کمانے، کھانے آئے تھے، وہ کمائی بھی ہمارے لئے پریشانی کا باعث بن گئی۔ بہت سے لوگوں سے بات سنی ہے کہ ہم مصیبت میں مبتلا ہیں، نہ واپس جاسکتے ہیں نہ یہاں رہ سکتے ہیں۔

میرا بھائی! ہم نے اپنے بچوں کی تربیت نہیں کی، تھوڑی ان پر محنت کرلیتے، اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا حکم سمجھ کر محنت کرلیتے، اور خاص طور پر یہ رمضان مبارک کا مہینہ یہ جو پاک اوقات ہیں، جس میں ایک خاص ماحول ہوتا ہے اور آپ جانتے ہیں کہ رمضان مبارک کے مہینہ میں مسلم اور غیر مسلم کا فرق معلوم ہوجاتا ہے، مسلمان کے گھر میں سحری اور افطاری کے وقت کھانا کھایا جاتا ہے، اور دوسرے سارے وقت میں ناغہ ہوتا ہے، چھوٹے بچوں کی خیر دوسری بات ہے، بچوں کو دودھ پلانا پڑتا ہے، بچوں کو روزے رکھوانا ضروری نہیں، خصوصاً جب بچہ کمزور ہوتو اس کو کہا جاتا ہے کہ بیٹا! روزہ نہ رکھو۔ لیکن اگر بچے میں صلاحیت ہو، ہمت ہو تو روزہ رکھوانا چاہئے، اور اب تو آٹھ گھنٹہ کا دن ہے، بچہ بھی بڑی آسانی کے ساتھ روزہ رکھ سکتا ہے۔ خیر میں عرض کررہا تھا کہ ہم ان مبارک اوقات میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے خزانے جتنے زیادہ سمیٹ سکتے ہیں سمیٹیں، اپنے لئے بھی، اپنے اہل وعیال کے لئے بھی، اور ہمارے جو بزرگ فوت ہوچکے ہیں ان کے لئے بھی ایصال ثواب کریں۔

مالی ایصالِ ثواب:

مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ (جن کی معارف القرآن یہاں بھی ہوگی) ان کے والد ماجد مولانا محمد یاسین صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے آخری وقت میں فرمایا تھا، اور حضرت مفتی صاحبؒ نے اس کو نقل کیا ہے کہ فرماتے تھے: ''محمد شفیع! تم ملّا لوگ ہو، قرآن مجید پڑھ کر ایصالِ ثواب تو کرلیتے ہو، اس کی تو مجھے امید ہے تم اہتمام کرو گے، لیکن کچھ صدقہ و خیرات کے ساتھ بھی اپنے بزرگوں کا تعاون کرنا چاہئے۔'' پورا سال گزرا ہے، ہم نے اپنے بزرگوں کے لئے یا والدین کے لئے جو فوت ہوچکے ہیں، یا دوسرے بزرگوں کے لئے ہم نے کیا کیا؟ ذرا غور فرمائیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کی شکایت:

میں نے ایک حدیث میں پڑھا ہے کہ سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام شکایت فرماتے تھے کہ ''میری اولاد نے مجھے یاد نہیں رکھا۔'' حضرت آدم علیہ السلام ہمارے جدِ امجد ہیں، سب سے بڑے ہمارے بزرگ ہیں، کیا ہم نے ان کے لئے کبھی ایصالِ ثواب کیا؟ ہم نے کبھی ان کے لئے رفعِ درجات کے لئے دعاء کی؟ کبھی ہم نے ان کے لئے ذخیرۂ آخرت بھیجا؟ آخر ان کے بھی ہم پر حقوق ہیں، ہمارے والدین جن سے ہم پیدا ہوئے، ان کے بھی ہم پر حقوق ہیں۔

رسولِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے اکابر کے بھی ہم پر حقوق ہیں، ان سے پہلے جو انبیاءؑ کرام علیہم السلام گزر چکے ہیں ان کے بھی ہم پر حقوق ہیں، تو میرا بھائی! رمضان مبارک کا مبارک مہینہ ہے، کچھ ان حضرات کے

لئے بھی کرلیا کرو، کچھ کھلا پلا سکتے ہو، صدقہ و خیرات کر سکتے ہو تو اس کے ثواب میں ان کو بھی شریک کرلیا کرو۔ اگر کچھ صدقہ خیرات نہیں بھی کر سکتے تو ان کے لئے کچھ زبانی ہی ایصال ثواب کرلیا کرو۔

اللہ کا کرم:

ویسے میرے اللہ کا کرم ہے، میرے اللہ کا احسان ہے، لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میرے اللہ تعالیٰ نے معاملہ ہم پر نہیں رکھا بلکہ خود ہی طریقہ بتادیا کہ نماز کے آخر میں ہم پہلے التحیات پڑھتے ہیں، پھر درود شریف پڑھتے ہیں اور آخر میں دعاء پڑھتے ہیں:

"رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابِ۔" (ابراہیم: ۴۰، ۴۱)

تمام مؤمنین، حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر قیامت تک آنے والے تمام اہل ایمان سب کے سب اس میں شامل ہوگئے۔ اور یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی نقل کر رہا ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم یہ کہو گے: "رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ۔" تو تمام مسلمان جو فوت ہوچکے یا آئندہ آنے والے ہیں قیامت تک، ان سب کو اللہ تعالیٰ ثواب پہنچادیں گے، جو آسمان میں ہوں، ان کو بھی اللہ تعالیٰ ثواب پہنچادیں گے، اور جو زمین میں ہوں گے ان کو بھی ثواب پہنچادیں گے۔

یہ تو اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا کہ ہم نے یہ دعاء پڑھ لی اور ایصال ثواب ہوگیا۔ لیکن میرا بھائی! کچھ اپنی طرف سے بھی کیا کرو، ان بزرگوں کے لئے ایصال ثواب بھی کیا کرو۔

اکابر کے معمولات:

میرے شیخ حضرت مولانا محمد زکریاؒ جن کی تم تبلیغی نصاب پڑھتے ہو، وہ ہمیشہ اپنی طرف سے، اپنے والدین کی طرف سے، اپنے مشائخ کی طرف سے اور آنحضرت ﷺ کی طرف سے قربانی کا اہتمام کرتے تھے۔ اور اکابر کی جانب سے قربانی کا ثبوت حدیث میں ملتا ہے، جیسا کہ مشکوٰۃ میں ہے:

"عَنْ حَنَشٍ رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ: رَأَیْتُ عَلِیًّا یُضَحِّیْ بِکَبْشَیْنِ فَقُلْتُ لَہٗ مَا ہٰذَا؟ فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أَوْصَانِیْ أَنْ أُضَحِّیَ عَنْہُ فَأَنَا أُضَحِّیْ عَنْہُ۔" (مشکوٰۃ ص:۱۲۸)

ترجمہ:......حضرت حنش رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے دو مینڈھے ذبح کئے، میں نے سوال کیا کہ یہ کیا ہے؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ آپ ﷺ نے مجھے وصیت فرمائی تھی کہ: علی! میری طرف سے قربانی کرنا نہ بھولنا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس ﷺ کی وصیت کے مطابق آنحضرت ﷺ کی طرف سے باقاعدہ قربانی کیا کرتے تھے۔ تم اپنے اکابر کے لئے قربانی کرو۔ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے قربانی کرو، اور کچھ پڑھ کے بخشو!

میرے شیخ حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ تعالیٰ ایک قرآن رمضان المبارک میں دن کا اور ایک قرآن رات کا پڑھا کرتے تھے اور ایک قرآن تراویح کا، جب صحت اچھی تھی، بعد میں کمزور ہوگئے تھے، اور میں نے پڑھا ہے کہ امام ابوحنیفہ

رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی یہی معمول تھا۔ ایک قرآن دن کا، ایک قرآن رات کا اور ایک قرآن تراویح کا پڑھتے تھے۔

اس کے علاوہ دعائیں ہیں، استغفار ہے اس کا بھی اہتمام کرنا چاہئے۔

فضائل اعمال میں لکھا ہے کہ: حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر کوئی شخص ستر ہزار مرتبہ کلمہ شریف پڑھ کر کسی کو بخش دے تو اللہ تعالیٰ اس کی بخشش فرما دیتے ہیں، تو اپنے مشائخ کے لئے، اپنے بزرگوں کے لئے یہ بھی کیا کرو۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے بہت سے نصاب بنا رکھے تھے کلمہ شریف کے، لمبا واقعہ ہے...... میرے بھی بہت سے ساتھیوں نے مجھ سے کہا کہ ہم نے تیرے لئے ستر ہزار مرتبہ کلمہ شریف پڑھا ہے، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ توفیق عطاءٔ فرمائے، چونکہ یہ کمائی کا مہینہ ہے اس لئے اپنے والدین کے لئے، اپنے عزیز و اقارب کے لئے، دوست احباب کے لئے کچھ کمائی کرکے بھیجو۔ اپنے لئے بھی کمائی کرو اور ان کے لئے بھی بھیجو۔ ہم پر ان کے بہت بڑے حقوق ہیں، جیسا کہ میں نے ابھی نقل کیا کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام شکایت فرماتے تھے کہ: ”میری اولاد نے مجھے بھلا دیا ہے۔“ دوسروں کے لئے تو ایصال ثواب کرتے ہیں لیکن میرے لئے نہیں کرتے۔ بھائی! ہم پر ان کا بھی حق ہے۔ اپنے دوسرے اکابر کا بھی حق ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطاءٔ فرمائے۔

اپنے گناہوں سے توبہ کرو۔ سب سے بڑا اہم کام اس مہینہ میں کرنے کا یہ ہے کہ گناہوں سے توبہ کرو۔ اور میں اپنے بھائیوں سے کہوں گا کہ داڑھی رسول اللہ ﷺ کے مطابق رکھو، تاکہ قیامت کے دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری ہو تو یہ کہہ

سکو کہ: یا رسول اللہ! میں آپ کا امتی ہوں، میری بھی شفاعت کیجئے۔ اور اگر تم نے رسول اللہ ﷺ کی سنت پر استرا چلادیا تو میرا بھائی! کیسے کہو گے؟ کہ: یارسول اللہ! ہم بھی آپ کے امتی ہیں۔ حضور ﷺ کی سنت پر عمل کرو، اور تم نہیں جانتے کہ شاید اللہ تعالیٰ اس شکل بنانے پر بخش دے کہ انہوں نے میرے محبوب ﷺ کی سنت کو اپنایا تھا، میں ان کی بخشش کردوں۔

اللہ تعالیٰ ہماری بخشش فرمائے اور اللہ تعالیٰ ہمیں ان مبارک اور سعید اوقات کی قدر کرنے کی توفیق عطائ فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

قرآن کریم کے حقوق

ہمارے دل میں قرآن کی ظاہری اور باطنی دونوں طور پر عظمت ہونی چاہئے۔ باطنی عظمت کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کا جتنا مرتبہ اور اس کی بڑائی ہے، وہ خوب دل میں بیٹھ جائے۔ تلاوت قرآن سے دل، بدن اور آنکھوں میں نور آتا ہے، دل مجمع الانوار، نور الانوار بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے ہر ہر حرف کے نیچے تجلیات رکھی ہی۔ تلاوت سے دل میں سکون آئے گا، گھروں میں برکتیں اور رحمتیں آئیں گی۔

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم
الحمدللّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

اللہ تعالیٰ نے ہمیں تین دولتیں عطا فرمائی ہیں: بیت اللہ، کلام اللہ (قرآن مجید) اور رسول اللہ (ﷺ)۔

تجلیات الٰہی کا مرکز:

کعبہ شریف پر تجلیات کا روز افزوں غلبہ ہے، تجلیات روز بروز بڑھ رہی ہیں، ۱۲۰ نعمتیں روزانہ نازل ہوتی ہیں، پھر ان سے پورے عالم میں سپلائی ہوتی ہے، مرکز تجلیات الٰہیہ خانہ کعبہ ہے، یعنی سپلائی سینٹر ہے۔

اگرچہ کوچۂ جاناں میں پھر پھر کے سر مارا
نہ دیکھا یار کو، گھر بار کو دیکھا، تو کیا دیکھا

اور طواف، حقیقت میں تجلیات الٰہیہ کا طواف ہے، جتنا بندے کا تعلق اللہ تعالیٰ سے قوی ہوگا، اسی قدر رحمتوں سے حصہ پائے گا، جتنا تعلق کمزور ہوگا، اتنا رحمتوں سے حصہ کم پائے گا۔

بیت اللہ شریف حق تعالیٰ کی نعمت کبریٰ ہے، ابھی پچھلے دنوں مکۃ المکرّمہ میں بارش ہورہی تھی، بیت اللہ شریف پر ہلکی ہلکی پھوار پڑرہی تھی، میں نے کہا آنکھوں والوں کو انوار کی بارشیں ہوتی نظر آرہی ہیں۔

خانہ کعبہ میں اتنی جاذبیت اور اتنی کشش ہے کہ مشرق و مغرب، شمال و جنوب چہار اطراف سے والہانہ انداز میں تکبیر پڑھتے ہوئے لوگ چلے آرہے ہیں، ہر زبان، نسل، ملک اور مسلک ومشرب کے لوگ اس کی طرف کھنچے چلے آرہے ہیں، اہل ایمان کے لئے یہ جگہ مقناطیس ہے، کہ اس کی طرف لوگوں کی رغبت ہے۔

قرآن کریم کی عظمت:

دوسری چیز اللہ کا کلام ہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ: حق تعالیٰ شانہ کا قرب کسی چیز سے اتنا حاصل نہیں ہوتا، جتنا کہ قرآن مجید سے حاصل ہوسکتا ہے، یہ کلام اللہ تعالیٰ سے نکلا ہوا ہے، رسول اللہ ﷺ کی شان بہت رفیع ہے، بیت اللہ شریف کی شان بہت اونچی ہے، مگر وہ اللہ تعالیٰ سے نہیں نکلے، مگر یہ کلام تو اللہ تعالیٰ سے نکلا ہوا ہے، یہ حبل اللہ ہے، اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے، خوب مل کر اللہ تعالیٰ کی رسی مضبوطی سے تھام لو، اس رسی کے تھامنے میں کسی کا اختلاف نہیں، جتنا قرآن کریم سے تعلق مضبوط ہوگا، اتنا انسان کھنچتا، چلا جائے گا۔

قرآن کے حقوق:

قرآن مجید کے تین حقوق ہیں، حقوق کی ادائیگی کے سلسلے میں ہمیں کوتاہی نہیں کرنی چاہئے، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی ایک کتاب ''اصلاح انقلاب امت'' ہے، جس میں اس سلسلہ کی ہماری کوتاہیوں کی تفصیلات بیان کی گئیں ہیں۔

پہلا حق:

بہرحال قرآن مجید کا پہلا حق اس کی عظمت ہے، ہمارے دل میں اس کی ظاہری اور باطنی دونوں طور پر عظمت ہونی چاہیئے۔ باطنی عظمت کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کا جتنا مرتبہ اور اس کی بڑائی ہے، وہ خوب دل میں بیٹھ جائے، چنانچہ جس کو حق تعالیٰ شانہ نے قرآن مجید کا علم عطا فرمایا ہو، مثلاً حافظ ہو، عالم ہو، تو وہ دنیا کی نعمت کو دیکھ کر کبھی دل میں یہ حسرت نہ لائے کہ: افسوس مجھے یہ چیز (مثلاً کار، کوٹھی وغیرہ) نہیں ملی، واللہ العظیم دنیا کی کوئی نعمت قرآن مجید سے بڑھ کر نہیں، یہ اتنی بڑی دولت ہے کہ: دنیا کی دوسری تمام نعمتیں اگرچہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں، اس نعمت قرآن کے سامنے گردِ راہ ہیں، اور تختِ سلیمانی اس کے سامنے ہیچ ہے۔

تختِ سلیمانی سے بہتر:

حضرت سلیمان علیہ السلام تختِ سلیمانی پر کہیں تشریف لے جارہے تھے، آپ کے جلو میں جنات، انسان اور پرندے پرا باندھے ہوئے تھے، عجیب سماں تھا، اتنے میں کسی نے زمین سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی اس کروفر کو دیکھا تو کہا: سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ نے کیسی سلطنت حضرت سلیمان علیہ السلام کو عطا فرمائی ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب یہ کہتے ہوئے کسی سے سنا، تو حکم فرمایا کہ تخت زمین پر اتارا جائے، زمین پر اتر کر اس شخص کو بلایا اور اس سے پوچھا کہ تم نے یہ کیا کہا؟ اس نے سمجھا کہ شاید گستاخی ہوگئی ہے، کہنے لگا: یا حضرت! یہ بے اختیار نکل گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کیسی حکومت عطا فرمائی ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ: بندۂ خدا تیرے منہ سے جو ''سبحان اللہ'' نکلا ہے، وہ ہزار تختِ سلیمانی سے بہتر ہے۔

قرآن مجید کی دولت کے مقابلے میں، کائنات کی تمام چیزیں بچوں کے کھلونوں کی طرح ہیں، اصل دولت تو یہ قرآن مجید ہے، اس کی جتنی عظمت دل میں آئے گی، قرآن مجید اتنا ہی اپنا رنگ دکھائے گا۔

دوسرا حق:

دوسرا حق قرآن مجید کی تلاوت کا ہے، قرآن مجید میں ہے: "یَتۡلُوۡا عَلَیۡھِمۡ اٰیٰتِہٖ۔" (وہ رسول ان پر اللہ کی آیات کی تلاوت کرتا ہے)۔

"رَسُوۡلٌ مِّنَ اللّٰہِ یَتۡلُوۡا صُحُفًا مُّطَھَّرَۃً۔" (رسول، اللہ کی طرف سے تلاوت کرتا ہے پاکیزہ صحیفے)۔

ایک بزرگ فرماتے تھے کہ: یہ تو اللہ تعالیٰ کا انعام ہے کہ ہمارے اور اللہ کے درمیان میں دو واسطے ہیں۔ ایک حضرت جبرائیل علیہ السلام کا اور دوسرا آپ ﷺ کی زبان مبارک سے قرآن مجید کا جاری ہونا، اگر یہ واسطے درمیان میں نہ ہوتے، تو ہم قرآن مجید کی تلاوت پر قادر نہ ہوتے، آپ ﷺ کی خدمت میں ایک وفد آیا آپ ﷺ سے براہ راست قرآن مجید سنا، آپ ﷺ کی زبان مبارک سے قرآن مجید سن کر دلوں پر کیا اثرات پڑے ہوں گے؟ کون اندازہ کرسکتا ہے؟ وہ حضرات تلاوت سن کر رونے لگے۔

ٹی وی اور اخبارات کی نحوست:

آج ہم لوگوں کو تلاوت کی توفیق کم ہوتی ہے، آج مسلمانوں کے گھروں میں کتنے پڑھے لکھے لوگ ہیں، مگر انہیں قرآن مجید کی تلاوت کی توفیق کم ہی ہوتی

ہے۔ دوسری کتابیں کتنی پڑھی جاتی ہیں، جب سے اخبارات، ٹی وی آگیا ہے اور ناول، افسانے آگئے ہیں، مسلمانوں کے ہاتھوں سے قرآن مجید چھین لیا گیا ہے، بہت سے گھر ہیں، جن میں مہینوں تک قرآن مجید کی تلاوت نہیں ہوتی۔

حدیث شریف میں ہے: ''اِنَّ الَّذِیْ لَیْسَ فِیْ جَوْفِہٖ شَیْءٌ مِّنَ الْقُرْاٰنِ کَالْبَیْتِ الْخَرِبِ۔'' (مشکوٰۃ ص:۱۸۶)

ترجمہ: ''جس انسان کے دل کے اندر قرآن مجید کا
کچھ حصہ نہ ہو، اس دل کی مثال ویران گھر کی سی ہے۔''

مثال مشہور ہے ''خانہ خالی را دیو مے گیرد'' (خالی گھر میں شیطان بسیرا جمالیتا ہے۔)

پریشانیوں کا سبب:

افسوس آج ہمارے گھر قرآن مجید کی تلاوت سے خالی ہوگئے ہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ شیاطین نے بسیرا کرلیا، یہی وجہ ہے کہ آج ہر گھر میں پریشانیاں بڑھ گئی ہیں، گھر میں ہر نعمت موجود ہے، مگر قلب کا سکون نہیں ہے، آپ کسی کو تھوڑا سا نشتر لگا دیں، اور ٹٹولیں تو وہ اپنی پریشانیوں کی داستان سنانا شروع کردے گا، پریشانیاں ہیں، مگر وجہ معلوم نہیں ہے، گھر میں بچے کا فوٹو لگا ہوا ہے، ۹۰ فیصد گھروں میں فوٹو لگے ہوئے ہیں، آپ حضرات نے حضور ﷺ کا یہ ارشاد تو سنا ہوگا کہ: ''لَا تَدْخُلُ الْمَلٰٓئِکَۃُ بَیْتًا فِیْہِ کَلْبٌ وَّلَا تَصَاوِیْرُ۔'' (مشکوٰۃ ص:۳۸۵) (کہ جس گھر میں تصویر یا کتا ہوگا اس گھر میں رحمت کے فرشتے نہیں آئیں گے)۔

گھر میں قرآن کی تلاوت نہیں ہوتی، ذکر نہیں ہوتا، درود شریف نہیں پڑھا

جاتا اور دوسری دین کی بات نہیں ہوتی، اس لئے رحمت رخصت ہوگئی، دل کا مسکرانا کہاں سے حاصل ہوگا؟

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

”عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا جَلَسَ قَوْمٌ مَّجْلِسًا لَمْ یَذْکُرُوا اللّٰهَ فِیْهِ وَلَمْ یُصَلُّوْا عَلٰی نَبِیِّهِمْ اِلَّا کَانَ عَلَیْهِمْ تِرَةً فَاِنْ شَآءَ عَذَّبَهُمْ وَاِنْ شَآءَ غَفَرَ لَهُمْ۔“ (ترمذی ج:۲ ص:۱۷۴)

ترجمہ:......”ان لوگوں کی مثال جو ایک جگہ جمع ہوئے (اور انہوں نے کھانا وغیرہ کھایا) مگر اللہ کا ذکر کئے اور درود شریف پڑھے بغیر اٹھ گئے، انہوں نے بہت بڑا نقصان کیا، اگر اللہ پاک چاہیں تو ان کو عذاب دیں یا چاہیں تو ان کو معاف فرمادیں۔“

اسی طرح ابوداؤد شریف میں ہے:

”مَا مِنْ قَوْمٍ یَّقُوْمُوْنَ مِنْ مَّجْلِسٍ لَا یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ فِیْهِ اِلَّا قَامُوْا عَنْ مِّثْلِ جِیْفَةِ حِمَارٍ وَّکَانَ عَلَیْهِمْ حَسْرَةً۔“

(ابوداؤد ج:۲ ص:۳۱۰)

ترجمہ:......”جو لوگ کسی مجلس سے اس حال میں اٹھے کہ انہوں نے اس میں اللہ کا ذکر نہیں کیا تو وہ ایسے ہیں جیسے (چند کتے) مردار گدھے پر جمع ہوئے اور کھا کر چلے گئے، ایسی مجلس ان لوگوں پر قیامت کے دن حسرت و افسوس کا سبب

ہوگی۔‘‘

ہم شام سے لے کر صبح تک اور صبح سے لے کر شام تک اپنی زندگی کا جائزہ لیں، کہ گھر میں قرآن پڑھا جاتا ہے یا نہیں؟ پہلے ہر گھر میں اس کا اہتمام ہوتا تھا، روزانہ گھروں میں تلاوت ہوتی تھی، سب سے بہترین وقت تلاوت کا نماز فجر کے بعد کا وقت ہے، فجر کی نماز سے پہلے تسبیحات افضل ہیں اور نماز کے بعد تلاوت، باقی دونوں سونے کی کانیں ہیں، بڑے گھروں میں لوگ اٹھتے ہی نو بجے ہیں، دیر سے سوتے ہیں، عشاءً کے بعد ٹی وی دیکھا جارہا ہے، تبصرے ہورہے ہیں، باتیں کی جارہی ہیں، حالانکہ آنحضرت ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے، چنانچہ حدیث میں ہے:

’’كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ وَالْحَدِيْثَ بَعْدَهَا۔‘‘

(موطا امام مالک ص:۱۰۱)

ترجمہ:......’’آنحضرت ﷺ عشاءً سے پہلے نیند کرنے کو اور نماز عشاءً کے بعد باتیں کرنے کو ناپسند فرماتے تھے۔‘‘

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خانقاہ میں حضرتؒ کے زمانے میں عشاءً کے بعد قانوناً بات کرنے کی ممانعت تھی، حکم تھا کہ عشاءً کے بعد سوجاؤ، جلدی سونے سے تہجد کے لئے اٹھنا آسان ہوگا، بے خوابی کی شکایت نہیں ہوگی، گولیوں کی ضرورت نہیں رہے گی، سنت کے خلاف کروگے تو ایسا ہی ہوگا، بہرحال مسلمانوں کا کوئی گھر تلاوت سے خالی نہیں ہونا چاہئے۔

تلاوت کے معمول اکابر کے مختلف رہے ہیں، روزانہ ایک قرآن مجید، ۱۵

سپارے روزانہ، ۱۰ سپارے روزانہ اور کم سے کم معمول ایک پارہ روزانہ اور مہینہ میں ۳۰ سپارے، یہ اپنے اوپر لازم کرلینا چاہیئے، جتنا ادب واحترام کے ساتھ پڑھو گے، اتنا ہی اللہ تعالیٰ نوازیں گے، ایک صاحب قرآن پڑھنا نہیں جانتے تھے، انگلی پھیر کر "هٰذَا كَلَامُ رَبِّیْ، هٰذَا كَلَامُ رَبِّیْ۔" پڑھتے رہتے تھے، حق تعالیٰ شانہ نے بخش دیا۔

بدی کا غلبہ:

اب تو دیندار گھروں میں بھی یہ تلاوت کا معمول نہیں رہا، باپ نیک ہے، تو بیٹا آزاد ہے، سارا شیرازہ بکھر گیا ہے، اب لوگ بودے (انگریزی بال) رکھتے ہیں، پہلے اس کا رواج نہیں تھا۔ ایک صاحب نے مجھے جدہ ایرپورٹ پر بتلایا کہ ایک نوجوان فوج میں گئے، جب واپس آئے تو بودے بنوائے اور ننگے سر پھرنا شروع کردیا، پرانے زمانے کی بات ہے، کچھ عورتیں چرخہ کات رہی تھیں، انہوں نے اس کو دیکھا تو محبت کے ساتھ بلایا، ایک بڑھیا گھر میں گئی، چولہے کی راکھ لے کر آئی اور اس کے سر پر ڈال دی، اس کو کہا کہ تو لڑکیوں کو بال دکھاتا پھرتا ہے؟

اس وقت نیکی غالب تھی، اس کو نصیحت آ گئی اور اس نے بال کٹوالئے، اللہ کی شان! اب نیکی مغلوب اور بدی غالب آ رہی ہے، باپ اپنے بچوں کی اصلاح و تربیت سے گھر میں عاجز ہورہا ہے، شوہر اپنی بیوی اور بیوی اپنے شوہر کی اصلاح سے عاجز ہے، باپ بیٹے کی اور بیٹا باپ کی اصلاح سے عاجز ہے، ہم نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھنے کی بجائے یہود ونصاریٰ کے معاشرے کو دیکھنا شروع کردیا، نتیجہ یہ نکلا ہے کہ بدی غالب آ رہی ہے اور نیکی مغلوب ہورہی ہے، اب نیکی کا پنپنا مشکل ہوگیا ہے، یہ

سب کچھ مسلمانوں کے معاشرے میں ہورہا ہے، اگر کوئی شادی بیاہ سنت کے مطابق کرنا چاہتا ہے، تو اس کو معاشرہ نہیں کرنے دیتا، ''خود کردہ را علاجے نیست۔''

تلاوت کی برکات:

پہلے تلاوت قرآن مسلمانوں کے روزہ مرہ کے معمولات میں تھی، تلاوت سے دل، بدن اور آنکھوں میں نور آتا ہے، دل مجمع الانوار، نورالانوار بنتا ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے ہر ہر حرف کے نیچے تجلیات رکھی ہیں، تلاوت کا ثواب قیامت کو تو ملے گا ہی، مگر دنیا میں بھی بہت کچھ ملے گا، مشکلات آسان ہوں گی، دل میں سکون آئے گا، گھروں میں برکتیں اور رحمتیں آئیں گی، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''یَاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ۔''

(یونس:۵۷)

ترجمہ:......''اے لوگو تمہارے پاس آتی ہے نصیحت تمہارے رب سے اور شفاءٌ دلوں کے روگ کی اور ہدایت اور رحمت مسلمانوں کے لئے۔''

تم اس کو کہاں بھول گئے؟ یہ بھولنے کی چیز نہیں ہے، واللہ العظیم قرآن مجید تمہاری سب ظاہری، باطنی اور اندرونی، بیرونی بیماریوں کے لئے شفاءٌ ہے۔

تیسرا حق:

قرآن مجید کا تیسرا حق: قرآن مجید کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالیں، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وارضاہا کے ایک شاگرد حضرت

مسروقؒ تھے وہ آپؓ کی خدمت میں تھے، انہوں نے عرض کیا: ''یَا اُمَّاہُ! نَبِّئِینِی عَنْ خُلُقِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔'' (اماں جان! مجھے حضور ﷺ کے اخلاق بتلائیے۔) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''یَا بُنَیَّ اَوَمَا تَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ؟ کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰنَ۔'' (صاحب زادے کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ آپ کا خلق تو قرآن ہی تھا)۔ آپ ﷺ کا اخلاق سراپا قرآن ہی تھا، جہاں قرآن نے کھڑا کردیا، کھڑے ہوگئے، جہاں بٹھا دیا، بیٹھ گئے، جہاں روک دیا، رک گئے، جہاں چلادیا چل دیئے، جہاں کھانے کو کہا، کھالیا، آپ ﷺ کی پوری زندگی قرآن مجید کی عملی تفسیر تھی، قرآن مجید ہمارے لئے نازل ہوا ہے، ہمیں چاہئے کہ ہم قرآن مجید کے مطابق بن جائیں۔

ایک حدیث شریف میں ہے: ''مَثَلُ الْقُرْاٰنِ مَثَلُ الْاِبِلِ الْمُعَلَّقَةِ اِنْ تَعَاهَدَهَا صَاحِبُهَا أَمْسَكَهَا وَاِنْ تَرَكَهَا ذَهَبَتْ۔'' (مسند احمد ج:۲ ص:۲۳)

یعنی قرآن کی مثال اس اونٹ کی سی ہے جس کی ناک میں نکیل ہو، (اور ناک زخمی ہو، اگر بچہ بھی اس اونٹ کو لے چلے گا، تو چلا جائے گا، جہاں اس کو بٹھائے وہ بیٹھ جاتا ہے، اگر اٹھا دیا جائے تو اٹھ جاتا ہے) اور اگر چھوڑ دیا تو بھاگ جاتا ہے۔

ہماری نکیل قرآن کے ہاتھ میں ہے، ہمیں چاہئے کہ جہاں قرآن مجید بٹھادے، ہم بیٹھ جائیں، جہاں چلادے، چل پڑیں، ہم نے آج قرآن پر عمل کرنے کی بجائے اسے طاق میں رکھ دیا ہے، حضرت تھانویؒ سے پوچھا گیا: کیا قرآن مجید کو چومنا جائز ہے؟ آپؒ نے فرمایا: ''چومنا تو جائز ہے ہی، اس کو دل میں اتارا جائے۔''

آج ہماری نکیل قرآن کے ہاتھ میں نہیں رہی، اب تو یہ ہونے لگا ہے کہ اگر قرآن مجید کی کوئی بات سامنے آتی ہے تو اس میں تاویل کی جاتی ہے قرآن مجید میں ہے:

”وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْھِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَھُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ بِزِیْنَۃٍ وَّاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّھُنَّ۔“ (النور: ٦٠)

ترجمہ:......”وہ بوڑھی عورتیں جو نکاح کی حد سے گزر گئی ہیں، ان پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے کپڑے (پردہ) اتار رکھیں، کہ نہ دکھاتیں پھریں اپنا سنگھار، اگر وہ اس سے بچیں (یعنی پردہ میں رہیں) تو ان کے لئے بہتر ہے۔“

اب قصہ برعکس ہوگیا، بوڑھی کجا نوجوان بھی پردہ نہیں کرتیں، برقعہ تو گیا، دوپٹہ بھی اتر گیا ہے، اگر ہماری بہنیں چاہتی ہیں کہ گھروں میں آرام اور چین وسکون ہو، دلوں کو راحت نصیب ہو، تو قرآن مجید پر عمل کریں، آج چہرے کے پردے کا انکار کیا جاتا ہے، اگر چہرے کا پردہ نہیں، تو کس کا پردہ ہے؟ قرآن مجید میں ”قَرْنَ“ کا لفظ ہے کہ ٹک کر اور جم کر گھروں میں بیٹھیں، بناؤ سنگار نہ کرتی پھریں، مگر آج معاملہ اس کے برعکس ہوگیا ہے، عورتیں گھروں میں بیٹھنے کی بجائے دفاتر اور اسمبلیوں میں ہیں، اور ان کی بھرتی ہورہی ہے، یہاں تک کہ وزارت عظمیٰ کے حصول کے لئے بے تاب ہیں، بلکہ اب تو یہ منصب بھی ان کے زیر پا ہے، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی حفاظت فرمائے۔

قرآن کریم
اور
شفاعت رسول ﷺ

میرے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے طفیل اللہ تعالیٰ نے ہم پر بے شمار انعامات فرمائے ہیں۔ قیامت کے دن کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہوگا، سوائے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمد للہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفی، اما بعد!

حضرت مولانا مفتی محمد جمیل خان صاحب نے آپ حضرات کے سامنے وضاحت فرمادی ہے کہ یہ ادارہ ''اقرأ روضۃ الاطفال'' ایک مدرسے سے شروع کیا تھا، بیس تیس طالب علموں کے ساتھ، اوراب الحمدللہ کراچی سے لے کر گلگت تک اس کی اٹھائیس شاخیں بن گئی ہیں، اور اٹھارہ ہزار طالبعلم اس میں زیرِتعلیم ہیں، تو آپ کے لاہور میں بڑے تردد کے ساتھ ہم نے ایک شاخ کھولی تھی، اور خیال تھا کہ یہ پتہ نہیں کامیاب ہوگی یا نہیں، لیکن اللہ کے فضل وکرم سے ساتویں شاخ کا آج افتتاح ہورہا ہے، اور ابھی مزید اس کے لئے لوگوں کی فرمائشیں ہیں اور ہمارے پاس ابھی استطاعت اتنی نہیں ہے، بہرحال ہم کوشش کریں گے کہ انشاء اللہ تعالیٰ جہاں تک ممکن ہو، اس سلسلے کو مزید بڑھایا جائے، اور جیسا کہ مولانا نے فرمایا گلگت میں دوشاخیں بن چکی ہیں، اور گلگت ایسا پسماندہ علاقہ ہے کہ وہاں مسلمان تین فیصد ہیں، بلکہ اس سے

بھی کم تعداد میں ہیں، اور آغا خانیوں کا اور شیعوں کا اس میں زیادہ حصہ ہے، ان کے ہسپتال بھی ہیں، ان کے اسکول بھی ہیں، ان کے سب کچھ ہیں اور ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے، وہاں جاکر، حالات کا جائزہ لے کر، نہایت افسوس اور صدمہ ہوا، لیکن الحمدللہ وہاں اقرأ کی بھی دو شاخیں بن چکی ہیں، اور انشاء اللہ مزید توسیع کے امکانات ہیں، لوگوں کی فرمائشیں ہیں، جہاں تک ہوسکا انشاء اللہ وہاں بھی کوشش کی جائے گی، اب میں چند باتیں آپ حضرات کی خدمت میں اس سلسلے میں عرض کرتا ہوں۔

یہ قرآن کریم ...... جس کی نسبت سے ہم اور آپ یہاں جمع ہوئے ہیں، حق تعالیٰ شانہ کی عظیم الشان نعمت ہے، اور یہ وہ نعمت ہے کہ سوائے مسلمانوں کے کسی قوم کے پاس نہیں، ہم لوگ تو اپنے کاروبار میں لگے ہوئے ہیں، اپنے مشاغل میں مشغول ہیں، اور ان چیزوں میں مشغول ہیں، جن میں ساری دنیا مشغول ہے، لیکن یہ قرآن کریم، رسول اللہ ﷺ ہمارے لئے لے کر آئے، حضور ﷺ لے کر نہیں آئے، بلکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ پر نازل فرمایا، اس وقت پوری روئے زمین پہ صرف ایک آسمانی کتاب ہے، جسے قرآن کریم کہتے ہیں، اور جو صرف مسلمانوں کے پاس ہے، اس آسمانی کتاب کے علاوہ اور اس صحیفۂ مقدسہ کے علاوہ جتنی دنیا کی کتابیں ہیں، وہ سب کی سب محرف اور مبدل ہیں۔

مباحثہ شاہ جہان پور میں اسلام کی عظمت:

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ بانی دارالعلوم دیوبند، مباحثہ شاہ جہان پور میں تشریف لے گئے تھے، وہاں عیسائیوں کا، مسلمانوں کا اور دوسری قوموں کا مشترکہ جلسہ تھا، حضرتؒ کو اس جلسہ کا پتہ چلا تو آپ بھی تشریف لے گئے، اور وہاں

پہنچ کر اطمینان سے بیٹھ گئے، عیسائیوں نے اپنی بڑی تیاری کر رکھی تھی، اس وقت حکومت بھی نئی نئی انگریزوں کی بنی تھی، انگریزوں کا بہت رعب داب تھا، حضرتؒ نے عیسائیوں کے نمائندہ سے فرمایا کہ: عیسائی صاحب! کچھ فرمانا چاہتے ہیں تو فرمائیں، اس عیسائی مناظر پر اتنا رعب طاری ہوا، حالانکہ حضرت کا قد بھی چھوٹا تھا، اور وہ لباس بھی ایسا ہی بوسیدہ پہنے ہوئے تھے، ایک نیلی لنگی پاس ہوتی تھی اور سر پر ٹوپی اور بس، جب حضرت نے للکارا کہ ہاں کوئی ہے جو مقابلے میں آنا چاہتا ہے؟ اور اپنی کتاب کی کوئی فضیلت بیان کرنا چاہتا ہے تو بیان کرے، انہوں نے کہا کہ حضرت! آپ ہی بیان فرمائیں، ''مباحثہ شاہ جہان پور'' اور ''حجۃ الاسلام'' کے نام سے کتاب چھپی ہوئی ہے، اور بازار میں ملتی ہے، آپ لے کر اس کو پڑھ سکتے ہیں، حضرتؒ نے تمام مذاہب پر نہایت مدلّل بحث کی۔

بائبل میں پانچ لاکھ غلطیاں:

اور اسی بھرے جلسے میں فرمایا کہ عیسائیوں نے خود اعتراف کیا ہے کہ پانچ لاکھ غلطیاں ہماری کتاب میں ہیں، بائبل کی چھوٹی سی کتاب ہے، اور پانچ چار آدمیوں کی لکھی ہوئی ہے، چھوٹے چھوٹے اس کے حصے ہیں، اس کے علاوہ اس میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف جو کتابیں منسوب کی جاتی ہیں وہ بھی ہیں، حضرتؒ نے فرمایا کہ پانچ لاکھ غلطیاں ان کی بائبل میں موجود ہیں اور ان (علمائے مسیحی) میں سے کوئی شخص آپ کے مقابلے میں نہیں بولا۔

اس کے بعد حضرتؒ نے عام اعلان کیا کہ کوئی صاحب اپنی کتاب کی حقانیت ثابت کرنا چاہتے ہیں تو میں حاضر ہوں، پیش کریں، اور اسلام کی حقانیت اور

قرآن کریم کا صحیح مستند ہونا، بغیر کسی تحریف کے اور بغیر کسی تبدیلی کے ہونا، میں ثابت کروں گا۔

چنانچہ کوئی شخص بھی آپ کے مقابلے میں نہیں اٹھا، ان کے بڑے بڑے علماء بھی موجود تھے، عیسائیوں کی حکومت تھی، عیسائیوں کی صدارت تھی، لیکن کوئی نہیں اٹھا، یہ میدان مسلمان جیت گئے۔

میرے بھائیو اور بزرگو دوستو! ہم لوگ تو دنیا کے چکروں میں لگ گئے، دنیا کے قصوں میں لگ گئے، اور یوں سمجھ لیا کہ یہ قرآن مجید پڑھنا، پڑھانا تو مولویوں کا کام ہے، یہ خود ہی سب کچھ کرتے رہیں گے اور لڑتے مرتے رہیں گے۔ اور ہمیں تو اپنی دنیا کمانی ہے، اپنی دکانیں چلانی ہیں، اور ہمیں فلانا کام کرنا ہے، فلانا کام کرنا ہے، اتنی فرصت کس کے پاس ہے کہ وہ قرآن پاک پڑھے، یا قرآن مجید کے معنی و مفہوم کو سمجھے، یا مسجد میں جا کر کسی استاذ سے قرآن مجید کے صحیح تلفظ کو معلوم کرے، جیسا کسی نے الٹا سیدھا ہمیں بچپن میں پڑھا دیا، ایسا ہی ہم پڑھ رہے ہیں، اور زیادہ تر رمضان المبارک میں ہم پڑھتے ہیں، دوسرے گیارہ مہینے اپنے کام کے لئے ہیں، اور ایک مہینہ رمضان المبارک کا ہے کہ اس میں کچھ تھوڑا سا پڑھتے ہیں، بہت سے ایسے ہیں کہ رمضان المبارک میں بھی قرآن مجید پورا نہیں کرتے، اول سے آخر تک قرآن مجید بھی پورا نہیں کرتے، جہاں تک قرآن مجید کی تعلیمات کا تعلق ہے، اللہ رب العزت نے ہماری ہدایت کے لئے نازل کیا ہے، اللہ کا اس میں کوئی مفاد نہیں تھا۔

مولانا رومی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

مانہ بودیم و تقاضہ مانہ بود
رحمت حق ناگفتہ مامی شنید

ہم نہیں تھے، ہمارا تقاضہ نہیں تھا، محض اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہماری ان کہی بات کو سن لیا، اور ہمیں اس دین حق کے لئے قبول کرلیا، جتنے میرے بھائی موجود ہیں سب کے سب اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن کریم کی نعمت عطا فرمائی ہے، اور ہمیں محمد رسول اللہ ﷺ کا غلام بنا لیا ہے۔ والحمد للہ علی ذلک

چونکہ آپ حضرات کو اس کا موقع کم ملتا ہے اور یوں بھی جیسا کہ میں نے عرض کیا آپ حضرات کے ذہنوں میں یہ بات راسخ ہوگئی ہے کہ قرآن پڑھنا، پڑھانا تو مولویوں کا کام ہے، ملاؤں کا کام ہے، ہمیں اپنی دکانداریاں کرنی ہیں، تجارتیں کرنی ہیں، بڑے بڑے کاروبار کرنے ہیں، یہ مسجد میں بیٹھ کر کے قرآن نہیں پڑھانا یا پڑھنا...... یہ تو ملاؤں کا کام ہے، اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا کہ آپ کو اپنے کاموں کے لئے فارغ کردیا اور اپنی کتاب کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان ٹوٹے پھوٹے مولویوں کو منتخب کرلیا، یہ کتاب...... جس کو ہم قرآن مجید کہتے ہیں، اور جو محمد رسول اللہ ﷺ پر تیئس سال کے عرصے میں تھوڑی تھوڑی، تھوڑی تھوڑی نازل ہوئی، کبھی ایک آیت، کبھی دو آیتیں، کبھی ایک سورت...... اس طرح تیئس سال کے عرصے میں یہ کتاب نازل ہوئی۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام ہر رمضان میں قرآن کا دور کرتے:

حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

”كَانَ يَلْقَاهُ فِيْ كُلِّ لَيْلَةٍ فِيْ شَهْرِ رَمَضَان فَيُدَارِسُهُ الْقُرْآنَ۔“ (بخاری ص:۳)

ترجمہ:......"حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر رمضان میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور پورے قرآن کا دور کرتے تھے۔"

حالانکہ ابھی قرآن نازل نہیں ہوا تھا، لیکن پورے قرآن کا دور کرتے تھے۔

"عَنْ فَاطِمَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنهَا قَالَتْ: أَسَرَّ اِلَیَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ جِبْرِیْلَ یُعَارِضُنِیْ بِالْقُرْآنِ كُلَّ سَنَةٍ وَاِنَّهٗ عَارَضَنِی الْعَامَ مَرَّتَیْنِ وَلَا أُرَاهُ اِلَّا حَضَرَ أَجَلِیْ۔" (بخاری ج:۲ ص:۷۴۸)

ترجمہ:......"حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا......(جو آنحضرت ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور ہمارے سر کا تاج ہیں) فرماتی ہیں کہ...... ان کو رسول اللہ ﷺ نے بلایا اور بلا کے فرمایا فاطمہؓ! جبرئیل علیہ السلام ہر سال رمضان مبارک میں میرے پاس آتے تھے اور ایک بار قرآن کریم کا دور کرتے تھے، فاطمہؓ! اس سال جبرئیل علیہ السلام نے میرے ساتھ قرآن مجید کا دو مرتبہ دور کیا ہے، اور میں سمجھتا ہوں کہ شاید میرے جانے کا وقت آ گیا ہے۔"

میرے آقا حضرت محمد ﷺ نے کتنی محنت کے ساتھ، کتنی مشقتوں کے ساتھ، کتنی گالیاں سن کر، اس قرآن کریم کو اس امت کے لئے پہنچایا ہے، تاکہ یہ امت محروم نہ رہے۔

ستر ہزار آدمی بغیر حساب جنت میں جائیں گے:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میری امت کے ستر ہزار آدمی ایسے ہوں گے جو بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل ہوجائیں گے، چنانچہ ترمذی شریف میں ہے:

"عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِیَادٍ الْاَلْھَانِی قَالَ سَمِعْتُ اَبَا اُمَامَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ یَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ وَعَدَنِیْ رَبِّیْ اَنْ یُّدْخِلَ الْجَنَّۃَ مِنْ اُمَّتِیْ سَبْعِیْنَ اَلْفًا لَا حِسَابَ عَلَیْھِمْ وَلَا عَذَابَ۔ مَعَ کُلِّ اَلْفٍ سَبْعُوْنَ اَلْفًا وَثَلٰثُ حَثَیَاتٍ مِنْ حَثَیَاتِ رَبِّیْ، ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ۔" (ترمذی ج:۲ ص:۷۰)

ترجمہ:......"حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ میرے رب نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میری امت کے ستر ہزار آدمی بغیر حساب و کتاب کے اس طرح جنت میں داخل ہوں گے کہ ان کو کوئی عذاب نہیں دیا جائے گا۔ (صرف یہی نہیں بلکہ) ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار مزید بھی جائیں گے اور اللہ تعالیٰ اپنی تین لپیں (چلّو) بھر کر جنت میں داخل کریں گے۔"

تو ہر ہزار کو ستر ہزار کے ساتھ ضرب دے کر دیکھ لو کتنا بنتا ہے؟

ایک دوسری حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

”اِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَ جَلَّ وَعَدَنِیْ اَنْ یُّدْخِلَ الْجَنَّۃَ مِنْ اُمَّتِیْ اَرْبَعُمِائَۃَ اَلْفٍ بِلَا حِسَابٍ فَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ زِدْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! قَالَ وَھٰکَذَا فَحَثَا بِکَفَّیْہِ وَجَمَعَھُمَا فَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ زِدْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! قَالَ وَھٰکَذَا فَقَالَ عُمَرُ دَعْنَا یَا اَبَابَکْرٍ فَقَالَ وَمَا عَلَیْکَ اَنْ یُّدْخِلَنَا اللّٰہُ کُلَّنَا الْجَنَّۃَ فَقَالَ عُمَرُ اِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَ جَلَّ اِنْ شَآءَ اَنْ یُّدْخِلَ خَلْقَہٗ الْجَنَّۃَ بِکَفٍّ وَّاحِدٍ فَعَلَ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَدَقَ عُمَرُ۔“ (مشکوٰۃ ص:۴۹۴)

ترجمہ:...... ”آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میری امت میں سے چار لاکھ آدمیوں کو بلا حساب جنت میں داخل فرمائیں گے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کچھ زیادہ مانگ لیا ہوتا، آپؐ نے فرمایا: اتنا اور زیادہ مانگا تھا، یہ کہہ کر آپؐ نے دونوں ہاتھوں کو یکجا کرکے چلو بنایا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پھر عرض کیا: یا رسول اللہ! اس تعداد میں اور اضافہ کر دیجئے۔ آپ نے پھر چلو بنا کر فرمایا: اچھا اتنا اور زیادہ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: بس کیجئے، اور ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیجئے (یعنی اتنی رعایت نہ کرائیے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے کرم پر اعتماد کرکے بیٹھ جائیں اور عذاب خداوندی سے بے خوف ہوکر عمل کرنا چھوڑ دیں)۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس میں تمہیں کیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم سب کو بلا حساب وکتاب جنت میں داخل فرمادیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: اگر اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایک چلو میں بھر کر جنت میں داخل کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کی بات سن کر فرمایا: عمر سچ کہتے ہیں۔''

ایک دوسری حدیث میں آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے:

''عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ خَالِصًا مِنْ قَلْبِہٖ اَوْ نَفْسِہٖ۔ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ۔'' (مشکوٰۃ ص:۴۸۹)

ترجمہ:......''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن میری شفاعت سے وہ شخص حصہ پائے گا جس نے خلوص دل سے یا یہ فرمایا: خلوص نفس سے لا الٰہ الا اللہ پڑھا ہوگا۔''

یعنی کسی ایسے آدمی کو جہنم میں نہیں رہنے دوں گا جس نے اخلاص سے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کیا ہوگا۔

آخر میں فرمایا کہ مجھے اللہ تبارک وتعالیٰ حکم فرمائیں گے فرشتوں کے ساتھ، نبیوں کے ساتھ صدیقوں کے ساتھ، صالحین کے ساتھ، جاؤ اور جہنم میں تمہیں جتنے بھی آدمی نظر آتے ہیں انہیں نکال لو، نکال لیں گے، اور آکر عرض کریں گے کہ یا اللہ! اب

تو جہنم میں کوئی آدمی بھی نہیں رہا، جتنے آدمی نکال سکتے تھے نکال لئے، جس کے دل میں ایک جو کے دانے کے برابر بھی ایمان تھا وہ بھی نکال لیا، جس کے دل میں ایک گیہوں کے دانے کے برابر ایمان تھا وہ بھی نکال لیا، جس کے دل میں ایک تل کے دانے کے برابر ایمان تھا وہ بھی نکال لیا، اب کوئی جہنم میں نہیں رہا، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ:

”شَفَعَ النَّبِیُّوْنَ وَشَفَعَتِ الْمَلَائِکَۃُ وَشَفَعَ الصِّدِّیْقُوْنَ، وَلَمْ یَبْقَ اِلَّا اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ۔“

(مشکوٰۃ ص:۴۹۰)

یعنی نبیوں نے شفاعت کرلی، فرشتوں نے شفاعت کرلی، صدیقوں نے شفاعت کرلی، ایک ارحم الراحمین باقی ہے، جس کو ابھی شفاعت کرنی ہے، مخلوق کی نظریں وہاں تک نہیں پہنچ سکیں، جہاں تک اللہ کی نظر پہنچے گی، فرمایا تین لپیں اللہ تبارک و تعالیٰ جہنم سے نکالیں گے، اور اللہ تعالیٰ کی ان لپوں میں کتنے آدمی آئیں گے؟...... یہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے، ان کو نہر حیات میں ڈالا جائے گا، کوئلے کی شکل میں داخل ہوں گے، اور چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتے ہوئے باہر نکلیں گے۔

تمام انبیاءؑ کرام علیہم السلام شفاعت سے انکار کردیں گے:

میرے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے طفیل اللہ تعالیٰ نے ہم پر بے شمار انعامات فرمائے ہیں۔ قیامت کے دن کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہوگا، سوائے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے، لوگ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس جائیں گے، کہ آپ ہمارے جد امجد ہیں، آپ سے اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو شروع کیا ہے، آپ ہماری

شفاعت کریں، وہ فرمائیں گے کہ میرا حوصلہ نہیں ہے شفاعت کرنے کا، اس لئے کہ مجھ سے ایک چوک ہوگئی تھی، اور مجھے اندیشہ ہے کہ میں اس چوک کی وجہ سے پکڑ نہ لیا جاؤں، آج میرے اللہ کو اتنا غضب ہے اتنا غصہ ہے کہ: ''لَمْ یَغْضَبْ مِثْلُهٗ قَبْلَهٗ وَلَا بَعْدَهٗ۔'' (مشکوٰۃ ص:۴۸۸) (نہ ایسا غصہ اس سے پہلے کبھی ہوا، نہ ایسا غصہ اس کے بعد کبھی ہوگا) پھر حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے، اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں گے، اور آخر میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس جائیں گے، تمام نبی ہاتھ جوڑ دیں گے کہ نہیں! نفسی نفسی، نفسی نفسی!!! ہمیں تو اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔

شفاعت نبوی ﷺ:

صرف ایک حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہوں گے، روایات میں آتا ہے کہ کئی دھکے کھانے کے بعد لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئیں گے، ذرا اندازہ کرو یہاں تو ہم تھوڑی سی دیر کے لئے بیٹھتے ہیں تو پیاس لگ جاتی ہے، بھوک لگ جاتی ہے، پیاسے ہوجاتے ہیں، اور یوں فرمایا کہ لوگ اپنی قبروں سے نکلیں گے مادر زاد ننگے، جیسے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔

''غیر مختون'' ان کے ختنہ بھی نہیں ہوئے ہونگے، اور ایسے ہی دوڑتے ہوں گے، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ!

''اَلرِّجَالُ وَالنِّسَآءُ جَمِیْعًا یَنْظُرُ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ؟ فَقَالَ یَا عَائِشَةُ اَلْاَمْرُ اَشَدُّ مِنْ اَنْ یَّنْظُرَ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ؟'' (مشکوٰۃ ص:۴۸۳)

ترجمہ:...... ’’کیا مرد بھی ننگے، عورتیں بھی ننگی اور سب ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے ہوں گے؟ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا عائشہؓ! اتنی فرصت کسی کو نہیں ہوگی کہ وہ ایک دوسرے کو دیکھ سکے۔‘‘

ہر ایک کو اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے ہوں گے، سب ننگے، آسمان کی طرف ٹکٹکی باندھے ہوئے ہوں گے۔

میرے بھائیو! رسول اللہ ﷺ کے طفیل، اللہ پاک نے ہمیں قرآن مجید عطا فرمایا، رسول اللہ ﷺ کے طفیل، اللہ پاک نے ہمیں دین قیم عطا فرمایا، رسول اللہ ﷺ کے طفیل، اللہ تعالیٰ نے ہمیں دنیا و آخرت کی نعمتیں عطا فرمائیں، اگر ہم رسول اللہ ﷺ کا شکریہ ادا نہ کریں، اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہ کریں تو یہ ہماری کوتاہی ہے۔

ہمارے ساتھیوں نے آپ کے شہر میں قرآن کریم کی تعلیم کے ادارہ کی ساتویں شاخ کھولی ہے، آپ ان کے لئے دعا فرمائیں، اللہ ان لوگوں کو مزید توفیق عطا فرمائیں، اور آپ کوشش کریں، اور اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ ایک ایک محلے میں ’’اقرأ روضۃ الاطفال‘‘ کی شاخیں کھل جائیں، اس لیے کہ اس قرآن کریم کی قدر و منزلت ہمیں اب معلوم نہیں ہے، اب تو زیادہ سے زیادہ ہم یہ کرلیتے ہیں کہ قرآن مجید خرید لیا، بہت اچھا سا غلاف اس پر چڑھالیا اور طاق میں رکھ لیا، الماری میں رکھ لیا، کبھی سال کے بعد بھی دیکھنے کی توفیق نہیں ہوتی، کیونکہ ہمارے گھروں میں اور دلچسپی کے سامان بہت ہیں، ڈش انٹینا بھی ہے، وی سی آر بھی ہے، ریڈیو بھی ہے، دوسرے کھلونے بھی ہیں، یہ ساری چیزیں موجود ہیں، قرآن کریم کے پڑھنے کی اور دیکھنے کی فرصت کس کو ملتی ہے؟ لیکن ہمیں اس کی قدر اس وقت معلوم ہوگی جب کہ

ہمیں بیک بینی و دو گوش یہاں سے چلتا کیا جائے گا، چلو یہاں رہنے کی میعاد ختم ہوگئی، پھر بندہ کہے گا: یا اللہ! مجھے تھوڑی سی مہلت اور مل جائے، میں اپنی اصلاح کرلوں، جو نمازیں ہمارے ذمے ہیں پوری کرلوں، جو زکوتیں ہمارے ذمے ہیں، ان کو پورا کرلوں، اگر حج نہیں کیا تو حج کرلوں، بچوں کو قرآن نہیں پڑھایا تو پڑھالوں، بچے ڈش انٹینا دیکھ رہے ہوں گے، وی سی آر دیکھ رہے ہوں گے، ریڈیو سن رہے ہوں گے، دوسری خرافات میں مبتلا ہوں گے، اور قبر میں سانپ اور بچھوؤں کی شکل میں عذاب ہمیں ہورہا ہوگا، یہ میں کوئی ایسی بات نہیں کر رہا، واقعات جو ہمارے سامنے آنے والے ہیں، ان کو بیان کررہا ہوں، اس وقت تو ہماری آنکھیں بند ہیں، ہمیں نظر نہیں آرہا، ہمیں اپنا ماحول نظر نہیں آرہا، آگا پیچھا نظر نہیں آرہا، کہاں سے آئے تھے اور نا معلوم کہاں جارہے ہیں؟ داڑھی میری بھی سفید ہوگئی، عقل مجھے بھی نہیں آئی، آپ کو تو کیا آئے گی، آپ کے تو ماشاءٗ اللہ بال ابھی کالے ہیں۔

قرآن پاک شفاعت کرے گا:

میرے بھائیو! صرف ایک قرآن کریم ہے، اس کی تعلیمات پر ہم عمل کریں گے تو یہ ہمارا سفارشی ہوگا، اور اگر ہم نے اس کو کنگال کردیا، اس کو پس پشت ڈال دیا، اس کی قدر نہ کی اور رسول اللہ ﷺ نے ہم پر جو احسانات فرمائے، اور اپنے مقبول بندوں کی پیروی کا ہمیں حکم فرماکر کے گئے، اس کی ہم نے پرواہ نہ کی، تو پھر تم دیکھ لو کہ کیا ہوگا، خود سوچ لو، ایک لمحہ کے لے ذرا سوچ لو کہ میری دنیا میں رہنے کی میعاد ختم ہوگئی ہے، اور میرے لئے چلنے کا حکم ہونے والا ہے، اور روزانہ ہمارے سامنے، ایک محلے میں، دوسرے محلے میں یہ مناظر پیش آتے ہیں۔

ایک شخص کی حضرت عزرائیل علیہ السلام سے دوستی:

ایک شخص کے ساتھ دوستی تھی عزرائیل علیہ السلام کی، کہنے لگے یار! تمہارے ساتھ دوستی ہے، کبھی اس دوستی کا حق بھی ادا کروگے! کہنے لگے جیسے کہو! دوست جو ہوئے، کہنے لگے کہ جب میرے جانے کا وقت ہو تو مجھے بتا دینا، تاکہ میں اپنی تیاری کرلوں، کہنے لگے بہت اچھا! ایک دن تشریف لائے، فرمانے لگے چلئے، کہا کدھر چلیں، کہنے لگے جہاں جانا ہے سب کو ادھر چلیں، کہا کہ آپ نے تو میرے ساتھ وعدہ کر رکھا تھا کہ آپ میرا وقت آنے سے پہلے مجھے مطلع کر دیں گے، تاکہ میں اپنی تیاری کرلوں، فرمایا میں نے مطلع تو کیا تھا لیکن آپ سمجھے نہیں، میں نے آپ کو آگاہ کیا تھا، لیکن آپ نے سوچا ہی نہیں، سمجھا ہی نہیں۔ کہنے لگے کب کیا تھا؟ کہنے لگے ایک دن میں پڑوس میں آیا تھا، ایک دن ادھر آیا تھا، ایک دن سامنے والے مکان پر آیا تھا، ایک دن پیچھے والے مکان پر آیا تھا، آتا رہا تھا کہ نہیں آتا رہا تھا؟ کہا کہ ہاں آتے رہے تھے، فرمایا میں اسی طرح بتایا کرتا ہوں، میں جب بھی بتاتا ہوں اسی طرح بتاتا ہوں۔

قرآن سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں:

تو قرآن کریم کی نعمت اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی ہے، اور میں سو بار قسم کھا کر کے بات کہوں تو انشاء اللہ میں حانث نہیں ہوں گا کہ ہمارے پاس قرآن کریم سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہے، اللہ کا شکر ہے، اگر ہمارے کپڑے پھٹے ہوئے ہوں تو ہمارا گزارہ ہوسکتا ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا گزارہ ہوا تھا، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے

تھے، ایک کمبل لپیٹا ہوا ہے، اور اس پر ببول لگے ہوئے ہیں، اسی حالت میں مگن ہیں، ان کو کبھی شکایت نہیں ہوئی، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کبھی شکایت نہیں ہوئی، نہ اللہ سے شکایت ہوئی، نہ رسول سے شکایت ہوئی، نہ اپنے بھائی بندوں سے شکایت ہوئی، نہ بڑوں سے شکایت ہوئی، شکایت ہوتی تو کس بات پر ہوتی؟

تسبیحات فاطمیؓ کی برکات:

ایک دفعہ فقرائے صحابہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ یارسول اللہ! ہم لوگ تو فقیر ہیں، صدقہ ہم نہیں دے سکتے، کوئی مالی نیکی کا کام ہم نہیں کرسکتے، حج کے لئے ہم نہیں جاسکتے، وغیرہ وغیرہ، اور یہ مالدار لوگ ہیں یہ سارے نیکی کے کام کرتے ہیں، غریبوں کو کھانا یہ کھلاتے ہیں، صدقات یہ کرتے ہیں، غریب غرباٗ کی دستگیری یہ کرتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا، میں تمہیں ایک بات بتا دیتا ہوں کہ اگر تم اس پر عمل کرلوگے تو یہ لوگ تمہارے برابر نہیں ہوسکیں گے، کہنے لگے یا رسول اللہ! ضرور بتلایئے۔

فرمایا فرض نماز کے بعد تینتیس مرتبہ سبحان اللہ، ۳۳ مرتبہ الحمد للہ، ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر کہہ لیا کرو، کوئی شخص نہیں مل سکے گا تمہارے ساتھ، یہ حضور ﷺ کی بات تو کوئی راز نہیں تھی، حضرات امراٗ کو بھی معلوم ہوگئی، انہوں نے بھی یہ عمل شروع کردیا، یہ غرباٗ پھر آئے، کہا کہ حضور! وہ عمل تو انہوں نے بھی شروع کردیا ہے، یعنی امیروں نے بھی شروع کردیا ہے، فرمایا: ”ذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَن یَّشَآءُ۔“ (یہ اللہ کا فضل ہے، جس کو چاہیں عطا فرمادیں)۔

اتنی بڑی بات...... کہ جو لوگ فقیر ہیں، امیروں سے آدھا دن پہلے جنت میں جائیں گے، کھانے کو کچھ نہیں، پیٹ میں کچھ نہیں، پہننے کے لئے کچھ نہیں، مکان کچھ نہیں، ہر طرح سے بھوکے ننگے ہیں، لیکن رسول اللہ ﷺ کی معیت اختیار کرلی، وہ آپؐ پر ایمان لائے، ان کو اتنی خوشی ہے، اتنی راحت ہے کہ ان کی راحت کون بتائے! مال و دولت کے ذریعے سے ان کو راحت نہیں ملتی، جاگیرداری سے راحت نہیں ملتی، البتہ ایک بات سے راحت ملتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے طریقے پر چلیں۔

اللہ پاک ہمیں حضو ﷺ کے طریقہ پر چلنے کی توفیق دے۔

وما علینا الا البلاغ

علمائ کے فرائض

میں علمائ امت کی ذمہ داریوں کو دوحصوں میں تقسیم کرتا ہوں، ایک حصہ تو ہے اپنی ذاتی اور انفرادی اصلاح کا، جس میں اپنے اہل وعیال بھی شامل ہوجاتے ہیں، اپنے گھر والے بھی اور دوسرے متعلقین بھی، دوسری ذمہ داری امت کی اصلاح کی ہے، جہاں تک آپ حضرات کی رسائی ہوسکتی ہے، نہایت حکمت کے ساتھ، پورے تدبر کے ساتھ، امت کی فکر کرنی چاہئے، اپنے علاقے میں جہاں جہاں ہم رہتے ہیں، وہاں وہاں تک اور جہاں تک ہم اپنی آواز پہنچاسکتے ہیں، وہاں تک اپنی آواز پہنچانی چاہئے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی، اما بعد!

آپ حضرات کو اس لئے زحمت دی گئی ہے کہ آپ سے ملاقات ہوجائے، اور آپ کی زیارت ہوجائے، دوسرا کوئی خاص موضوع (اس وقت ذہن میں) نہیں ہے۔

آپ حضرات ماشاءُ اللہ اس ملک (انگلینڈ) میں رہتے ہیں، بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کی ہمارے ذریعے سے اصلاح ہوسکتی ہے۔ الحمد للہ آپ حضرات ان میں مشغول ہیں، دینی تعلیم کا بھی اہتمام فرماتے ہیں، اور بعض چیزیں ایسی ہیں، جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے: ''مِنْ عِنْدِھِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَةُ وَ فِيْهِمْ تَعُوْدُ۔'' (مشکوٰۃ ص:۳۸)، (انہی کے اندر سے فتنہ نکلے گا اور انہیں میں لوٹے گا۔) ہمیں اس بات کا اہتمام کرنا چاہئے کہ خدانخواستہ ہم لوگ ان میں شامل نہ ہوں کہ جن سے فتنہ نکلتا ہے، اور ان ہی میں لوٹتا ہے۔

علماءُ امت کی ذمہ داریاں جیسا کہ آپ حضرات کو مجھ سے بہتر معلوم ہے، عام لوگوں سے زیادہ ہیں، اور میں ان ذمہ داریوں کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہوں:

ذاتی اصلاح:

۱:......ایک حصہ تو ہے اپنی ذاتی اور انفرادی اصلاح کا، جس میں اپنے اہل و عیال بھی شامل ہوجاتے ہیں، اپنے گھر والے بھی اور دوسرے متعلقین بھی، اس کا خاص طور پر اہتمام ہونا چاہیئے۔

امت کی اصلاح:

۲:...... اور دوسری ذمہ داری امت کی اصلاح کی ہے، یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ امت کا اس وقت کیا حال ہورہا ہے؟ کوئی کسی کی بات سننے اور ماننے کے لئے تیار نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود جہاں تک آپ حضرات کی رسائی ہوسکتی ہے اور جہاں تک آپ کی آواز پہنچ سکتی ہے، نہایت حکمت کے ساتھ، پورے تدبر کے ساتھ، امت کی فکر کرنی چاہیئے، اپنے علاقے میں جہاں جہاں ہم رہتے ہیں، وہاں وہاں تک اور جہاں تک ہم اپنی آواز پہنچاسکتے ہیں، وہاں تک اپنی آواز پہنچانی چاہیئے۔ یہ دو حصے ہوئے ایک حصہ انفرادی اصلاح کا اور دوسرا حصہ امت کی اصلاح کا۔

آقائے دوعالم ﷺ کی ریس نہیں:

آپ حضرات کو مجھ سے زیادہ معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ کو چالیس سال کے بعد نبوت ملی اور اس کے بعد آپ ﷺ دنیا میں صرف تیئیس سال رہے، اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی راحت، آسائش اور اپنے آرام کی پرواہ نہیں کی، کیونکہ آنحضرت ﷺ کے ذمے امت کی راہنمائی تھی، آپ ﷺ کے پاس تو پیغمبرانہ قوت و عزیمت تھی، ظاہر ہے کہ کوئی شخص بھی آنحضرت ﷺ کی ریس نہیں کرسکتا، عقل حیران ہوتی ہے کہ تیرہ سال تو مکہ مکرمہ میں تکلیفیں اٹھاتے رہے، بعد

میں مدینہ طیبہ آگئے، دس سال کے پورے عرصے میں عرب جیسی اجڈ قوم، جو کسی کی بات ماننے کے لئے تیار نہیں تھی، آپ ﷺ نے ان کو بھی رام کرلیا اور دوسری طرف آپ ﷺ نے اسلامی سرحدوں پر کسریٰ سے اور ان کی فوجوں سے مقابلہ شروع کردیا۔ یہ آپ ؐ کی اسی محنت کا نتیجہ اور ثمرہ تھا کہ جب آپ ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے تو سارا ملک عرب آپ ﷺ کے زیرنگیں تھا، بعد میں پھر فتنے بھی پیدا ہوئے اور بہت سے ایسے لوگ مرتد ہوئے جن کی مکمل اصلاح نہیں ہوئی تھی، آپ ﷺ کے خلفاءؓ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اصلاح فرمائی، خاص طور پر آنحضرت ﷺ کے یار غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعہ ان کی اصلاح فرمائی، تو میں عرض کر رہا تھا کہ آنحضرت ﷺ کی تو کوئی ریس نہیں کرسکتا، کیونکہ زندگی کا کوئی ایسا شعبہ نہیں جس میں آنحضرت ﷺ نے امت کی راہنمائی نہ فرمائی ہو، عقل حیران رہ جاتی ہے کہ تھوڑے سے عرصہ میں آنحضرت ﷺ نے پوری قوم کو اور قوم کے بعد آنے والی نسل انسانی کو راہ راست دکھائی اور ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ فرمایا، ہم لوگ آنحضرت ﷺ کے نام لیوا ہیں، لیکن ہم میں بہت کمزوریاں پائی جاتی ہیں، سب سے پہلے میں نے کہا تھا کہ اپنی انفرادی اصلاح ضروری ہے، مگر افسوس کہ ہم اس کی طرف متوجہ نہیں۔

کرنے کا کام:

آپ نے احادیث میں پڑھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر موقع کی دعائیں فرماتے تھے، اور امت کو سکھاتے تھے، ہم سے تقریباً یہ بھی چھوٹ چکی ہیں، بہت کم آدمی ایسے ہوں گے جو اس میں مشغول ہوں گے، یہاں (انگلینڈ) کے رہنے والے مولویوں کا تو حال یہ ہے کہ سونا، کھانا اور بس! خوب سوتے ہیں اور خوب کھاتے ہیں،

اور کچھ اللہ کے بندے تو ایسے بھی ہیں جو موٹے بھی بہت ہوجاتے ہیں۔ تو میں اس سلسلے میں یہ بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اپنی ذاتی اصلاح سے کبھی آدمی کو فارغ نہیں ہونا چاہیے۔

ہمارے اکابرؒ ہمیشہ صاحب نسبت ہوتے تھے، اہل اللہ سے تعلق ہوتا تھا، اور تقویٰ وطہارت کی زندگی ان کا شعار ہوتا تھا، مگر ہم تقریباً ان چیزوں کو بالکل بھول گئے ہیں، ادھر ادھر کی چیزوں میں تو مشغول ہیں، لیکن خاص ہمارے جو کرنے کا کام ہے اس میں کوتاہی ہوگئی ہے۔

میں آپ حضرات کی خدمت میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ حضرات اپنی اصلاح کی طرف اور ذکر الٰہی کی طرف خاص طور پر متوجہ ہوں، کسی شیخ سے تعلق ہوتو ان کے بتائے ہوئے معمولات کے مطابق عمل کریں، اگر کسی شیخ سے تعلق نہ ہوتو کسی شیخ سے تعلق قائم کریں، بہرحال ہمارے علمائے کرام کو شتر بے مہار نہیں ہونا چاہیے بلکہ ان کی نکیل کسی کے ہاتھ میں ہونی چاہیے۔

ہماری کوتاہیاں:

علمائے کرام میں ایک کمزوری یہ پائی جاتی ہے کہ کسی کی بات مانتے نہیں ہیں، اپنے گھر میں چوہدری ہوتے ہیں، نہیں، ایسا نہیں ہونا چاہیے، کوئی اجتماعی کام ہوتو اس میں بھی مشورے کے ساتھ اصلاح کی کوشش کرنی چاہیے۔

ایک بات تو مجھے یہ عرض کرنی تھی، اور یہ سب سے اہم ترین بات ہے، دوسری بات جو میں نے کہا کہ امت کی اصلاح بھی آپ کے ذمہ ہے، پہلے انبیائے کرام علیہم السلام کسی خاص علاقے اور کسی خاص بستی کے لئے مبعوث کئے جاتے تھے،

ان حضرات کے ذمہ صرف اپنے ماحول کی اصلاح ہوتی تھی، دوسری بستی یا دوسرے علاقے کے لئے اللہ تعالیٰ دوسرے رسول کو بھیج دیتے تھے جیسا کہ حدیث میں ہے:

"كانت بنو اسرائيل تسوسهم الانبياء۔ كلما هلك نبي خلفه نبي۔ وانه لا نبي بعدى وسيكون خلفاء۔" (بخاری ج:۱ ص:۱۹۱)

ترجمہ:...... "بنی اسرائیل کی سیاست انبیاءؑ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ میں ہوتی تھی، کسی نبی کا وصال ہوجاتا تو اس کی جگہ دوسرا مقرر کردیا جاتا۔"

وہ خاص خاص علاقوں کے لئے ہوتے تھے، اور ان کی ذمہ داری اپنے علاقے تک محدود رہتی تھی، مگر ہمارے نبی کریم ﷺ پورے عالم کے لئے تشریف لائے ہیں، اور آنحضرت ﷺ کے امتی اور امت میں سے علمائے کرام ماشاءاللہ یہ حضور ﷺ کے نائب ہیں، آپ حضرات جس علاقے میں رہتے ہیں، جہاں تک ممکن ہوسکے اس علاقے کی اصلاح آپ کے ذمہ فرض ہے، مسلمانوں کی بھی اور غیرمسلموں کی بھی، جہاں تک ہوسکے آپ حضرات ایسے اخلاق اپنائیں، ایسے طور طریقے اپنائیں کہ دوسرے لوگوں کو آپ کو دیکھ کر نفرت نہ ہو، بلکہ جیسے فرمایا گیا ہے: "عباد الله اذا رؤا ذُكِر الله۔" اللہ کے بندے وہ ہیں کہ جب ان کے چہرے پر نظر پڑے تو اللہ تعالیٰ یاد آجائے، کے مصداق بنیں، آپ ایسے طریقے پر رہیں کہ آپ کے ذریعہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ یاد آجائے۔

علمائے کے اختلافات:

علمائے کرام میں اختلافات بھی ہوجاتے ہیں، یہ کوئی بری بات نہیں ہے، بلکہ علمائے کرام میں اختلافات کا پیدا ہوجانا اچھی چیز ہے، لیکن اس اختلاف کو فساد تک نہیں پہنچنا چاہئے کہ بات عوام میں آجائے، اس سے آپ حضرات کی سبکی ہوگی، اور لوگ کہیں گے کہ علمائے کرام آپس میں لڑتے ہیں، حالانکہ لڑتے تو وہ بھی ہیں، بلکہ وہ ہم سے زیادہ لڑتے ہیں، مگر علمائے کے اختلاف سے عوام میں ان کی بے وقعتی ہوگی۔

دوسری بات یہ ہے کہ آپ حضرات اگر اختلاف ختم نہیں کرسکتے تو کم سے کم اتنا تو کرسکتے ہیں کہ کسی کو اپنا بڑا بنالیں، اور بغیر دلیل کے ان کی بات مان لیں۔

تنظیم کی ضرورت:

میں کل تذکرہ کررہا تھا کہ حضرت مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا، کہ میری طالب علمی کا زمانہ تھا بلکہ چھوٹے درجے میں مدرس تھا اور ماشاء اللہ مفتی صاحب سیاست کے میدان میں تھے، تو میں نے ان کو ایک لمبا چوڑا خط لکھا، بہت سی باتیں لکھی تھیں، ان میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ یہ زمانہ تنظیم کا ہے حتیٰ کہ ہمارے یہاں چوہڑوں، چماروں اور بھنگیوں کی بھی تنظیم ہے، اگر کوئی بھنگی ناراض ہوجائے تو سارے بھنگی ہڑتال کردیتے ہیں، کلرکوں کی تنظیم ہے، وکیلوں کی تنظیم ہے، وغیرہ وغیرہ۔ امت کے جتنے طبقات ہیں ان کی تنظیم ہے اور اگر کوئی تنظیم نہیں ہے تو علمائے کرام کی نہیں ہے، اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک آدمی بڑا ہے، لائق احترام ہے، کوئی کسی کو کچھ کہہ بھی نہیں سکتا، اور میں نے یہ بھی لکھا تھا کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی ہے: ”السمع والطاعة ولو امر علیکم عبد حبشی مجدع۔“

(سمع و طاعت بجا لاؤ، خواہ تمہارا امیر بنادیا جائے کسی حبشی نکٹے غلام کو) اس کو اپنا بڑا بنالو، بڑا بنا کر کے اس کی سمع و طاعت بجا لاؤ۔ میں نے کہا کہ دوسری امتوں کو تو اللہ تعالیٰ نے یہ ہدایت نہیں دی، یہ سب سے زیادہ مسلمانوں کے لئے تھی اور بالخصوص علمائے کرام کے لئے، لیکن اس کو سب سے زیادہ پس پشت بھی ہم نے ڈالا ہے، جب ہماری صورت حال یہ ہو تو کوئی کسی کو کیا کہہ سکتا ہے؟

اگر ہم رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر آجائیں اور رسول اللہ ﷺ کے ارشاد پر عمل کرنے والے ہو جائیں تو پھر ہمارا سارا معاملہ ٹھیک ہو جائے گا۔

جیش اسامہ کی روانگی:

اپنے وصال شریف کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر بنا کر ملک شام کی سرحد پر بھیجنا چاہا تھا، سترہ سال یا اٹھارہ سال آپؓ کی عمر تھی، لوگوں نے کہا کہ یہ بچہ (لونڈا) ہے، اس کو آپ ﷺ ہم پر امیر بنا رہے ہیں؟ ان سے تو ہمارے پوتے بھی بڑے ہیں، آنحضرت ﷺ کو یہ بات پہنچی تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ”اس سے پہلے تم نے اس کے باپ پر اعتراض کیا تھا (حضرت زید بن حارثہؓ پر) اور اب تم نے ان پر اعتراض کیا ہے، بہر حال آنحضرت ﷺ نے ناگواری کا اظہار فرمایا۔ ابھی حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا لشکر جمع ہونے ہی لگا تھا، کہ اتنے میں رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوگئی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب سے پہلا کام جو کیا وہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لشکر کی تیاری تھی، اب چونکہ آنحضرت ﷺ دنیا سے تشریف لے جا چکے تھے، اس لئے لوگوں کو یہ بات کہنا آسان ہوگئی تھی، مگر حضرت

ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لوگ جھجکتے تھے، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی طرف سے نمائندہ بنا کر لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیجا۔ (یہ واقعہ حضرت مولانا محمد یوسف دہلویؒ نے حیاۃ الصحابہؓ میں نقل کیا ہے۔)، حضرت عمرؓ نے یہ کہا کہ: اول تو اس لشکر کے بھیجنے میں توقف کریں، کیونکہ ایک تو پہلے ہی حالات بہت مخدوش ہیں، اور فی الحال اس لشکر کی تیاری میں توقف کریں، اگر بھیجنا ہی ضروری ہے تو کسی اور آدمی کو امیر مقرر کردیں۔ یہ چھوٹا بچہ ہے اس کو ہم پر امیر مقرر کر رہے ہیں، چونکہ حضرت عمرؓ بھی اس لشکر میں شامل تھے، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیرالمؤمنین بن چکے تھے، تو حضرت ابوبکرؓ نے حضرت اسامہؓ سے یہ کہہ کر حضرت عمرؓ کو اپنے پاس رکھ لیا کہ: ان کو میرے پاس رہنے دیں۔ یعنی حضرت اسامہؓ سے ان کو اپنے پاس رکھنے کی درخواست کی۔

بہرحال حضرت عمرؓ یہ پیغام لے کر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے روایت کے الفاظ یہ ہیں: ”فوثب ابوبکر و اخذ بلحیته“ (اچھل کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی داڑھی پکڑ لی) اور فرمایا کہ: ”امرہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و سلم و ترید ان انزعه۔“ (آنحضرت ﷺ نے اس (حضرت اسامہؓ) کو امیر بنایا ہے اور تو یہ چاہتا ہے کہ میں اس کو اتار دوں؟) آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کو امیر بنایا! (اس موقع پر میں نے کسی جگہ لکھا تھا کہ) بظاہر یہ ایک سیاسی بات ہے کہ فلاں آدمی کو امیر بنایا جائے یا نہ بنایا جائے، فوج کا سپہ سالار بنایا جائے یا نہیں بنایا جائے؟ بظاہر یہ خلیفۂ وقت کا کام ہے، لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو برداشت نہیں کیا، اور آخر میں اتنی بات فرمائی میں یہ چاہوں گا کہ عمرؓ کو میرے پاس رہنے دیں۔ اب لشکر جہاں رسول اللہ ﷺ نے بھیجا تھا

چلا گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی کہا کہ لشکر چلا گیا اور آپ ؓ نے اس کے ساتھ سارے مہاجرین و انصار جمع کر دیئے ہیں، تو پیچھے مدینہ خالی ہو جائے گا، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر کتے عورتوں کے پاؤں گھسیٹ کر لے جائیں تب بھی میں اس لشکر کو نہیں روک سکتا، جس کو رسول اللہ ﷺ نے تیار کیا ہے، حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جو نوجوان تھے، ان کو امیر بنانا، ظاہر سی بات ہے کہ میری اور آپ کی عقل میں کیسے آسکتا ہے؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عقل میں نہیں آرہا تھا، حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عقل میں نہیں آرہا تھا، صرف ایک حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جنہوں نے اس بات کو سمجھا تھا، تو جب مسلمانوں نے ایک شخص کو امیر مقرر کرلیا، اپنا بڑا بنالیا، اس کے حکم کے مطابق چلے، تو جس طرف گئے مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی کہ ان کے پاس پتہ نہیں کتنا لشکر ہے کہ اتنا لشکر تو یہ باہر بھیج رہے ہیں، باقی لشکر پتہ نہیں ان کے پاس کتنا ہوگا؟ اور راستے میں جہاں جہاں لوگ مرتدین تھے ان کو ہدایت دیتے گئے۔

تو میرے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہمارا ایک طریقہ تھا یعنی کسی کے ساتھ جڑ کر رہنا، خود بڑا نہ بننا بلکہ کسی بڑے کے ماتحت ہو کر رہنا اور اپنے آپ کو اللہ کی مخلوق میں کمزور تر سمجھنا، یہ چیز ہمارے اسلاف میں تھی مگر ہم سے یہ چیز نکل گئی ہے۔ اور اس کے نکلنے کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم میں فتنہ وفساد در آیا ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائے، ہمارے بگاڑ کی وجہ سے امت بگڑ رہی ہے، (جن لوگوں کی اصلاح ہمیں کرنی تھی) جب ہماری خود ہی اصلاح نہیں ہوئی، تو امت کی اصلاح کیسے کریں گے؟ کوئی داڑھی منڈواتا ہے، اور نہ معلوم کیا کیا خرافات کرتا ہے، اور ہم پھر بھی مسلمان کہلاتے ہیں۔

تم اسلامی تہذیب کے نمائندے ہو:

ہمارے بزرگ فرماتے تھے کہ تم اس ملک میں اسلامی تہذیب کے نمائندے بن کر آئے ہو، اگر تم بھی غیروں کے طریقوں پر چلنے لگے تو تمہاری نمائندگی کیا رہی؟ تو بھائی دو چیزیں میں نے عرض کی ہیں، ایک اپنی انفرادی اصلاح، اور ایک اپنی قومی اصلاح، دونوں چیزوں کا آپ حضرات کو اہتمام کرنا ہے۔

ادھر رمضان مبارک آرہا ہے، آپ کے یہاں تو رمضان المبارک بھی بہت سستا ہے، آج کل چھوٹے چھوٹے دن ہیں، اِدھر روٹی کھائی ادھر ہضم نہیں ہوئی کہ روزہ کھل گیا، ۴ بجے روزہ کھل جاتا ہے، بہرحال اللہ تعالیٰ نے دن کو بھی بنایا ہے، رات کو بھی بنایا ہے، کبھی راتیں لمبی ہوتی ہیں دن چھوٹے ہوتے ہیں، کبھی دن لمبے ہوتے ہیں راتیں چھوٹی ہوتی ہیں، اور تمہارے ہاں اگر اور اوپر کی طرف چلے جائیں تو پھر اور بھی مسئلہ مشکل ہوجاتا ہے، آپ حضرات کو ایک تو اپنی انفرادی اصلاح کرنی چاہئے اس کا اہتمام کرنا چاہئے اور بے فکر نہیں ہونا چاہئے، اس لئے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا ہے اور آپ رسول اللہ ﷺ کے وارث ہیں، اور دوسرے امت کی اصلاح کرنی چاہئے جہاں تک ہوسکے۔ ایک خاص بات جو آپ حضرات کی خدمت میں عرض کرنے کی ہے وہ یہ کہ ہم میں سے ہر ایک کا منہ اپنی اپنی طرف ہے، کسی کا کسی طرف ہے، کسی کا کسی طرف ہے، بڑوں کے ساتھ جڑ کر رہو اور وہ جو مشورہ دیں اس کے مطابق عمل کرو، ہمارے تمام مسائل جو الجھے ہوئے ہیں اس کا آسان حل یہی ہے، میں جانتا ہوں کہ انگلینڈ میں بہت سے مسائل ہیں تمہارے مسائل حل کرتے ہوئے مفتی محمود صاحبؒ بھی بے چارے چلے گئے، اللہ تعالیٰ ان کو

غریق رحمت فرمائے، (آمین) لیکن یہ مانتے ہی نہیں ہیں، ہار کر بے چارے چھوڑ کر چلے گئے، تو میں تو تمہارے مسائل میں دخل نہیں دینا چاہتا، میں تو بہت کمزور آدمی ہوں، بہت چھوٹا آدمی ہوں، تمہارے مسائل اور معاملات میں دخل دینا نہیں چاہتا، البتہ یہ گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ اپنے معاملات کو اپنے بڑوں کی رائے کے مطابق حل کرو، اس کے ساتھ ذکر الٰہی کی پابندی کرو۔

ہمارے اکابر کا معمول:

میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ ہمارے اکابرؒ کا معمول یہ تھا کہ وہ فارغ ہونے کے بعد کسی شیخ سے بیعت ہوتے تھے اور ان کی ہدایت کے مطابق عمل کرتے تھے، مارے مارے پھرتے تھے جب تک کہ یہ چیز حاصل نہیں ہوجاتی تھی اس وقت تک کسی کام میں لگتے نہیں تھے، اور ہم نے یہ طریقہ اپنالیا ہے کہ اِدھر فارغ ہوئے اُدھر کسی مسجد کی تلاش کی فکر میں گم ہوگئے، کہ کوئی نہ کوئی مسجد ملے، ارے بھائی روٹی کی فکر نہ کرو، روٹی انشاءٔ اللہ، اللہ تعالیٰ دے گا، اور تمہیں تو اچھی روٹی ملتی ہے۔ ذکر کی پابندی کرو، مولانا (سلیم) دہرات صاحب سے عرض کیا ہے کہ یہ بھی اپنے حلقے میں ذکر شروع کریں، انہوں نے اپنے طور پر تو اہتمام کیا ہے لیکن اپنے ساتھیوں کے ساتھ اہتمام نہیں کیا، میں نے کہا کہ آپ کو حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی طرف سے بیعت کی اجازت دی تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ آپ اہتمام کریں، آپ خود ہی اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئے، ایک تو ذکر کا اہتمام کرو، دوسرے رمضان المبارک آرہا ہے، قرآن مجید کی تلاوت کا اہتمام کرو، جو حضرات قرآن مجید کے حافظ ہیں وہ سنانے کا کوئی اہتمام کریں اور جو حافظ نہیں ہیں وہ بھی تلاوت کا اہتمام کریں۔ راتیں ماشاءٔ اللہ بڑی

ہیں، کم سے کم رمضان المبارک میں ۵ پارے، ۱۰ پارے تو منزل ہونی چاہیئے، اور تیسری بات یہ کہ آپس میں جوڑ رکھو، جتنی ہو سکے ایک دوسرے کی بات کی کاٹ نہ کرو، ایک دوسرے پر حسد نہ کرو: ”لا تحاسدوا و لا تباغضوا و کونوا عباد اللّٰہ اخوانًا۔“ (ایک دوسرے کے ساتھ حسد نہ کرو، ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو، اللہ کے بندو بھائی بھائی بن کر رہو۔) بس یہی میں عرض کرنا چاہتا تھا۔

و آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و بارک و سلم۔

طلبہ و علمأ
کے لئے لائحہ عمل!

ہمارے اکابرؒ کی جو عادت رہی ہے، یعنی اپنے نفس کی اصلاح کرنا اور اسوہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھال لینا، کسی شیخ سے، جس سے عقیدت، محبت اور تعلق ہو، اس سے اصلاحی تعلق قائم کرلیں، شتر بے مہار آدمی خراب ہوجاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رجب ۱۴۲۰ھ کو جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی میں ختم بخاری شریف کی تقریب تھی، حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ آخر میں تشریف لائے، اور چند کلمات ارشاد فرما کر دعا فرمائی، آپ کے اس مختصر خطاب میں جو سوز و گداز تھا اسے جس نے بھی سنا وہ اپنے آنسوؤں پر قابو نہ رکھ سکا، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ یہ ”خطاب مودع“ ہے اور واقعی وہ خطاب مودع ہی ثابت ہوا، جو پیش خدمت ہے:

الحمد للہ کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی، اما بعد!

میرے عزیز طلبا! میں چند باتیں آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں:

پہلی بات: تو یہ ہے کہ حضرت ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب دامت برکاتہم نے جن جن بزرگوں کا نام لیا ہے، ان کے لئے بھی اور جن جن بزرگوں کا نام رہ گیا ہے ان کے لئے بھی، آپ تمام حضرات دعا فرمائیں، خصوصاً ہمارے محسن اعظم

حضرت اقدس مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ، جن کا یہ دین کا باغیچہ (جامعہ علوم اسلامیہ) لگایا ہوا ہے، ان کے علاوہ تمام حضرات کے لئے بھی دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائیں۔

ہمیں معاف کردو:

دوسری بات: مجھے یہ عرض کرنی ہے کہ مدرسے میں رہتے ہوئے ہم لوگوں سے آپ حضرات کے حق میں بہت سی کوتاہیاں ہوئی ہوں گی، کھانے پینے کے معاملے میں، رہنے سہنے کے معاملے میں، برت برتاؤ کے معاملے میں، جیسا آپ کا اکرام ہمیں کرنا چاہئے تھا، ویسا ہم نہیں کرسکے، آپ لوگ ہم لوگوں کو معلّم اور ہم آپ کو طلباءٔ سمجھتے رہے، لیکن بعد میں پتہ چلا کہ تم بھی تو مہمانان رسول ﷺ تھے اور تم ہمارے لئے لائق تعظیم اور لائق اکرام تھے، مگر ہم آپ کا کما حقہ اکرام نہیں کرسکے۔

تو بھائیو! ہمارے عملے میں سے، مدرسے والوں میں سے جس صاحب سے جو کوئی کوتاہی ہوئی ہو، ہم دست بستہ اس کی معافی مانگتے ہیں، آپ حضرات ہماری تمام کوتاہیوں کو معاف فرمادیں۔

تیسری بات: یہ عرض کرنی ہے کہ آپ حضرات یہاں سے فارغ ہوکر اپنے اپنے گھروں میں جائیں گے، کسی کا دعوت وتبلیغ میں جانے کا ارادہ ہوگا، کسی کا کوئی مدرسہ بنانے کا ارادہ ہوگا، کسی کا کوئی منصوبہ ہوگا۔

اصلاحی تعلق کی ضرورت:

ہمارے اکابرؒ کا معمول یہ رہا ہے کہ وہ حضرات جب بھی دینی مدرسے سے فارغ ہوتے تھے، تو کسی شیخ سے اصلاحی تعلق قائم کرلیتے تھے، چونکہ اب آپ ہی

حضرات نے دین کی خدمت کرنی ہے، ہمارا وقت تو پورا ہوچکا ہے، ہم تو آج کل جانے والے ہیں، آج چلے جائیں، یا کل چلے جائیں! تو آپ حضرات کو اس کا اہتمام کرنا چاہیۓ، خصوصیت کے ساتھ ہمارے اکابرؒ کی جو عادت رہی ہے، یعنی اپنے نفس کی اصلاح کرنا اور اسوہ رسول اکرم ﷺ کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھال لینا، کسی شیخ سے، جس سے عقیدت، محبت اور تعلق ہو، اس سے اپنا اصلاحی تعلق قائم کرلیں، شتر بے مہار نہ رہیں، شتر بے مہار آدمی خراب ہوجاتا ہے، نفس بڑا ذلیل ہے، آدمی کو جگہ جگہ بہکاتا ہے۔ اپنے اکابرؒ سے تعلق رکھیں اور کوئی بات بھی ہو، ان سے پوچھے بغیر نہ کریں، ان سے مشورہ کیۓ بغیر نہ چلیں۔

غلط مسئلے نہ بتاؤ:

اب تمہارے پاس لوگ آئیں گے اور آپ ہی سے اپنے مسائل کا حل معلوم کریں گے۔

ہمارے حضرت مولانا عبدالشکور کامل پوری رحمہ اللہ ہوتے تھے، وہ سند فراغت کو ''مصلیٰ'' کہا کرتے تھے، ان کی زبان میں، اب تمہیں مصلیٰ تو مل جائے گا یعنی سند مل جائے گی، اس اعتبار سے اب تم ماشآءاللہ عالم بن جاؤ گے۔

میرے پاس تو یہ مصلیٰ بھی نہیں ہے، وہ بھی مجھ سے گم ہوگیا ہے، میں تو خالی ہوں، ایک دم ظاہراً و باطناً بالکل خالی ہوں، اب مصلیٰ (سند) لے کر آپ جائیں گے، لوگ آپ سے مسائل پوچھیں گے، دینی معلومات کریں گے، اور آپ کو یہ کہتے ہوئے شرم آئے گی کہ بھائی یہ مسئلہ تو مجھے نہیں آتا۔ اس لئے آپ کچھ نہ کچھ گھڑ کر بیان کرنے کی کوشش کریں گے، یہ حماقتیں ہم نے بھی کی ہیں، اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔

میں آپ حضرات کو نصیحت کرتا ہوں کہ میرے بھائیو! جو مسئلہ معلوم ہو، وہ بتادو، اور جو معلوم نہ ہو صاف کہہ دو کہ بھائی مجھے معلوم نہیں، پوچھ کر بتاؤں گا۔ پہلے کتابوں میں دیکھو، علما سے پوچھو اور پھر بتاؤ، اپنی طرف سے اجتہاد کر کے بیان کرنے کی کوشش نہ کرو۔

اصلاح نیت:

دین کا علم تم نے سیکھا ہے، اور چار سال، آٹھ سال، نو سال، دس سال مدرسوں میں لگائے ہیں، اگر تم نے دین کا علم دنیا کمانے کے لئے سیکھا ہے، تو یہ بہت خسارے کا سودا کیا ہے، اگر صرف پیٹ کے لئے سیکھا ہے، تو نہایت خسارے کا سودا کیا ہے۔

میرے بھائیو! نیت اب بھی صحیح کرلو، کہ ہم صرف اللہ تعالیٰ کے لئے پڑھیں گے، اللہ تعالیٰ کے لئے دین پڑھا ہے، اللہ کے لئے آئندہ عمل کریں گے، چاہے روٹی ملے یا نہ ملے۔ ہم اپنے دین پر قائم رہیں گے، تو انشاءاللہ، اللہ تعالیٰ روٹی دے گا، یہ تو میں ویسے کہہ رہا ہوں، روزی تو اس نے لکھ دی ہے، اس میں حبہ، ایک دانہ، تل کے دانہ کے برابر اس میں نہ اضافہ ہوسکتا ہے، نہ کمی ہوسکتی ہے، اس لئے میرے بھائیو! اپنے تمام ارادوں کو اور نیتوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے وقف کردو، اللہ تعالیٰ تم سے جو کام بھی لے، اسے محض اللہ تعالیٰ کی خاطر کرو۔

باتیں تو بہت کرنے کی تھیں، لیکن وقت زیادہ ہوگیا ہے، اب دعا کرو، جیسا کہ میں نے ذکر کیا کہ دعا مجھے لمبی آتی بھی نہیں اور جانتا بھی نہیں ہوں۔ حضرت کے لئے یعنی حضرت اقدس بنوری رحمہ اللہ کے لئے اور ان کے تمام رفقاءؒ کے لئے اور

اپنے تمام اساتذہ کے لئے، تمام مدرسوں کے لئے، مدرسے کے معاونین کے لئے، سب کے لئے دعا کرو، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

دعاءٗ:

’’اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ، رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَاتَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۔‘‘

’’یا اللہ! ہم سے کوتاہیاں ہوئی ہیں، یا اللہ! ہمیں معاف فرمادے، یا اللہ جو کوتاہیاں ہوئی ہیں، انہیں معاف فرمادے، یااللہ ہم نا اہل تھے، اہلیت نہیں تھی، استعداد نہیں تھی، یا اللہ ہم نے تیرے بندوں کو گمراہ کیا ہے، ان کو غلط سلط باتیں بتائی ہیں، یااللہ جو غلط باتیں بتائی ہیں، انہیں معاف فرمادے۔ یا الٰہ العالمین تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تونے اپنے دین کے لئے ہمیں قبول فرمالیا ہے،ہمیں دین میں لگادیا، بچپن سے لے کر آخر عمر تک، یا اللہ دین میں مشغول رکھا، یا اللہ اس کی لاج رکھتے ہوئے ہماری بخشش فرمادیجئے، یا اللہ ہم سب کی بخشش فرمادیجئے، تمام حاضرین کی بخشش فرمادیجئے، یا اللہ اس مجمع میں جتنے لوگ موجود ہیں اور محض تیری رضا کے لئے حاضر ہوئے ہیں، یا اللہ ان سب کو قبول فرما اور ان سب کی بخشش فرما، ہم سب کی بخشش فرما، یا اللہ ہمیں سنت کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرما۔

جو لوگ داڑھیاں منڈا رہے ہیں، ان کو توفیق عطا فرما کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق داڑھیاں رکھیں، یا اللہ دین کی خدمت کے لئے اس مدرسے کی جو حضرات خدمت کر گئے، یا اللہ ان تمام حضرات کی مساعی کو قبول فرما، یا اللہ اس میں

جتنے طالب علم ہیں، یا جو فارغ ہوچکے ہیں ان کی برکت سے ہم سب کی بخشش فرما، یا اللہ اپنی رحمت سے اپنے فضل سے ہمیں معاف فرما۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین

سب سے بڑا
عبادت گزار

جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام کردیا ہے اس کو چھوڑ دو، اور اللہ تعالیٰ سے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کرلو کہ آج سے میں نے سب محرمات چھوڑ دیں تو تم سب سے زیادہ عبادت گزار بن جاؤ گے۔

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم
الحمدللّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی، اما بعد!

مشکوٰۃ شریف کی ’’کتاب الرقاق‘‘ میں دوسری فصل کی پہلی حدیث، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

’’مَنْ یَّأْخُذُ عَنِّیْ هٰؤُلَاءِ الْکَلِمَاتِ فَیَعْمَلُ بِهِنَّ اَوْ یُعَلِّمُ مَنْ یَّعْمَلُ بِهِنَّ؟ فَقُلْتُ أَنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، فَأَخَذَ بِیَدِیْ فَعَدَّ خَمْسًا: اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَکُنْ أَعْبَدَ النَاسِ، وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللّٰهُ لَکَ تَکُنْ أَغْنَی النَّاسِ، وَأَحْسِنْ اِلیٰ جَارِکَ تَکُنْ مُؤْمِنًا، وَاحِب لِلنَّاسِ مَاتُحِبُّ لِنَفْسِکَ تَکُنْ مُسْلِمًا، وَلَا تُکْثِرِ الضِّحْکَ فَاِنَّ کَثْرَةَ الضِّحْکِ تُمِیْتُ الْقَلْبَ۔‘‘ (مشکوٰۃ ص:۴۳۹)

ترجمہ:...... ’’کون ہے جو مجھ سے یہ چیزیں (باتیں) سیکھے، ان پر خود عمل کرے یا کم سے کم کسی ایسے آدمی کو سکھادے جو ان پر عمل کرسکے...... الخ۔‘‘

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (جو اس حدیث کے راوی ہیں وہ) فرماتے ہیں: کہ میں آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد سن کر یک دم کھڑا ہوگیا، سب سے پہلے میں

نے کہا: ”فَقُلْتُ أَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔“ میں نے کہا: یا رسول اللہ! میں اس کے لئے حاضر ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور ایک، دو، تین، چار اور پانچ باتیں شمار کیں (سکھائیں)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تو کھڑے ہوگئے تھے، آنحضرت ﷺ کی بات کو محفوظ کرنے کے لئے، غالباً ہم میں سے کسی کے دل میں یہ وسوسہ بھی پیدا نہیں ہوا ہوگا کہ میں کھڑا ہوجاؤں۔ آنحضرت ﷺ کی طرف سے اعلان ہے کہ کون ہے جو مجھ سے یہ چیزیں لے، ان پر خود عمل کرے یا کسی ایسے آدمی کو سکھا دے جو ان پر عمل کرے۔

میرا خیال ہے کہ ہمارے تو دل میں یہ ہوس پیدا نہیں ہوئی ہوگی، الا ماشاءَ اللہ۔ اللہ کرے کہ آنحضرت ﷺ کی باتوں پر عمل کرنے کی ہم میں حرص پیدا ہوجائے، اور ہم میں سے ہر ایک کہے کہ میں حاضر ہوں، مجھے سکھایئے۔ میں نہیں سکھاتا، حضور اکرم ﷺ سکھاتے ہیں بھائی، میں تو نقل کر رہا ہوں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپؐ نے میرا ہاتھ پکڑا اور ۵ تک گنا اور فرمایا کہ: ”اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَكُنْ أَعْبَدَ النَاسِ۔“

محرمات کو ترک کرنا سب سے بڑی عبادت ہے:

اول:...... ”یہ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جو چیزیں حرام کردی ہیں ان سے بچو، تم سب سے بڑے عبادت گزار بن جاؤ گے۔“

یعنی جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام کردیا ہے ان کو چھوڑ دو، اور اللہ تعالیٰ سے اور آنحضرت ﷺ سے وعدہ کرلو کہ آج سے میں نے سب محرمات چھوڑ دیں تو تم سب سے زیادہ عبادت گزار بن جاؤ گے۔ زیادہ نفل پڑھنے کا نام عبادت نہیں ہے،

(یہ بھی اچھی چیز ہے بلکہ بہت اچھی چیز ہے) اسی طرح زیادہ تسبیح پڑھنے کا نام عبادت نہیں ہے، (یہ بھی اچھی چیز ہے) علی ھذا القیاس اور جو جو نیکیاں ہیں، ان کا کرنا بھی عبادت گزاری نہیں ہے، سب سے بڑی چیز اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے بچنا اور رک جانا ہے، اب بھائی بات اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کی ہے، اپنے سر سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک ذرا غور کرو کہ کون کون سی چیزیں ہمارے اندر پائی جاتی ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے ان کو حرام کر دیا ہے، لیکن ہم نے تو ایک بہت اچھا اور بہت سستا سا نسخہ تلاش کر لیا ہے، جس پر دو پیسے کا خرچہ بھی نہیں آتا، اور وہ یہ کہ ہم ہر بات میں کہہ دیتے ہیں کہ اس میں کیا حرج ہے؟ جو مرضی آئی لباس پہن لیا، اور کہہ دیا کہ اس میں کیا حرج ہے؟ کالر لگالئے اور پھر کہہ دیا کہ اس میں کیا حرج ہے؟ داڑھی منڈالی اور کہہ دیا کیا حرج ہے؟ کسی کے ساتھ بے ایمانی کرلی، اور کہہ دیا اس میں کیا حرج ہے؟

غرضیکہ ہم نے سارے دین کو اس بات میں اڑا دیا ہے کہ اس میں کیا حرج ہے؟:

انہوں نے دین کب سیکھا ہے رہ کر شیخ کے گھر میں
پڑے کالج کے چکر میں، مرے صاحب کے دفتر میں

اکبر الہ آبادی مرحوم فرماتے ہیں کہ ہم نے دین کو سیکھا ہی کب ہے؟

حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ”فَتَعَلَّمْنَا الْاِیْمَانَ قَبْلَ اَنْ نَتَعَلَّمَ الْقُرْآنَ، ثُمَّ تَعَلَّمْنَا الْقُرْآنَ فَازْدَدْنَا بِهٖ اِیْمَانًا۔“

(ابن ماجہ ص:۷)

یعنی ہم نے پہلے ایمان سیکھا تھا پھر قرآن سیکھا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی

اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ: ’’اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَنْشَوُ نَشْوٌ یَقْرءُ وْنَ الْقُرآنَ لَا یُجَاوِزُ تَرَاقِیْھِمْ.........الخ‘‘ (ابن ماجہ ص:۱٦)

(اور اب کچھ لوگ آئیں گے جو قرآن تو فر فر پڑھیں گے لیکن حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔)

بارگاہ الٰہی میں پیشی:

میرے بھائیو! ایک وقت آیا چاہتا ہے کہ جب میں بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گا اور آپ حضرات بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے، اس وقت اللہ تعالیٰ ہم سے سوال کریں گے، اور وہاں ہم سے جواب نہیں بن پڑے گا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

’’عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ سَیُخَلِصُ رَجُلًا مِنْ اُمَّتِیْ عَلٰی رُؤُوْسِ الْخَلَائِقِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ فَیُنْشِرُ عَلَیْہِ تِسْعًا وَتِسْعِیْنَ سِجِلًّا کُلُّ سِجِلٍّ مِثْلُ مَدِّ الْبَصَرِ ثُمَّ یَقُوْلُ اَتَنْکِرُ مِنْ ھٰذَا شَیْئًا؟......الخ‘‘

(مشکوٰۃ ص:۴۸٦)

ترجمہ:......’’ایک آدمی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوگا، اپنے آگے کی طرف دیکھے گا تو جہاں تک نظر پہنچتی ہوگی نامۂ اعمال کا ڈھیر لگا ہوگا اس کے اعمال بد کے نو سو ننانوے دفتر ہوں گے اور ہر دفتر حد نگاہ تک پھیلا ہوا ہوگا، ارشاد ہوگا: کیا ان میں سے کسی کا انکار کرتے ہو؟‘‘

گویا کہا جائے گا کہ پہلے ان کا حساب دے دو اور پھر آگے چلے جاؤ۔ ذرا غور فرمایئے کہ میرا اور آپ کا کیا حال ہوگا؟ ایک ایک چیز کے بارے میں اللہ تعالیٰ سوال کریں گے، اب تو لوگ امتحان میں ناکام ہوکر خودکشی کر لیتے ہیں، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ کہتے ہیں ایک دفعہ امتحان دیا، دوسری دفعہ امتحان دیا، تیسری دفعہ امتحان دیا، کامیابی نہیں ہوئی، خودکشی کرلی، پھر خودکشی کر کے جان چھوٹ جائے گی؟ نہیں! بلکہ اور پھنس جائے گی، میاں یہ تم نے پڑھنا ہی کیوں تھا؟ تم نے یہ پڑھنے کی کوشش ہی کیوں کی؟ جانے دیتے، جہاں تک روٹی کا مسئلہ ہے، مل جائے گی۔ ہمیں بھی اللہ تعالیٰ دے ہی رہے ہیں، خواہ مخواہ ہم نے اپنے ذمہ روٹی کا بوجھ اٹھالیا ہے، روٹی پیٹ میں ڈالنے کے لئے ہے، سر پر اٹھانے کے لئے نہیں ہے، اللہ تعالیٰ دے دیں گے، غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں حرام کی ہیں، ایک ایک کر کے ان کو چھوڑ دو، تم سب سے بڑے عبادت گزار بن جاؤ گے۔ اور اگر نہیں چھوڑو گے تو پھر یہ بھی یاد رکھو کہ موت آنے والی ہے، قبر میں دفنا کر آجائیں گے، یہ میرے اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ کسی کو زیادہ رسوا نہیں کرتے، لیکن قبر میں کیا ہوگا؟ اس سے پناہ مانگو، حدیث شریف میں ہے کہ:

"كَانَ عُثْمَانُ اِذَا وَقَفَ عَلٰى قَبْرٍ بَكٰى حَتّٰى يَبُلَّ لِحيَتَهُ فَقِيلَ لَهُ تَذْكُرُ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ فَلَا تَبْكِى وَ تَبْكِى مِنْ هٰذَا۔ فَقَالَ اِنَّ الْقَبْرَ اَوَّلُ مَنْزِلٍ مِنْ مَّنَازِلِ الْآخِرَةِ، فَاِنْ نَجَا مِنْهُ، فَمَا بَعْدَهُ اَيْسَرُ مِنْهُ، وَاِنْ لَّمْ يَنْجُ مِنْهُ فَمَا بَعْدَهُ اَشَدُّ مِنْهُ............الخ"

(ترمذی ج:۲ ص:۵۷، ابن ماجہ ص:۳۱۵، مسند احمد ج:۱ ص:۶۳، ۶۴)

ترجمہ:......"حضرت عثمان بن عفان امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جب قبر پر جاتے تھے تو اتنا روتے تھے، اتنا روتے تھے کہ ریش مبارک تر ہوجاتی تھی، عرض کیا گیا: آپ جنت اور دوزخ کا تذکرہ کرتے ہیں مگر اتنا نہیں روتے جتنا کہ اس سے روتے ہیں، فرمانے لگے: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ: قبر سب سے پہلی منزل ہے آخرت کی منزلوں میں سے، اگر یہاں کامیاب ہوگیا تو آگے بھی کامیاب ہوجاؤں گا اور اگر یہاں ناکام ہوگیا تو آگے کی کیا امید کی جاسکتی ہے؟ یہ تو کھیل تماشہ ہے، ہمارے سامنے لوگ مرتے ہیں اور جیتے ہیں، جینا اور مرنا ساتھ لگا ہوا ہے، جب بچہ پیدا ہوتا ہے ماں باپ خوشی کرتے ہیں، عزیز و اقرباءٔ خوشی کرتے ہیں، بچہ روتا ہے، کیوں؟ کیوں روتا ہے؟ اس کو معلوم ہے کہ دوسری منزل آگئی، یہ پہلا سبق ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمادے (آمین)۔ تو اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو چھوڑ دو، ان سے بچو، تم سب سے بڑے عبادت گزار بن جاؤ گے۔

یہ چیزیں جو اللہ تعالیٰ نے حرام کی ہیں، اپنے نفع کے لئے نہیں، ہمارے نفع کے لئے کی ہیں۔ تم آنحضرت ﷺ کی شکل بنالو، اول سے لے کر آخر تک، علمائٔ کرام سے پوچھ پوچھ کر عمل کرو، اب تو کتابیں بھی لکھی ہوئی ہیں، کتابوں سے علم نہیں آتا بلکہ اللہ والوں کی خدمت میں بیٹھ کر علم آتا ہے، اس لئے کہ معلومات اور چیز ہیں، علم اور چیز ہے۔

دل کی دنیا بدل جائے:

یوں تو میں بھی سارا دن کتاب پڑھتا رہتا ہوں، لیکن علم وہ ہے جو آدمی کے باطن پر اثر کرتا ہے، اندر سے اس کی دنیا بدل جائے، کسی اللہ والے کی خدمت میں

بیٹھو، صحبت میں بیٹھو، لیکن ہمیں اس کا موقع ہی نہیں ملتا، اپنے کاموں میں، اپنے دھندوں میں اتنے مشغول ہوگئے ہیں کہ کسی اللہ والے کو کہاں تلاش کریں؟ اور اس کی خدمت میں کیسے بیٹھیں؟ پھر ہم نے اپنے دل سے ہی ایک بات بنالی ہے کہ ہماری اصلاح کی ضرورت نہیں، اور بعض لوگ جو اپنے آپ کو قصوروار سمجھتے ہیں وہ مایوسی کی اس انتہا کو پہنچ گئے ہیں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہماری اصلاح ہی ناممکن ہے، جب کہ یہ دونوں شیطانی خیالات ہیں۔

دوسری بات یہ کہ آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع میں خطبہ دیا تھا اور اس میں ارشاد فرمایا تھا: "اَلَا هَلْ بَلَّغْتُ" سنو! میں نے بات پہنچادی ہے؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! پہنچادی ہے، پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: "فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ مِنْكُمُ الْغَائِبَ۔" جو موجود ہیں وہ غائبین تک اس بات کو پہنچادیں، حضور اکرم ﷺ اتنا اہتمام کرکے گئے ہیں، اور قیامت تک کے لئے ہمارے ذمہ لگادیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر آنے والی نسل کو تم پہنچاؤ، اور وہ اپنی آنے والی نسل کو پہنچائیں، تو خیر مختصر کردیتا ہوں۔

غنا کا نسخہ:

حدیث کا دوسرا فقرہ ہے: "وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللّٰهُ لَكَ تَكُنْ أَغْنَى النَّاسِ۔" (اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تمہارے لئے تقسیم کیا ہے اس پر راضی ہوجاؤ، سب سے زیادہ غنی بن جاؤ گے) اس کے سمجھنے کے لئے ایک مثال دیتا ہوں کہ ایک ماں کے چار بیٹے ہیں، ماں تو ماں ہے ناں، وہ کمی نہیں کرتی، وہ اپنے بیٹوں کے ساتھ ظلم و

تعدی نہیں کرتی، وہ ہر ایک کا حصہ بانٹ کر رکھ دیتی ہے، جو موجود ہے اس کے لئے بھی اور جو موجود نہیں اس کے لئے بھی حصہ بانٹ کر رکھ دیتی ہے، تو اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ماں سے بھی زیادہ محبت کرتے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے ہر ایک کا حصہ بانٹ کر رکھ دیا ہے اور تم اس پر راضی ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے جتنا حصہ تمہارا لکھ دیا ہے، صحت کے اعتبار سے، مال کے اعتبار سے، عمر کے اعتبار سے، اور جتنی چیزیں اللہ کے قبضہ میں ہیں ان کے اعتبار سے، سب کا حصہ الگ الگ بانٹ کے دے دیا ہے، اور آنحضرت ﷺ نے لفظ اتنا پیارا فرمایا: ''وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللّٰہُ لَکَ۔'' (اور تو راضی ہو جا اس پر جو اللہ نے تجھے بانٹ کر دے دیا ہے) ''تَکُنْ أَغْنَی النَّاسِ۔'' (تو سب سے زیادہ غنی ہو جائے گا) پھر تجھ سے زیادہ بڑا غنی، دنیا میں کوئی نہیں ہوگا، اور جتنا اللہ تعالیٰ نے تجھے حصہ دے دیا ہے اس حصہ کو لینے کے بعد پھر تجھے دوسروں کی طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں، دوسروں سے لڑنے کی ضرورت نہیں ہے، دوسروں پر حسد کرنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ جتنا حصہ اللہ تعالیٰ نے دے دیا ہے نہ اس سے زیادہ ہم لے سکتے ہیں نہ اس سے کم لے سکتے ہیں، کیوں یہی بات ہے ناں؟ لیکن افسوس کہ آج کل ایسا نہیں ہو رہا اور یہی بات رسول اللہ ﷺ سمجھانا چاہتے ہیں، ایسا ہو نہیں رہا، دل میں حرص پیدا ہوتی ہے کہ مجھے اور زیادہ ملتا، کبھی کبھی ہم دوسروں کی طرف دیکھتے ہیں کہ اللہ نے اس کو زیادہ دے دیا ہے، مجھے نہیں دیا، یہ شکایت حقیقت میں اس آدمی کی نہیں ہے بلکہ اللہ کی ہے، تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو اور روزانہ دعا کرو کہ یا اللہ! آپ نے جتنا میرے لئے لکھ دیا ہے، میں اسی پر راضی ہوں، اور کسی دوسرے کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کی ضرورت ہی نہیں، میں قربان جاؤں اپنے نبی پاک ﷺ کے کہ آپ ﷺ نے ایک ایسا نسخہ بتا دیا ہے کہ ساری تکلیفیں اور پریشانیاں

دور کردی ہیں، میرا بھائی! ایک تنکے اور دانے کے برابر بھی تمہیں زیادہ نہیں مل سکتا، تم جو چاہو کرلو، اور ایک دانہ برابر کمی نہیں ہوسکتی، کبھی کہیں بھاگے پھر رہے ہو، کبھی کہیں، جوتے تڑوا رہے ہو، اس تگ و دو سے چیزیں مل جائیں گی؟ نہیں ملیں گی۔ حلال وحرام کا کوئی احساس نہیں، ہم یہ تک نہیں سوچتے کہ یہ چیز میرے لئے حرام ہے یا حلال؟ اگر حرام ہے تو مجھے اگلنی پڑے گی، بہرحال اس بات کو مختصر کرتا ہوں۔

دنیا کے کسی انسان نے نہیں دیا، میں نے نہیں دیا، کسی حاکم نے نہیں دیا، اور دنیا کے کسی انسان نے نہیں دیا، میرے اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، تمہارے خیال میں تھوڑا دیا ہے یا زیادہ دیا ہے، اس پر راضی ہوجاؤ۔ مشکوٰۃ شریف کی حدیث میں آتا ہے اور ترمذی نے نقل کیا ہے:

"مَنْ اَصْبَحَ مِنْكُمْ آمِنًا فِیْ سِرْبِهٖ مُعَافًا فِیْ جَسَدِهٖ وَعِنْدَهٗ قُوْتُ یَوْمِهٖ فَكَاَنَّمَا حُیِّزَتْ لَهُ الدُّنْیَا بِحَذَافِیْرِهَا۔"

(مشکوٰۃ ص:۴۴۲، ترمذی ج:۲ ص:۶۰، ابن ماجہ ص:۳۰۵)

ترجمہ:......"جس شخص نے صبح کی اس حالت میں کہ اس کا دل مطمئن ہے، اور اللہ تعالیٰ نے عافیت عطا فرمائی (کہ صبح اٹھے تو ہاتھ ٹیڑھا نہیں، زبان گنگ نہیں، کان بند نہیں، صبح اٹھتا ہے تو چلتا پھرتا ہے)، اور ایک دن کی روزی اس کے پاس موجود ہے (یعنی صبح و شام کی)، بس یوں سمجھو کہ دنیا ساری کی

ساری بمع سازو سامان کے اس کے گھر میں سمٹ کر آ گئی ہے
(جب اگلا دن آئے گا تو اللہ تعالیٰ اس کا بھی بندوبست فرمادیں
گے، تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں)۔''

لیکن ہمارا حال تو یہ ہے کہ فلاں کام بھی کرنا ہے، فلاں کام بھی کرنا ہے، فلاں کام بھی کرنا ہے، بلڈنگ بھی بنانی ہے، ہم اس سوچ میں تھے کہ ادھر عزرائیل علیہ السلام آ گیا اور کہنے لگا: چلو چلیں، ارے بھائی! اس وقت اس کو کہہ دینا کہ میں نے تو ابھی بلڈنگ بنانی ہے، ذرا بنا لینے دو۔

مالک بن دینارؒ کا قصہ:

حضرت مالک ابن دینار رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ ایک جگہ سے گزر رہے تھے اور ایک مکان بن رہا تھا، ایک نوجوان مزدوروں کو ہدایات دے رہا تھا، حضرت مالک ابن دینار رحمہ اللہ جا کر اس کے پاس کھڑے ہو گئے، فرمانے لگے صاحبزادے! اس مکان پر کتنا خرچ کرنے کا ارادہ ہے؟ (فرض کرلو ۵ لاکھ) فرمانے لگے: کیا تم ایسا نہیں کر سکتے کہ پانچ لاکھ روپے مجھے دے دو، اور اللہ تعالیٰ تمہیں اس کے بدلے میں ایک ایسا مکان عطا فرما دیں جو کبھی بوسیدہ نہیں ہوگا، اور کبھی ٹوٹے گا نہیں۔ اور تمہارا جانا یقینی ہوگا، ہمیں کوئی ایسے کہہ دے تو ہم کہتے ہیں کہ اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ وہ نوجوان کہنے لگا کہ حضرت کل پتہ کیجئے گا، کل تک مجھے مہلت دیجئے، اگلے دن یہ پھر گئے اس کے پاس، چنانچہ اس کے پاس جتنی پونجی تھی، جتنا روپیہ پیسہ تھا وہ سارے کا سارا لا کر حضرت کے سامنے ڈھیر کر دیا، اور فرمایا تحریر لکھ دو، کیونکہ آخر سودا کرنا ہے تو تحریر لکھ دو، کہ میں نے اس نوجوان سے اتنے پیسے وصول کر لیے ہیں، اور اس نوجوان سے میں نے یہ وعدہ کر لیا ہے۔ حضرت مالک بن دینارؒ نے وہ روپے سنبھال لئے اور

سنبھال کر بانٹ دیئے، اور اسی وقت اس کو تحریر لکھ دی کہ میں نے فلاں بن فلاں سے اتنا روپیہ لیا ہے اور جنت میں اس کے عوض مکان بنا کر دینے کا وعدہ کیا ہے، اللہ تعالیٰ کی شان کہ سات یوم نہیں گزرے تھے کہ اس نوجوان کا انتقال ہوگیا، وہی جو مکان بنا رہا تھا۔ اس کے سرہانے کے نیچے وہی پرچہ لکھا ہوا لوگوں نے اٹھایا، اس پر لکھا ہوا تھا کہ مالک بن دینارؒ نے اس سے جو وعدہ کیا تھا ہم (اللہ تعالیٰ) نے اس کو پورا کردیا۔

میرا بھائی! آگے بھی ہمارے لئے منزلیں ہیں، مرنے کے بعد کی منزل ہے، اور پھر جنت میں جانا ہے یا دوزخ میں جانا ہے، اللہ رب العزت معاف فرمائے، وہاں ہمیشہ کے لئے رہنا ہے، تم سوچتے سوچتے تھک جاؤ گے مگر وہ ختم نہیں ہوگی، بھائیو! ہم نے اس منزل کے لئے کیا کیا ہے؟ وہاں کے لئے ہم نے یہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود ہی کردے گا، تعجب ہے کہ اس دنیا کے لئے تو ہم محنت کرتے ہیں اور وہاں کے لئے یہ کہہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ ہی کردے گا۔ اللہ تعالیٰ نے جتنا تمہیں تقسیم کرکے دے دیا ہے، اس پر راضی ہوجاؤ، اور اللہ تعالیٰ کے کام میں لگ جاؤ، اپنی نماز میں، روزہ میں، اور تمام نیکیوں میں لگ جاؤ، مجھے تبلیغ والوں کی بات بہت پسند آتی ہے، انہوں نے (جو پکے تبلیغی ہیں) ان کو کہہ دیا ہے کہ اتنے گھنٹے کے لئے دکان کھولو، اور اس کے بعد پھر بند کردو۔ شام کا وقت سب کا سب تم اللہ تعالیٰ کے راستے میں لگاؤ، وہ جو اس کام کو کرنے والے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں تین گھنٹے میں وہ کچھ دے دیتا ہے جو سارے دن میں دیتا تھا۔

مؤمن بننے کا نسخہ:

حدیث کا تیسرا فقرہ ہے: ”وَأَحْسِنُ اِلٰی جَارِکَ تَکُنْ مُؤْمِنًا۔“ (اپنے

پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرو، تم مؤمن بن جاؤ گے، ہماری پڑوسیوں کے ساتھ لڑائی ہے، اور جس کو دیکھو اس کے ساتھ لڑائی ہے، میاں بیوی کی لڑائی ہے، باپ بیٹے کی لڑائی ہے، بھائی بھائی کی لڑائی ہے، کوئی بھی آدمی ایسا نہیں کہ اس کے ساتھ ہماری بنتی ہو، کاہے کے لئے لڑائی ہے؟ روٹی تو جتنی اس نے کھانی ہے، آپ نے بھی کھانی ہے۔ میرا بھائی! پھر لڑائی کرنے سے کیا فائدہ؟ مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، اس کو ستاتا نہیں، ایذا نہیں پہنچاتا، کسی قسم کی کوئی اذیت نہیں دیتا، کسی کے ساتھ خیانت نہیں کرتا، دھوکہ نہیں کرتا۔

اور آخری بات (یہ کہہ کر ختم کرتا ہوں) آنحضرت ﷺ نے یہ فرمائی کہ: "وَلَا تُكْثِرِ الضِّحْكَ۔" (زیادہ ہنسا مت کرو) کیونکہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ کردیتا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے، آنحضرت ﷺ کی ہدایات پر عمل کرنے کی، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

خود کو دین کا
محتاج سمجھنا

کسی کے ساتھ جڑ کر رہنا، خود بڑا نہ بننا بلکہ کسی بڑے کے ماتحت ہو کر رہنا اور اپنے آپ کو اللہ کی مخلوق میں کمزور تر سمجھنا، یہ چیز ہمارے اسلاف میں تھی مگر ہم سے یہ چیز نکل گئی ہے۔ اور اس کے نکلنے کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم میں فتنہ و فساد در آیا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمد للہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفی، اما بعد!

”جانشین شیخ الاسلام سید بنوریؒ، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی دامت برکاتہم مدیر ماہنامہ ”بینات“ کراچی، وفاقی شرعی عدالت میں قادیانی درخواست کی سماعت کے دوران گزشتہ ماہ لاہور تشریف لاکر وہیں مقیم رہے، ۱۰راگست ۱۹۸۴ء کو عدالت میں جمعۃ المبارک کی تعطیل تھی اس روز مولانا موصوف مجاہد ختم نبوت حضرت مولانا تاج محمود نور اللہ مرقدہ کی یادگار دفتر ہفت روزہ لولاک جامع مسجد محمود فیصل آباد تشریف لائے اور یہاں پر جمعہ کے اجتماع سے خطاب بھی فرمایا“۔

عابد وشاکر اور مؤمن بننے کا نسخہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ پانچ باتیں ارشاد فرمائیں:

مَنْ یَّأْخُذُ عَنِّیْ هٰؤُلَاءِ الْکَلِمَاتِ فَیَعْمَلُ بِهِنَّ اَوْ یُعَلِّمُ مَنْ یَّعْمَلُ بِهِنَّ؟ فَقُلْتُ أَنَا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ، فَأَخَذَ بِیَدِیْ فَعَدَّ خَمْسًا: اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَکُنْ أَعْبَدَ النَّاسِ ،وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللّٰهُ لَکَ تَکُنْ أَغْنَی النَّاسِ، وَأَحْسِنْ اِلٰی جَارِکَ تَکُنْ مُؤْمِنًا وَاحِب لِلنَّاسِ مَاتُحِبُّ لِنَفْسِکَ تَکُنْ مُسْلِمًا، وَلَا تُکْثِرِ الضِّحْکَ فَاِنَّ کَثْرَةَ الضَّحْکِ تُمِیْتُ الْقَلْبَ۔“

(مشکوٰۃ ص:۴۳۹)

۱:......اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں حرام قرار دے دی ہیں ان سے بچو تم عابد بن جاؤ گے۔

۲:......اللہ تعالیٰ نے جو قسمت تمہارے لئے لکھ دی ہے اس پر شاکر ہو جاؤ۔

۳:......دوسروں کے لئے وہی پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو مومن بن جاؤ گے۔

۴:......ہمسایہ کے ساتھ حسن سلوک کرو۔

۵:......زیادہ نہ ہنسا کرو۔

میں زیادہ لمبی چوڑی تقریر نہیں کروں گا بس اسی حدیث پاک کے متعلق چند باتیں عرض کروں گا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے حق کہنے اور آپ کو حق سننے اور ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

ہمارے بیانوں میں اثر کیوں نہیں:

ایک چیز جس کا مشاہدہ آپ حضرات نے بھی کیا ہوگا ہم بھی دیکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ آج کل اس قدر وعظ ہو رہے ہیں، دینی موضوعات پر بڑے بڑے لیکچر دیئے جارہے ہیں، مضامین لکھے جارہے ہیں، مگر ان کا نتیجہ ویسا نہیں نکل رہا جیسا کہ نکلنا چاہئے؟

اس کی کیا وجہ ہے؟ کیا کبھی آپ نے اس پر بھی غور فرمایا؟

بات دراصل یہ ہے کہ اگر کہنے والے کے دل میں نورانیت ہوگی تو اس کے الفاظ میں بھی نورانیت ہوگی اور اگر آدمی خود باعمل نہ ہوگا تو اس کی تقریر محض لفاظی کی حد تک رہ جائے گی اور اس کا اثر نہیں ہوگا ایک مرتبہ میں نے اپنے بعض دوستوں سے کہا تھا اور اگر آپ حضرات ناراض نہ ہوں تو آپ سے بھی یہی کہتا ہوں کہ آپ بیس بیس، تیس تیس سال تک وعظ سنتے ہیں، بچے سے جوانجوان سے بوڑھے ہوجاتے ہیں مگر آپ پر اس کا اثر نہیں ہوتا، اب سوچنے کی بات ہے کہ مولوی صاحب کی زبان میں اثر نہیں رہا کہ آپ میں استطاعت ختم ہوگئی ہے۔ مولوی صاحب ہمیشہ کہتے ہیں قران پر عمل کرو، سنت کو اپناؤ مگر کتنے لوگ ہیں جو اس پر عمل کرتے ہیں؟ اور کتنے لوگ ہیں جو مولوی صاحب کی تقریر سے متاثر ہوکر اپنی زندگیوں کے دھارے کو بدل دیتے ہیں؟

مولوی کی تقریر کی غرض:

اصل میں مولوی صاحب بھی اس لئے تقریر نہیں کرتے کہ لوگ ٹھیک ہوجائیں بلکہ وہ محض تقریر کرنے کو اپنے ڈیوٹی سمجھ کر کرتے ہیں اور لوگوں کی اصلاح کرنے کے خیال سے نہیں اور سننے والے بھی حاصل کرنے کے ارادہ سے نہیں سنتے

بلکہ آئے اور آ کر بیٹھ گئے۔ مولوی صاحب جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ سننے والوں کے سروں پر سے گزرتا جاتا ہے۔ اور اگر کوئی غور سے سنتا ہے تو وہ اس پر عمل نہیں کرتا کہ وہ تو صرف تقریر سننے کے لئے آیا ہوتا ہے کوئی عمل کرنے یا کچھ حاصل کرنے کے لئے نہیں۔

سامعین کی غرض:

سننے والے یہ نہیں سوچتے کہ ہمیں اپنی بیماریوں (روحانی عوارض) کا علاج کروانا ہے اگر کسی کے کان، ناک میں تکلیف ہے تو وہ خود کو بیمار سمجھتا ہے اور ڈاکٹروں سے علاج کروانے کے لئے ادھر ادھر جاتا ہے۔ فیس ادا کرتا ہے لیکن اگر کسی کے دل میں تکبر ہے تو وہ اسے کوئی بیماری نہیں سمجھتا، حسد کی بیماری اس کی نظر میں کوئی بیماری نہیں، کفر کی بیماری اس کی نظر میں کوئی بیماری نہیں، دل میں کینہ ہے تو کوئی بیماری نہیں، میری شکل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل کے خلاف ہے مگر میں اسے کوئی عیب نہیں سمجھتا۔

تو آدمی جب کسی عیب کو عیب اور کسی بیماری کو بیماری نہیں سمجھے گا تو وہ اس کا علاج کس طرح کروائے گا اور جب علاج بھی نہیں کروائے گا تو اسے اس بیماری سے شفا کیسے ہوگی؟

میاں صاحب کا قصہ:

یہاں پر مجھے حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ کا واقعہ یاد آ گیا کہ ان کے صاحبزادے عبدالوہاب پڑھائی سے فارغ ہوکر آئے تو حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ نے ان سے فرمایا کہ آج جمعہ کا وعظ تم کروگے۔ چنانچہ صاحبزادہ صاحب نے حسب

الحکم وعظ کیا اور خوب علمی نکات بیان کئے لیکن ان کی اس مدلل تقریر کا کسی پر اثر نہ ہوا۔

ان کی تقریر کے بعد کچھ وقت حضرت نے اپنے لئے رکھا ہوا تھا چنانچہ جب صاحبزادہ ساحب کا وعظ ختم ہوا تو حضرت کھڑے ہوگئے اور فرمایا:

''رات ہم نے دودھ رکھا تھا وہ بلی پی گئی''۔

ان کا یہ جملہ کہنا تھا کہ لوگ تڑپ اٹھے اور رونے لگے بھلا غور کیجئے کہ اس جملے میں ایسی کون سی بات تھی جس نے لوگوں کو رلا دیا اور تڑپا دیا؟

پیران پیر اور امام جوزی رحمہما اللہ کے وعظ کے اثرات:

حضرت پیران پیر اور حضرت عبدالرحمٰن ابن جوزی وغیرہما کے متعلق روایات میں آتا ہے کہ جب یہ وعظ فرماتے تو ان کے سامعین میں سے جنازے اٹھا کرتے تھے یعنی موثریت کا یہ عالم تھا کہ لوگوں کی روحیں قبض ہوجایا کرتی تھیں۔

ہمارا چونکہ باطن نہیں ہے اور ہماری زبان سے جو الفاظ نکلتے ہیں ان کا تعلق دل سے نہیں ہوتا اور دوسرے سننے والے بھی اصلاح وحصول کی خواہش نہیں رکھتے اس لئے آج کل کہی گئی باتوں اور نصیحتوں کا اثر نہیں ہوتا۔ زمین میں بھیج ڈالنے کے کے لئے پہلے زمین کو تیار کیا جاتا ہے۔ آپ سیم زدہ اور بنجر زمینوں میں بھیج ڈال کر فصل کی امیدیں باندھ کر بیٹھ جائیں تو یہ آپ کی خام خیالی ہوگی۔

اپنے کو محتاج سمجھو:

اسی طرح دین کو حاصل کرنے کے لئے پہلے اندر استعداد پیدا کرو بغیر استعداد پیدا کئے دین حاصل نہیں ہوگا۔ اب سوال یہ ہے کہ استعداد کیسے پیدا ہوگی؟ استعداد ایسے پیدا ہوگی کہ اپنے آپ کو دین کا محتاج سمجھو، اپنے دل ودماغ میں یہ

بات بسالو کہ ہم دین کے محتاج ہیں، دین ہمارا محتاج نہیں ہے۔ جب آپ اپنے کو دین کا محتاج سمجھ کر اور دین کو اپنی ضرورت سمجھ کر اللہ کے کسی نیک بندے کے پاس جائیں گے، اس کی باتیں سنیں گے تو ان شاء اللہ ضرور نفع ہوگا اور آپ میں دین کی صحیح فکر اور عمل کی روح پیدا ہوجائے گی، لیکن یہ تب ہی ہوگا جب پہلے اپنے آپ کو کاملا محتاج دین سمجھا جائے گا۔

بدعمل عالم کا وعظ بے نور ہوتا ہے:

ہمارے ہاں کراچی میں ڈاکٹر عبدالحئی عارفی صاحب ہیں ان کی مجالس میں اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں ہوتی ہیں، میں بھی ان کی مجالس میں حاضر ہوتا ہوں لیکن وہاں حاضری سے پہلے اپنے تئیں محتاج ہونے کا یقین کرلیتا ہوں، لیکن پھر بھی چونکہ استعداد صحیح نہیں ہے اس لئے صحیح نفع نہیں ہوتا۔ ہم میں عالم کو بے عمل نہیں ہونا چاہئے کیونکہ بے عملی کے اور نقصانات کے علاوہ اس کا ایک بڑا نقصان یہ بھی ہے کہ اس کے وعظ میں نورانیت نہیں رہتی لیکن اس حدیث میں ہے کہ جب تم تک کوئی حکم پہنچے تو چاہئے کہ اس پر خود عمل کرو یا کسی ایسے شخص کو سکھادو جو اس پر عمل کرلے۔ ایک بے عمل عالم آپ کو خدا کا پیغام پہنچاتا ہے تو آپ اس پیغامبر کو نہ دیکھیں بلکہ یہ دیکھیں کہ یہ پیغام کس کا پہنچارہا ہے اور وہ ہستی آپ کے لئے واجب الاطاعت ہے یا نہیں؟

یہ دیکھو پیغام کس کا ہے:

ایک مرتبہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

حاضر ہوئے اور عرض کیا حضور! (صلی اللہ علیہ وسلم) شادی کرنا چاہتا ہوں مگر نہ مال ہے نہ میرے پاس کوئی مکان ہے نہ ہی میری شکل وصورت اتنی اچھی ہے (کہ کوئی میری شکل دیکھ کر ہی مجھ سے شادی کرے)۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ فلاں صحابی (رضی اللہ عنہ) کے پاس چلے جاؤ اور کہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھیجا ہے کہ آپ اپنی لڑکی کا رشتہ مجھ سے کر دیں۔

چنانچہ یہ صاحب وہاں چلے گئے اور لڑکی کے والدین کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچادیا۔ اب لڑکی کے والدین یہ سن کر سوچ میں پڑ گئے کہ بھلا ہم اس شخص سے اپنی لڑکی کا عقد کیسے کر دیں کہ نہ اس کے پاس شکل وصورت ہے نہ کوئی اسے جانتا ہے نہ مال ودولت ہے کہ باسانی زندگی گزار سکے؟

جب لڑکی کو یہ معلوم ہوا تو اس نے اپنے والدین سے کہا کہ ابا جان! آپ اسے نہ دیکھیں بلکہ اسے دیکھیں جس نے اسے بھیجا ہے۔ غرضیکہ میں عرض کرتا ہوں کہ اگر بے عمل آدمی سے آپ کو محبوب کا کوئی پیغام ملتا ہے تو آپ یہ نہ کہیں کہ مولوی صاحب خود تو عمل کرتے نہیں دوسروں کو کہتے ہیں تو آپ ڈاکئے کو نہ دیکھیں ڈاک کو دیکھیں۔

یہ سچ ہے کہ عالم بے عمل کی بات میں نور نہیں ہوتا مگر میں آپ سے پھر یہی کہتا ہوں کہ آپ اس بات کی طرف مت دیکھیں کہ کہنے والا خود عمل کرتا ہے کہ نہیں بلکہ آپ تک جو حکم خداوندی، سنت نبوی پہنچے آپ اس پر صدق دل سے عمل پیرا ہو جائیے۔

پانچ باتیں:

اب آیئے ان پانچ باتوں کی طرف جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائیں اگرچہ ان باتوں کی تشریح کیلیۓ تو پانچ جمعے درکار ہیں مگر میں انتہائی اختصار کے ساتھ یہاں پر انکا ذکر کرتا ہوں۔

ا۔حرام اشیاء سے بچنا:

فرمایا: اللہ نے جو چیزیں حرام کی ہیں ان سے بچو تم عابد اعظم بن جاؤ گے۔ نفل روزے، صدقے، خیرات بھی محض عبادت نہیں ہیں بلکہ سب سے بڑی عبادت یہ ہے کہ اللہ نے جو چیزیں حرام قرار دی ہیں ان سے بچا جائے۔

بعض حضرات یہ کہہ دیتے ہیں کہ مولوی صاحب! بچوں کو پالنا، ان کو کھلانا پلانا بھی تو عبادت ہے! گویا کہ انلوگوں ں نے صرف ایک اسی چیز کو عبادت سمجھ لیا ہے اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جس قدر احکام پامال ہوتے رہیں، انہیں کوئی پرواہ نہیں، یہ اپنی عبادت میں مگن ہوں گے۔

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے کہ زبان سے متعلق گناہ کبیرہ کی تعداد بیس ہے جھوٹ، غیبت ،چغلی، بہتان وغیرہ۔ اور یہ بیماریاں آج ہمارے ہاں بہت عام ہیں اکثر ایسے لوگ ہوتے ہیں جو نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور دوسروں کی غیبت بھی کیا کرتے ہیں،تسبیحات بھی کرتے ہیں، چغلی بھی کھاتے ہیں،عبادات کرتے ہیں،مگر آنکھوں، کانوں ں کی حفاظت بھی نہیں کرتے وہ چیزیں جو حرام کی گئی ہیں انہیں دیکھتے ہیں یا ان کی حرمت کا لحاظ نہیں رکھتے اور ایسی باتیں جن کا سننا ممنوع قرار دیا گیا ہے ان کے سننے سے احتراز نہیں کرتے تو بتایئے کہ ان کی عبادات کیا ہوئیں؟

غرضیکہ یہ تمام گناہ ایسے ہیں جن کا لحاظ نہیں رکھا جاتا اور یہی باتیں روز قیامت پکڑ کا باعث بھی بن سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے۔

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں نو سو (۹۰۰) کے قریب گناہ کبیرہ جمع کئے ہیں ایک آدمی ان سے بچنے کی کوشش نہیں کرتا تو بتائیں اگر وہ حج بھی کر آئے تو کیا عابد ہو جائے گا؟

اللہ تعالیٰ ہمیں حرام کی ہوئی چیزوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

۲۔ تقدیر پر شاکر رہنا:

اب آیئے دوسری بات کی طرف اللہ تعالیٰ نے ہر ایک انسان کے لئے ایک فرشتہ لکھ دیا ہے جس میں سے زندگی بھر ملنے والی اشیا اور اس کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کی تفصیل درج ہے اسے تقدیر (قسمت) کہتے ہیں، اور اس میں نہ کمی ہے اور نہ زیادتی، یہ ہی ہمارا عقیدہ ہے، مگر اس عقیدے کے باوجود اکثر لوگ شاکی رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے تنگی کی شکایت کرتے ہیں، گلہ کرتے ہیں، شکر ادا نہیں کرتے۔ حالانکہ یہ چیز (شکوۂ تقدیر) قطعی غلط ہے بلکہ اللہ کے دیئے ہوئے پر راضی رہنا چاہئے اس لئے تنگی کی شکایت چھوڑ دو جس قدر اللہ نے دیا ہے اس پر قناعت کرو۔

اگر آپ چاہیں کہ ہم کارخانوں، کوٹھیوں، بنگلوں اور مال و دولت کے ذریعہ امیر بن جائیں تو خدا کی قسم نہیں بن سکتے۔ دولت کی زیادتی تو انسان کو محتاج بناتی ہے آپ امیروں، کبیروں کے بنگلوں ں کی طرف کبھی اس نقطہ نگاہ سے نہیں دیکھتے کہ ان بیچاروں کو نرم بستروں اور گرم گدوں پر بھی سکون وچین کی نیند میسر نہیں ہے، وہ لوگ جھونپڑیوں میں رہنے والے ان فقیروں پر رشک کرتے ہیں جنہیں شب خوابی کے

لئے چار پائی تک میسر نہیں، لیکن وہ سکون وچین والی نیند کی نعمت سے بہرہ ور ہیں۔

دیکھئے کہ ایک آدمی سارا دن محنت مزدوری کرتا ہے اور رات تو آرام کی نیند سوتا ہے اس کے برعکس جو شخص دن بھر لاکھوں کروڑوں میں کھیلتا ہے اسے نیند نہیں آتی بلکہ ان لوگوں کو نیند کی گولیاں کھانی پڑتی ہیں اور بعض اوقات یہ نیند کی گولیاں بھی بیکار ہو جاتی ہیں۔

تم ان لوگوں کے ظاہری آرام وآسائش، دولت وثروت کو دیکھتے ہو مگر ان کے پس منظر کو نہیں دیکھتے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

"جو شخص میری قضا پر راضی نہیں اور جو کچھ میں نے دیا ہے اس پر صبر وشکر نہیں کرتا تو اسے کہو کہ کوئی اور رب ڈھونڈ لے"۔

تو بھائی! ملے گا تو اتنا ہی جتنا کاتب تقدیر نے مقدر میں لکھ دیا ہے، اس سے زیادہ ملے گا اور نہ کم ملے گا، خواہ آپ ہزار شکوہ شکایت کریں یا صبر وشکر۔

تو پھر جب ملتا اتنا ہی ہے کیوں نہ خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے اور اس کے مقدر کی ہوئی قسمت پر راضی رہا جائے۔

۳۔ دوسروں کے لئے وہی پسند کرو جو اپنے لئے کرتے ہو:

تیسری بات یہ ہے کہ لوگوں کے لئے وہی پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو تو تم مومن بن جاؤ گے۔

درحقیقت ایمان یہی ہے کہ آدمی جو اپنے لئے پسند کرے وہی دوسروں کے

لئے پسند کرے، ایک مسلمان کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ اپنے لئے تو نفع کی بات سوچے اور دوسرے مسلمان کے لئے اس کے برعکس سوچے۔ یہ چیز تقاضائے ایمان کے خلاف ہے اگر ایک آدمی جج ہے اور وہ فیصلہ کرنے کے لئے سائل سے رشوت طلب کرتا ہے اور اس کے رشوت ادا کرنے پر فیصلہ کرتا ہے تو اس (جج) کو چاہئے کہ وہ یہ سوچے کہ اگر میں اس سائل کی جگہ ہوتا تو میرے دل پر میرے اعصاب پر کیا گزرتی یعنی انسان کو اپنے آپ کو دوسرے کی جگہ رکھ کر سوچنا چاہئے، پھر اگر وہ اس جگہ یا چیز کو اپنے لئے پسند کرے تو اسے دوسرے کے لئے بھی پسند کرے اگر اسے خود وہ ناپسند ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اسے دوسرے کے لئے بھی ناپسند کرے۔

۴۔ پڑوسی سے حسن سلوک:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چوتھی بات جو ارشاد فرمائی ہے کہ اپنے پڑوسی سے حسن سلوک سے پیش آؤ تو مومن بن جاؤ گے۔ حسن سلوک کسے کہتے ہیں؟ ایک ہے احسان کا بدلہ احسان سے دینا، یہ بدلہ کہلاتا ہے، بھلائی کا بدلہ بھلائی سے دینا بھی بدلہ ہے جب کہ احسان یہ ہے کہ آدمی برائی کا بدلہ بھلائی سے دے اسی کا نام حسن سلوک ہے، ایک اس کا الٹ بھی ہے یعنی بھلائی کا بدلہ برائی سے دینا اس کا نام کمینگی ہے۔

اگر ہمارا ہمسایہ ہمارے ساتھ بھلائی کا سلوک کرتا ہے اور ہم اسے اس کا بدلہ برائی سے دیتے ہیں تو یہ کمینگی کہلاتی ہے، اور اگر وہ ہمارے ساتھ برائی کرتا ہے اور ہم اسے اس کا بدلہ اچھائی سے دیتے ہیں تو اسے حسن سلوک کہتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جبرئیل امین علیہ السلام مجھے ہمسایہ کے حقوق کا خیال رکھنے کے بارے میں اکثر تاکید کرتے رہتے ہیں یہاں تک

کہ مجھے خیال ہوا کہ اللہ ہمسائے کو وراثت میں حقدار بنائیں گے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث مبارکہ سے ہمسائے کے حقوق کا بخوابی اندازہ ہوسکتا ہے۔

آج ہمارے معاشرہ میں ہمسائے کے حقوق کا کس قدر خیال رکھا جاتا ہے اس کو ہر آدمی اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھ سکتا ہے۔

۵۔زیادہ نہ ہنسا کرو:

زیادہ ہنسنا اچھی بات نہیں ہے یہ دل کو مردہ کردینے کا باعث ہوتا ہے آج ہمارے ہاں اس چیز کو زندہ دلی کا نام دے دیا گیا ہے جب کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ زیادہ ہنسنا دلوں کو مردہ کردیتا ہے۔ زیادہ ہنسنے کو مردہ دلی اس لئے قرار دیا گیا ہے کہ اس سے انسان کا دل اللہ کی یاد سے غافل ہوجاتا ہے اور اللہ کی یاد سے غافل دل اللہ کے نزدیک مردہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ:

”جو شخص اللہ کا ذکر کرتا ہے اور جو نہیں کرتا ان کی مثال زندہ اور مردہ کی سی ہے“۔

کھلکھلا کر ہنسنا مردہ دلی کی علامت ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کھلکھلا کر نہیں ہنستے تھے، مسکراہٹ کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔ تبسم ہمیشہ چہرۂ مبارک پر رہتا تھا مگر کھلکھلا کر نہیں ہنستے تھے۔

یہ پانچ باتیں ہیں جن کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائی ۔ان پانچوں باتوں کو یاد کرلیں۔ اور اپنے گھروں میں جا کر سنادیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سیکھو سکھاؤ جو چیز خود سیکھو دوسروں کو بھی سکھادو۔

وآخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمين

شب برأت
تحقیقی تجزیہ!

اللہ تعالیٰ شعبان کی نصف شب کو قریب کے آسمان (دنیا) میں طرف نزول فرماتے ہیں، پس اتنے لوگوں کی بخشش فرمادیتے ہیں، جو تعداد میں بنو کلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد سے بھی زیادہ ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ، اما بعد!

آج شعبان کی پندرہویں رات ہے، میرا تو بیان کرنے کا ارادہ نہیں تھا، مگر احباب نے تقاضا کیا کہ کچھ بیان کیا جائے، تو خیال ہوا کہ اس رات کے بارے میں جو روایات وارد ہوئی ہیں وہ آپ کی خدمت میں پیش کردوں اور ان سے جو احکام و فضائل نکلتے ہیں ان کو ذکر کردوں، صاحب مشکوٰۃ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس باب میں پانچ روایات ذکر کی ہیں۔

پہلی حدیث:

یہ روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہے:

”عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: فَقَدْتُّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً فَخَرَجْتُ فَاِذَا هُوَ بِالْبَقِيعِ فَقَالَ: أَكُنْتِ تَخَافِيْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْكِ

وَرَسُوْلُهٗ؟ قُلْتُ: یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ظَنَنْتُ اِنَّکَ أَتَیْتَ بَعْضَ نِسَائِکَ۔ فَقَالَ: اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی یَنْزِلُ لَیْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ اِلٰی سَمَاءِ الدُّنْیَا فَیَغْفِرُ لِأَکْثَرَ مِنْ عَدَدِ شَعْرِ غَنَمِ کَلْبٍ۔"

(ترمذی ج:۱ ص:۱۵۶)

ترجمہ:......"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ایک رات آنحضرت ﷺ کو اپنے بستر پر نہ پایا، میں ان کی تلاش میں نکلی تو دیکھا کہ آپ ﷺ (مدینہ طیبہ کے قبرستان) بقیع میں ہیں۔ آپ ﷺ نے مجھے دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ کیا تو یہ اندیشہ رکھتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول ﷺ تجھ سے بے انصافی کریں گے؟ یعنی تیری باری میں کسی اور کے پاس تشریف لے جائیں گے؟ میں نے کہا کہ یا رسول اللہ! مجھے یہ خیال ہوا کہ شاید آپ اپنی بیویوں میں سے کسی کے پاس تشریف لے گئے ہوں گے، ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ شعبان کی نصف شب کو قریب کے آسمان (دنیا) کی طرف نزول فرماتے ہیں، پس اتنے لوگوں کی بخشش فرما دیتے ہیں، جو تعداد میں بنوکلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد سے بھی زیادہ ہیں (بنوکلب عرب کا ایک قبیلہ تھا، وہ بکریاں پالنے میں مشہور تھا، اور تمام قبائل سے زیادہ اس کے پاس بکریاں ہوا کرتی تھیں، ناقل) تو بنوکلب کے قبیلے کی بکریوں کے بالوں کی تعداد سے بھی زیادہ، اللہ تعالیٰ بخشش فرماتے ہیں۔"

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اسے ترمذیؒ اور ابن ماجہؒ نے روایت کیا ہے، اور رزین کی روایت میں ہے کہ یہ ایسے لوگ ہوں گے جو دوزخ کے مستحق تھے۔ امام ترمذیؒ اس حدیث کو روایت کرکے کہتے ہیں کہ میں نے امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ سے سنا کہ وہ اس حدیث کو کمزور اور ضعیف قرار دیتے تھے۔

دوسری حدیث:

یہ روایت بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہے:

”عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنهَا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: هَلْ تَدْرِیْنَ مَافِیْ هٰذِهِ اللَّیْلَةَ یَعْنِیْ لَیْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ؟ قَالَتْ: مَافِیْهَا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ فَقَالَ: فِیْهَا اَنْ یُّکْتَبَ کُلُّ مَوْلُوْدِ بَنِیْ آدَمَ فِیْ هٰذِهِ السَّنَةِ وَفِیْهَا اَنْ یُّکْتَبَ کُلُّ هَالِکٍ مِنْ بَنِیْ آدَمَ فِیْ هٰذِهِ السَّنَةِ وَفِیْهَا تُرْفَعُ أَعْمَالُهُمْ وَفِیْهَا تُنْزَلُ أَرْزَاقُهُمْ۔ فَقَالَتْ: یَارَسُوْلَ اللّٰهِ! مَامِنْ أَحَدٍ یَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا بِرَحْمَةِ اللّٰهِ تَعَالٰی؟ فَقَالَ مَامِنْ أَحَدٍ یَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا بِرَحْمَةِ اللّٰهِ تَعَالٰی ثَلٰثًا۔ قُلْتُ: وَلَا أَنْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ فَوَضَعَ یَدَهٗ عَلٰی هَامَتِهٖ فَقَالَ: وَلَا أَنَا اِلَّا أَنْ یَّتَغَمَّدَنِیَ اللّٰهُ مِنْهُ بِرَحْمَتِهٖ یَقُوْلُهَا ثَلٰثَ مَرَّاتٍ۔“

(مشکوٰۃ ص:۱۱۵ بحوالہ بیہقی فی الدعوات الکبیر)

ترجمہ:......”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تو جانتی ہے کہ یہ رات کیسی ہے؟

یعنی نصف شعبان کی رات؟ میں نے کہا یا رسول اللہ! (ﷺ) اس میں کیا ہوتا ہے؟ فرمایا: اولادِ آدم میں سے اس سال میں جو بچہ پیدا ہونے والا ہو، اس کا نام لکھ دیا جاتا ہے، اور سال بھر میں جتنے انسان مرنے والے ہوتے ہیں، ان کا نام لکھ دیا جاتا ہے، اور اس میں بندوں کے اعمال اٹھائے جاتے ہیں، اور اس رات میں بندوں کے رزق نازل کئے جاتے ہیں۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! کیا کوئی شخص جنت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر داخل نہیں ہوگا؟ ارشاد فرمایا کہ نہیں! کوئی شخص بھی جنت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر داخل نہیں ہوگا، تین مرتبہ فرمایا، میں نے کہا کہ یا رسول اللہ آپؐ بھی نہیں؟ آنحضرتﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک اپنے سر پر رکھا اور فرمایا: ''وَلَا أَنَا اِلَّا أَنْ يَّتَغَمَّدَنِیَ اللّٰهُ مِنْهُ بِرَحْمَتِهٖ۔'' (میں بھی جنت میں داخل نہیں ہوں گا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ مجھ کو ڈھانپ لیں) یہ بات آپﷺ نے تین مرتبہ ارشاد فرمائی، یہ روایت امام بیہقی نے دعوات کبیر میں نقل کی ہے۔''

تیسری حدیث:

یہ حدیث حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی ہے:

''عَنْ أَبِیْ مُوْسَی الْأَشْعَرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی

لَيَطَّلِعُ فِیْ لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَيَغْفِرُ لِجَمِيعِ خَلْقِهٖ اِلَّا لِمُشْرِكٍ أَوْ مُشَاحِنٍ۔" (مشکوٰۃ ص:۱۱۵ بحوالہ ابن ماجہ)

ترجمہ:...... "حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ بے شک اللہ تعالیٰ جھانکتے ہیں نصف شعبان کی رات میں، پس مغفرت فرمادیتے ہیں اپنی تمام مخلوق کی، مگر مشرک کی، یا کینہ رکھنے والے کی بخشش نہیں فرماتے۔"

چوتھی حدیث:

مسند احمد میں یہی حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اور ان کی روایت میں ہے:

"عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ......اِلَّا اثْنَيْنِ مُشَاحِنٍ وَقَاتِلِ نَفْسٍ۔"

(مشکوٰۃ ص:۱۱۵ بحوالہ مسند احمد)

ترجمہ:...... "مگر دو آدمیوں کی بخشش نہیں فرماتے، ایک کینہ رکھنے والا اور دوسرے قاتل نفس، یعنی کسی دوسرے مسلمان کو قتل کرنے والا۔"

پانچویں حدیث:

یہ حدیث حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے:

"عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا کَانَتْ لَیْلَۃَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَقُوْمُوْا لَیْلَھَا وَصُوْمُوْا یَوْمَھَا فَاِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَنْزِلُ فِیْھَا لِغُرُوْبِ الشَّمْسِ اِلَی السَّمَاءِ الدُّنْیَا فَیَقُوْلُ أَلَا مِنْ مُّسْتَغْفِرٍ فَاَغْفِرُلَہٗ، أَلَا مِنْ مُّسْتَرْزِقٍ فَاَرْزُقَہٗ، أَلَا مُبْتَلیً فَأُعَافِیَہٖ، أَلَا کَذَا، أَلَا کَذَا، حَتّٰی یَطْلُعَ الْفَجْرُ۔‘‘

(مشکوٰۃ ص:۱۱۵ بحوالہ ابن ماجہ)

ترجمہ:......’’حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب نصف شعبان آجائے تو تم اس کی رات میں قیام کیا کرو اور اس کے دن کا روزہ رکھا کرو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اس میں سورج کے غروب ہونے سے لے کر طلوع فجر تک قریب کے آسمان پر نزول فرماتے ہیں۔ پس آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ کیا ہے کوئی استغفار کرنے والا! بخشش مانگنے والا! کہ میں اس کی بخشش کردوں؟ کیا ہے کوئی رزق مانگنے والا! کہ میں اس کو رزق دوں؟ کیا ہے کوئی کسی مصیبت یا بیماری میں مبتلا کہ میں اس کو عافیت دوں؟ کیا ہے کوئی فلاں؟ کیا ہے کوئی فلاں؟ اللہ تعالیٰ برابر یہ ارشاد فرماتے رہتے ہیں یہاں تک کہ سورج طلوع ہوجائے۔‘‘

ان پانچ روایتوں میں ایک روایت تو ترمذی کی ہے، جس کو خود امام ترمذیؒ نے فرمایا کہ یہ ضعیف ہے، دو روایتیں ابن ماجہ کی ہیں۔ حدیث شریف کی چھ کتابیں

صحاح ستہ کہلاتی ہیں، اور ان میں ابن ماجہ سب سے کمزور تر درجہ کی کتاب کہلاتی ہے۔ بعض علمائ نے تو یہ اصول وضع کردیا کہ وہ روایت جو صرف ابن ماجہ میں ہو، باقی صحاح ستہ کی کتابوں میں نہ ہو، کمزور ہوتی ہے، اور ابن ماجہ کی چالیس روایتوں میں سے علمائ نے ایک ایک روایت کو موضوع اور من گھڑت قرار دیا ہے۔ تو دو روایتوں کا صرف ابن ماجہ میں ہونا ہی اس کے ضعیف ہونے کی کافی دلیل ہے۔ ایک روایت مسند احمد کی ہے، اس کتاب میں صحیح احادیث بھی ہیں، مقبول حدیثیں بھی، اور کمزور بھی ہیں۔ اور ایک روایت امام بیہقیؒ کی دعوات کبیر میں ہے، یہ غیر معروف کتاب ہے، غالب یہ ہے کہ وہ روایت بھی کمزور ہوگی۔ بہرحال اس کی سند کی مجھے تحقیق نہیں۔

تو روایت کے لحاظ سے اس رات کی فضیلت میں جتنی روایتیں آئی ہیں وہ قریباً سب کی سب کمزور ہیں، اس کے علاوہ کچھ لوگوں نے بے اصل روایتیں بھی گھڑ رکھی ہیں، کل جمعہ کے اخبار میں ایک مولانا کا مضمون آیا تھا، اس کے بارے میں لوگوں نے مجھ سے پوچھا، اکثر روایتیں من گھڑت ہیں، پتہ نہیں لوگ کہاں سے نقل کردیتے ہیں؟ اسی طرح رجب کے بارے میں جتنی روایتیں لوگ لکھتے ہیں وہ سب من گھڑت ہیں، نصف شعبان کی فضیلت کی یہ روایتیں جو میں نے ذکر کی ہیں، کمزور ہیں، لیکن بعض روایتیں تو بالکل ہی بے اصل ہیں، یہ تو مختصر حال ہوا ان روایتوں کا۔

اب علمائ دو قسم کے ہیں، بعض متشدد ہیں، جن میں ہمارے مولانا...... بھی ہیں، وہ کہتے ہیں کہ یہ سب روایتیں من گھڑت ہیں، ان کی کوئی قیمت نہیں، یہ حضرات ضعیف روایتوں کو بھی من گھڑت قرار دے رہے ہیں، اور اکثر اکابر اس کے قائل ہیں کہ چونکہ روایتیں ایک مضمون کی مختلف حضرات صحابہؓ سے مروی ہیں، اس لئے ان کی فی الجملہ کچھ نہ کچھ اصل ہونی چاہیئے اور فضائل کی احادیث میں زیادہ تشدد

نہیں کیا جاتا، احکام کی احادیث کو لینے میں تو علمائ بہت زیادہ سختی کرتے ہیں، سخت معیار پر ان کو جانچتے ہیں، لیکن جو روایتیں فضائل اعمال سے متعلق ہوں ان میں زیادہ شدت اختیار نہیں کرتے، بلکہ ڈھیلے پڑ جاتے ہیں، تو چونکہ یہ روایتیں متعدد صحابہؓ سے مروی ہیں اور ان کا تعلق بھی فضائل سے ہے، اس لئے یہ حضرات فرماتے ہیں کہ ان کو فی الجملہ کسی نہ کسی درجہ میں قبول کر لینا چاہیئے۔

ہمارے اکثر اکابر کی یہی رائے ہے، یہ تو روایتوں کے بارے میں گفتگو ہوئی اب اس شب کے جو فضائل ان روایات میں آئے ہیں ان کو ذکر کرتا ہوں۔

اس شب میں فیصلوں کا نازل ہونا:

ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ اس رات میں تقدیریں نازل ہوتی ہیں، یعنی آئندہ سال میں جتنے بچے پیدا ہونے والے ہیں ان کے ناموں کی فہرست جاری کردی جاتی ہے، اور جتنے لوگ اس سال میں مرنے والے ہوتے ہیں ان کی فہرست جاری کردی جاتی ہے، لیکن اس میں ایک اشکال ہے، وہ یہ کہ بعینہٖ یہی بات لیلۃ القدر کے بارے میں آتی ہے اور یہ روایتیں تو جیسا کہ آپ سن چکے ہیں، کمزور ہیں، اور لیلۃ القدر میں فیصلوں کا نازل ہونا، قرآن کریم میں آیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

”حٰمٓ۔ وَالْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ۔ اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَکَةٍ اِنَّا کُنَّا مُنْذِرِیْنَ۔ فِیْهَا یُفْرَقُ کُلُّ اَمْرٍ حَکِیْمٍ۔ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا۔“ (الدخان: ۱تا۵)

ترجمہ:......”حم، قسم ہے اس واضح کتاب کی کہ ہم نے اس کو ایک برکت والی رات (یعنی شب قدر) میں اتارا ہے، ہم

آگاہ کرنے والے تھے، اس رات میں ہر حکمت والا معاملہ ہماری پیشی سے حکم ہوکر طے کیا جاتا ہے۔‘‘ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

سورۂ دخان کی ان ابتدائی آیات میں بابرکت رات کا ذکر ہے جس میں قرآن کریم نازل کیا گیا، اور فرمایا ہے کہ اسی رات میں تمام حکمت والے کاموں کے فیصلے ہوتے ہیں، اس ’’بابرکت رات‘‘ سے بعض حضرات نے شب قدر مراد لی ہے، اور حضرت تھانویؒ نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے، اور بعض حضرات نے ’’شب برأت‘‘ مراد لی ہے۔

تو بعض اکابر نے ان دونوں کے درمیان تطبیق دی ہے کہ فیصلوں کی تجویز تو ’’شب برأت‘‘ میں ہوجاتی ہے، اور یہ فیصلے شب قدر میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا میں جو فرشتوں کا صدر دفتر ہے وہاں ان کی نقول جاری کردی جاتی ہیں۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے یہی تطبیق ذکر فرمائی ہے تو اس تفسیر کے مطابق ایک تو اس شب برأت میں تقادیر جاری ہوتی ہیں، یعنی سال کے اندر پیدا ہونے والوں کی فہرست تجویز کردی جاتی ہے، سال کے اندر مرنے والوں کی فہرست تجویز کردی جاتی ہے۔

اعمال کا چڑھنا اور ارزاق کا نازل ہونا:

اور ایک بات یہ فرمائی گئی کہ اس میں تقادیر نازل ہوتی ہیں کہ بندوں کے اعمال اوپر چڑھتے ہیں اور رزق نازل ہوتے ہیں۔ رزق نازل ہونے کا بھی یہی مطلب ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کو جتنا رزق ایک سال کے اندر ملنا ہے اس کی مقداریں اور تفصیلات تجویز کردی جاتی ہیں۔

رزق سے کیا مراد ہے؟

صرف روٹی، پانی کو رزق نہیں کہتے، رزق ہر وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے بندے کو عطا کی جاتی ہے، ہم جو سانس لے رہے ہیں یہ بھی رزق ہے، مثلاً اس سال میں فلاں آدمی اتنے سانس لے گا، اور سال بھر میں اس کے یہ اعمال آسمان پر جائیں گے، اچھے اعمال ہوں یا برے اعمال، لیکن برے اعمال پٹخ دیئے جاتے ہیں، اور نیک اعمال جو رضائے الٰہی کے لئے کیئے گئے ہوں وہ بارگاہ رب العزت میں شرف قبولیت پاتے ہیں۔

حق تعالیٰ کا نزول:

اور پانچویں بات اس رات کے بارے میں یہ کہی گئی کہ حق تعالیٰ شانہ آسمان دنیا پر نزول فرماتے ہیں (جیسا کہ ان کی شان کے لائق ہے) اور بندوں کو نظر رحمت کے ساتھ دیکھتے ہیں اور اہل طاعت کی بخشش فرما دیتے ہیں، ایک روایت میں ہے کہ بنو کلب کی بکریوں کے بدن پر جتنے بال ہیں اتنے لوگوں کی بخشش فرما دیتے ہیں، مراد کثرت کا بیان کرنا ہے، یعنی اتنے لوگوں کی بخشش فرماتے ہیں جن کی تعداد اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ قریب کے آسمان پر نزول فرما کر ارشاد فرماتے ہیں کہ ہے کوئی بخشش مانگنے والا کہ میں اس کی بخشش کروں؟ ہے کوئی رزق مانگنے والا کہ میں اس کو رزق دوں؟ ہے کوئی مبتلائے مصیبت و بیماری کہ میں اس کو عافیت دوں؟ ہے کوئی ایسا آدمی؟ اور یہ سلسلہ طلوع فجر تک جاری رہتا ہے، اس میں ترغیب ہے کہ یہ رات دعاؤں کی قبولیت کی رات ہے، اس لئے اہل حاجت کو خوب خوب

دعائیں مانگنی چاہئیں۔ یہ تو اس رات کے فضائل ہیں۔

صیام و قیام کا حکم:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ارشاد ہے کہ:

”قُوْمُوْا لَیْلَهَا وَ صُوْمُوْا نَهَارَهَا۔“ (مشکوٰۃ ص:۱۱۵ بحوالہ ابن ماجہ)

ترجمہ:......”اس رات کو قیام کیا کرو اور اس کے دن کو روزہ رکھا کرو۔“

یعنی پندرہویں شب میں اللہ کی عبادت کیا کرو، اور پندرہویں تاریخ کا روزہ رکھو۔

جیسا کہ میں بتا چکا ہوں جو علماءؒ اس رات کی فضیلت کے قائل ہیں اور اکثر ہمارے اکابر اس رات کی فضیلت کے فی الجملہ قائل ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ اس روایت کے مطابق اس رات میں قیام کرنا اور اس سے اگلے روز روزہ رکھنا بہتر اور مستحب ہے۔

کن لوگوں کی بخشش نہیں ہوتی:

اور تیسرا مضمون ان احادیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس رات میں فلاں فلاں آدمی کی بخشش نہیں ہوتی۔

گناہ صغیرہ اور کبیرہ کی تعریف:

سب سے پہلے تو یہ سمجھ لیں کہ گناہوں کی دو قسمیں ہیں، صغیرہ اور کبیرہ۔ یعنی کچھ تو چھوٹے گناہ ہیں ان کو صغیرہ گناہ کہتے ہیں۔ اور کچھ بڑے گناہ ہیں، جن کو گناہ کبیرہ کہا جاتا ہے، کبیرہ گناہ وہ کہلاتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے، یا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوزخ کی وعید سنائی ہو، یا اللہ کے غضب کی وعید سنائی ہو کہ جو شخص ایسا

کرے گا اس پر اللہ کا غضب ٹوٹے گا، اس پر اللہ کا قہر ہوگا، یا ان پر لعنت فرمائی ہو، یا اس قسم کی کوئی اور وعید سنائی ہو، تو اس قسم کے گناہ، گناہ کبیرہ کہلاتے ہیں۔ اور جس کام کو پسند نہیں فرمایا، لیکن اس کے بارے میں کوئی وعید بھی نہیں سنائی ہو، ان کو گناہ صغیرہ کہا جاتا ہے۔ گناہ کبیرہ کی معافی کے لئے یہ شرط ہے کہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے، معافی مانگنے والوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں، اگر وہ چاہیں تو بغیر استغفار کے ویسے ہی معاف کردیں، ان کو کوئی روکنے والا بھی نہیں، اللہ تعالیٰ پر کوئی پابندی تو نہیں ہے لیکن اصول اور قاعدہ یہ ہے کہ ایسے مجرم کو جو اپنی بدعملی اور اپنے کبیرہ گناہوں کی وجہ سے اللہ کے قہر کا اور اس کے غضب کا مستحق ہوا، اللہ کی لعنت کا مستحق ہوا اس کو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنی چاہئے، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں آپ نے سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا ہے کوئی بخشش مانگنے والا کہ میں اس کی بخشش کردوں؟ معلوم ہوا کہ اس رات میں یہ جو مغفرت کا وعدہ آیا ہے یہ ان لوگون کے لئے ہے جو بخشش مانگنے والے ہیں، اور جو لوگ کہ بخشش مانگنے والے نہیں بلکہ عین اس شب میں بھی انہی جرائم کے مرتکب ہیں جن کی وجہ سے ان پر اللہ کا قہر اور غضب ہے، اللہ کی لعنت ہے، تو ظاہر ہے کہ پھر ان کی بخشش کا وعدہ نہیں، اس سے ایک سبق تو ہمیں یہ ملا کہ ہمیں خوب ندامت کے ساتھ اپنے گناہوں کی بخشش مانگنی چاہئے، تاکہ ہم بھی مغفرت کا دامن پکڑنے والے ہوجائیں۔ دوسری بات یہاں یہ فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس رات میں سب کو بخش دیتے ہیں مگر چند آدمیوں کی بخشش نہیں ہوتی۔ ایک مشرک۔ دوسرا مشاحن (مشاحن کی دو تفسیریں کی گئی ہیں، ایک بدعتی اور دوسرا کسی مسلمان سے کینہ رکھنے والا)، تیسرا کسی کو ناحق قتل کرنے والا۔ اب اس بات کو آپ چاہیں تو یوں بیان کرسکتے ہیں کہ ان لوگوں کی بخشش اس رات میں معافی

مانگنے کے باوجود بھی نہیں ہوتی، جب تک کہ اپنے اس فعل سے توبہ نہ کرلیں، اور اس گناہ کا تدارک نہ کرلیں، مثال کے طور پر کوئی شخص مشرک اور کافر ہے، مثلاً کوئی مرزائی ہے، جب تک کہ وہ اپنے اس گناہ سے تائب نہیں ہوتا اس کی بخشش نہیں، کافر اور مشرک کو تو آپ جانتے ہی ہیں۔

بدعت کی تعریف:

بدعت کے معنی یہ ہیں کہ دین کے نام پر ایسی چیزیں ایجاد کی جائیں جو رسول اللہ ﷺ سے، صحابہ کرامؓ سے اور سلف صالحین سے ثابت نہ ہوں، نہ صراحتاً اور نہ ائمہ اجتہاد کے استنباط و قیاس کے ذریعہ، خواہ ایسی نئی عبادتیں ایجاد کرلی جائیں یا ایسی قیود اپنی طرف سے تراش لی جائیں جن کا شرع شریف میں ثبوت نہیں۔

بدعت کی دو قسمیں:

کچھ بدعتیں اعتقادی ہوتی ہیں، کچھ عملی ہوتی ہیں، بدعت اعتقادی وہ تمام نظریات ہیں جو سلف صالحین اہل سنت کے خلاف ایجاد کرلئے جاتے ہیں، اور عملی بدعات وہ تمام اعمال ہیں جن کا ثبوت سلف صالحین سے نہیں، اور ان کو کارثواب سمجھ کر کیا جاتا ہے۔

بدعتی کو توبہ کی توفیق نہیں ہوتی:

ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ شیطان نے کہا کہ اولاد آدم نے میری کمر توڑ ڈالی، اس لئے کہ میں بڑی محنت سے ان سے گناہ کرواتا ہوں اور میرے کہنے پر کر بھی لیتے ہیں، مجھ ہی سے پوچھو کہ گناہ کرانے کے لئے مجھے کتنی محنت کرنا پڑتی ہے، اور مجھے ہزار جتن کرکے ان کو آمادہ گناہ کرنا پڑتا ہے، لیکن بڑے افسوس کی بات

ہے کہ وہ گناہ کرکے فوراً اللہ تعالیٰ سے کہہ دیتے ہیں کہ یا اللہ! غلطی ہوگئی، معاف کردیجئے، ندامت کے ساتھ اللہ کے آگے ہاتھ جوڑ دیتے ہیں، توبہ کرلیتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جاؤ! بخش دیا، تو میری ساری کی ساری محنت ضائع ہوجاتی ہے۔ فرمایا کہ شیطان کو یہ ترکیب سوجھی کہ ان کو ایسی چیز میں مبتلا کیا جائے کہ وہ لوگ گناہ بھی کریں لیکن وہ اس گناہ کو اچھا سمجھ کر کریں اور اس سے توبہ نہ کریں اور وہ بدعت ہے کہ لوگ اس کو کارِثواب سمجھ کر کرتے ہیں، حالانکہ بدعت اتنا بڑا گناہ ہے کہ اسی مشکوٰۃ شریف میں حدیث ہے:

”مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَقَدْ أَعَانَ عَلٰى هَدْمِ الْاِسْلَامِ۔“ (مشکوٰۃ شریف ص:۳۱)

ترجمہ:......”جس نے کسی بدعتی کی توقیر کی، عزت کی، اس نے اسلام کے ڈھادینے پر مدد کی۔“

اور بدعت کے اتنا گندہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ دین اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا، اور محمد ﷺ نے بیان فرمایا، صحابہؓ نے اس پر عمل کیا، ائمہ مجتہدین نے اس کو سمجھ کر بیان کیا، ایک ایسا عمل دین کے نام پر ایجاد کرنا اور اس کو کارِثواب سمجھنا جس کو اللہ نے نازل نہیں کیا، محمد رسول اللہ ﷺ نے اس کی تعلیم نہیں دی، صحابہؓ نے اس پر عمل نہیں کیا، اور ائمہ فقہائ نے اس کو نہیں سمجھا، دین میں اپنی طرف سے اضافہ ہے، گویا بدعتی، اللہ تعالیٰ، رسول اللہ، صحابہ سے زیادہ عقلمند؟

نعوذ باللہ، بدعتی شخص سب سے زیادہ عقل مند نکلا، اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ سے بھی (نعوذ باللہ) صحابہؓ، تابعینؒ اور ائمہ مجتہدینؒ سے بھی کہ وہ تو دین کو نہیں سمجھے، اس نے سمجھ لیا، ایک چیز کو اپنے پاس سے گھڑ کر اس کو دین خداوندی کہنا یہ افترا علی

اللہ ہے، اللہ پر بہتان باندھنا ہے، اور بدعتی جو بدعت گھڑ کر لوگوں میں رائج کرتا ہے وہ دراصل مفتری ہے، کہ اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھتا ہے، اب معلوم ہوا ہوگا کہ بدعت اتنا بڑا گناہ کیوں ہے؟

کئی سال ہوئے علامہ شاہ تراب الحق قادری کے ساتھ قبروں پر پھول ڈالنے کے مسئلہ میں میری تحریری بحث چلی تھی، جو میری کتاب ''اختلاف امت اور صراط مستقیم'' کے آخر میں بطور ضمیمہ کے شامل ہے، میں نے ان کی تحریر کے جواب میں لکھا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں قبریں بھی موجود تھیں، انبیاءؑ کرام کی بھی قبریں تھیں، صحابہ کرامؓ شہید بھی ہوئے، دفن بھی ہوئے، اس وقت پھول بھی موجود تھے، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی قبر پر پھول چڑھائے؟ پھر صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے زمانے میں بھی پھول ہوتے تھے، قبریں بھی ہوتی تھیں، کیا کسی صحابیؓ نے، کسی تابعیؒ نے، کسی امامؒ نے قبروں پر پھول چڑھائے؟ اگر تم اس کو کارثواب سمجھ کر بزرگوں کے مزار پر چڑھاؤ گے تو یہ دین میں اضافہ ہے، گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشورہ دینا ہے کہ آپؐ کو یہ کام کرنا چاہئے تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کام نہیں کیا، یا تو آپ اس کو لغو سمجھتے تھے اور تم اس کو کارثواب سمجھتے ہو، یا یہ کہ آپؐ کو اور بڑے بڑے کام تھے، اس لئے آپؐ نے یہ کام نہیں کیا، تو صحابہ کرامؓ کے عمل کو دیکھو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ محبوب ہستی تو اس دنیا میں پیدا نہیں ہوئی، اور صحابہ کرامؓ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بڑا کوئی عاشق پیدا نہیں ہوا ہوگا، خلفاءؓ راشدین نے اور تقریباً ایک لاکھ چالیس ہزار صحابہؓ میں سے کسی ایک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر پر پھول چڑھائے؟

قبروں پر پھول چڑھانا بدعت ہے:

الغرض قبروں پر پھولوں کی چادریں چڑھانا یہ رسول اللہ ﷺ، خلفاءِ راشدین اور صحابہ کرامؓ اور سلف صالحینؒ کی سنت تو نہیں، ہاں! انگریز بہادر نے یہ رسومات ضرور جاری کی ہیں کہ ان کے جو قومی مقتدا ہوتے ہیں ان کو وہ قومی ہیرو کہتے ہیں یا جو کچھ بھی کہتے ہوں گے ان کی قبروں پر پھولوں کی چادر چڑھائی جاتی ہے، ہمارے یہاں قائداعظم کی قبر پر بھی پھولوں کی چادر چڑھائی جاتی ہے، اندر پتہ نہیں کیا ہے؟ مولانا رومی کے بقول:

از بروں چو گور کافر پر حلل
و اندروں قہر خدائے عزّ و جل

ترجمہ:...... ''اوپر سے کافر کی قبر کی طرح حلے چڑھے ہوتے ہیں، چادریں چڑھی ہوتی ہیں اور اندر اللہ تعالیٰ کا قہر ہے۔''

نہرو، اندرا گاندھی اور شاستری کی قبروں پر بھی پھولوں کی چادریں چڑھائی جاتی ہیں، ان لوگوں کی قبروں پر اوپر سے تو چادریں چڑھی ہوتی ہیں، لیکن اندر خدا کا قہر ہے۔ میں افریقہ میں تھا جس دن اندرا گاندھی کو قتل کیا گیا اور اس کی لاش جلائی گئی تھی، ایسے میں زبردستی دوست ٹی وی پر لے گئے، اللہ مجھے معاف کرے، میں نے کہا کہ کوئی جاندار کی تصویر تو نہیں ہے، چلو عبرت کے لئے ایک ہندو کافرہ کے جلانے کا تماشا دیکھ لیتے ہیں، اندرا گاندھی کو میں نے جلتے ہوئے دیکھا، پتہ نہیں کتنے من خالص گھی تھا، جو آدمیوں کو کھانے کے لئے نہیں ملتا جس میں اس کو جلایا گیا، وہ جیسے ظاہر

میں جل رہی تھی ویسے ہی اندر سے بھی جل رہی تھی اور جب اس کی مڑھی بنادی گئی تو اس پر پھولوں کی چادریں چڑھائی گئیں، حالانکہ اندر آگ ہی آگ ہے۔ یہاں بھی ہمارے دوستوں نے یہ اصول تجویز کرلیا ہے کہ کوئی پکی قبر بنادے تو اس پر بھی چادریں چڑھنی شروع ہوجاتی ہیں۔ پھول چڑھاؤ، چادریں چڑھاؤ، اگر کوئی شخص گدھے کو دفن کردے، اسی کی بھی قبر بنادے، اس پر جھنڈا لگادے، تم میرے سامنے یہ کام کرکے دکھاؤ، ایک سال بعد میں تم کو چادریں چڑھتی ہوئی دکھاؤں گا، کسی گدھے کا، کتے کا ''روضہ شریف'' اور اوپر لکھ دو ''دربار پیر خر شاہ صاحب'' ''پیر کلب شاہ صاحب'' بس لوگ اس پر نذریں، نیازیں، پھول اور چادریں چڑھانے لگیں گے، اور یہ میں فرضی بات نہیں کر رہا، اس کے دسیوں واقعات موجود ہیں، اللہ کے بندو! کیا اس چیز کو رسول اللہ ﷺ لے کر آئے تھے؟ اور کیا یہی حضور ﷺ کا لایا ہوا دین تھا؟ تم جو بارہ ربیع الاول کو آنحضرت ﷺ کے روضہ اقدس کی شبیہیں بناتے ہو، خانہ کعبہ کی شبیہیں بناتے ہو، کیا یہی حضور ﷺ کا دین تھا؟ شیعہ تو امام حسین رضی اللہ عنہ کا تعزیہ بنایا کرتے ہیں، تم نے رسول اللہ ﷺ کا بنانا شروع کردیا، انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔ اور یہ بارہ ربیع الاول کے جلوس اور جانے کیا کیا خرافات کرتے ہیں، یہ دین سمجھ کر کرتے ہیں یا بے دینی سمجھ کر؟ ظاہر ہے کہ اس کو دین سمجھ کر بڑی عقیدت سے کرتے ہیں، بس اس کو بدعت کہتے ہیں، تقرب الی اللہ کا وہ ذریعہ جو رسول اللہ ﷺ نے نہیں بتایا تم اس کو تقرب الی اللہ کا ذریعہ سمجھتے ہو، پھر اس کے بدعت ہونے میں کیا شک ہے؟ عقیدہ بنالیا گیا ہے کہ گیارہویں کے دن روٹی دو گے یا کھیر کھلاؤ گے تو قرب حاصل ہوگا، بارہویں کو دوگے تو قرب حاصل نہیں ہوگا، گیارہویں کے بغیر تمہارے عقیدے میں بات ہی نہیں بنتی، تیسرے دن میت کا کھانا کھلاؤ گے، یا ساتویں دن، یا

نویں دن، یا بیسویں دن، یا چالیسویں دن، یا برسی کے دن، کیا یہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم تھی؟ صحابہ کرامؓ نے اس پر عمل کیا تھا؟ یا ائمہ فقہائؒ نے جو دین کو سمجھا اس میں کہیں ان تاریخوں کو نقل کیا ہے؟ اب یہ تو دوسرا موضوع چل پڑے گا، خلاصہ یہ کہ بدعتی کو کبھی توفیق نہیں ہوتی توبہ کرنے کی۔

سائنسی ایجادات بدعت نہیں:

بلکہ اگر منع کرو تو کٹ حجتیاں کرتے ہیں کہ پھر ہوائی جہاز پر بھی نہ سوار ہوا کرو، یہ بھی بدعت ہے، کیونکہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں نہیں تھا، میرے بھائی! کیا ہوائی جہاز پر سوار ہونا عبادت ہے؟ کیا ہم اس کو عبادت سمجھتے ہیں؟ ہرگز نہیں! ہوائی جہاز کی سواری کو بذاتِ خود کوئی شخص بھی عبادت یا نیکی کا کام نہیں سمجھتا، ہاں! بیت اللہ شریف پہنچنے کا ذریعہ ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”وَ لِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا، وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعَالَمِیْنَ۔“

(آل عمران:۹۷)

ترجمہ:......”اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر حج کرنا اس گھر کا، جو شخص قدرت رکھتا ہو اس کی طرف راہ چلنے کی، اور جو نہ مانے تو پھر اللہ پرواہ نہیں رکھتا جہان کے لوگوں کی۔“

پس مقصود بیت اللہ تک پہنچنا ہے، خواہ بیت اللہ تک پہنچنے کا جو ذریعہ بھی مل جائے، گدھے پر مل جائے، گھوڑے پر مل جائے، کشتی پر مل جائے، ہوائی جہاز پر مل جائے، موٹر پر مل جائے، اللہ تعالیٰ نے کسی راستہ کی تعیین تو نہیں کی تھی اور نہ ہم سمجھتے

ہیں کہ سفینہ حجاج میں بیٹھنا کارِثواب ہے، تو یہ کٹ حجتی نہیں تو اور کیا ہے؟ اپنی بدعت کا جواز پیدا کرنے کے لئے اس قسم کی فضول باتیں کرتے ہیں، لیکن خیر ہمارے سامنے یہ کٹ حجتی کرلو! مگر یاد رکھو کل اللہ کے سامنے یہ کٹ حجتیاں نہیں چلیں گی، جوابدہی تو تمہیں اللہ کے سامنے کرنی ہے، ہمارے سامنے نہیں کرنی، ہم محاسب نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ، آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

”وَمَا جَعَلْنَاکَ عَلَیْھِمْ حَفِیْظًا۔ وَمَا اَنْتَ عَلَیْھِمْ بِوَکِیْلٍ۔“ (الانعام:۱۰۷)

ترجمہ:......”ہم نے آپؐ کو ان کا نگران نہیں بنایا، اور نہ آپؐ ان کے کارساز ہیں۔“

بدعت بری بلا:

غرضیکہ بدعت ایسی بری بلا ہے کہ بدعتی گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے، لیکن اس کو کبھی توبہ کی توفیق نہیں ہوتی، ندامت ہی نہیں ہوتی، الا یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی توفیق نصیب فرمائیں اور سنت کا نور اس کے قلب پر القا فرمادیں تو ہوسکتا ہے کہ اپنی بدعت سے تائب ہونے کی توفیق ہوجائے تو جب وہ توبہ ہی نہیں کرتا تو بخشش کیوں ہوگی؟

کینہ رکھنے والا:

تیسرا اور چوتھا آدمی مشاحن ہے، یعنی کینہ پرور، جو اپنے مسلمان بھائی سے کینہ رکھتا ہے، اس کی بخشش نہیں ہوتی اور یہ حدیث صحیح میں آتا ہے کہ جن دو آدمیوں کے درمیان میں بغض ولڑائی ہے، بات چیت، سلام کلام بند ہے، اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ ان کو چھوڑ دو، جب تک یہ آپس کا معاملہ طے نہیں کرلیتے، ہم ان

کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کریں گے، ان کی بخشش کا بھی فیصلہ نہیں کریں گے، اور بہت موٹی سی بات ہے کہ جو شخص اس دنیا کی ایک ذلیل سی چیز اپنے بھائی کو نہیں بخش سکتا وہ کس منہ سے اللہ تعالیٰ سے بخشش کا طالب بن کر آتا ہے؟ بھائی! اگر تم اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے ہو تو تم بھی اپنے قصورواروں کو معاف کردو، بھائی تم نے اللہ تعالیٰ کے بہت بڑے بڑے جرائم کئے ہیں، اور کسی مخلوق نے تو ہمارا بہت ہی چھوٹا قصور کیا ہوگا، ہم اس کا چھوٹا گناہ معاف نہیں کرسکتے اور اللہ تعالیٰ سے چاہتے ہیں کہ ہمارے گناہ کبیرہ بخش دے، ہمیں دوزخ سے رہائی دے، پس جو شخص عین اس حالت میں کہ اپنے بھائی سے کینہ رکھنے والا ہو، اس رات میں بھی اس کی بخشش نہیں ہوتی، جب تک کہ اپنے کینہ سے توبہ نہ کرلے۔

قاتل کی بخشش نہیں ہوتی:

اور قاتل کا گناہ ایسا ہے کہ اس کا تعلق حقوق اللہ سے بھی ہے اور حقوق العباد سے بھی، حق تعالیٰ شانہ کی نظر میں کسی مسلمان کو ناحق قتل کرنا اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس کی سزا دائمی جہنم فرمائی ہے:

”وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاءُہٗ جَھَنَّمُ خَالِدًا فِیْھَا وَغَضِبَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَلَعَنَہٗ وَاَعَدَّ لَہٗ عَذَابًا عَظِیْمًا۔“

(النساء:۹۳)

ترجمہ:......”اور جو قتل کرے کسی مسلمان کو جان بوجھ کر، اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اللہ کا غضب ٹوٹ پڑا اس پر، اور اللہ کی لعنت برسی اس پر اور اللہ تعالیٰ

نے اس کے لئے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔“

ذرا زور کلام دیکھئے! جہنم میں جھونک دیا اور اس پر ہمیشگی کی مہر بھی لگادی، لیکن اس پر بس نہیں کی، اللہ کا غضب ٹوٹا اس پر اور اللہ کی لعنت برسی اس پر اور اللہ نے اس کے لئے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے، یہ شخص جب تک صاحب معاملہ سے معافی نہیں مانگتا اس کی بخشش کیسے ہوگی؟ اور علماءؒ فرماتے ہیں کہ حقوق العباد کی یہی شان ہے، کسی بندے کے جو حقوق تلف کئے ہوں، اللہ تعالیٰ ان کی بخشش نہیں فرماتے، جب تک کہ بندوں سے معافی نہ مانگ لے یا بندوں کے حقوق ادا نہ کر دے، مشہور حدیث ہے، آپ مجھ سے کئی دفعہ سن چکے ہوں گے کہ:

”عَنْ أَبِیْ قَتَادَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَامَ فِیْهِمْ فَذَکَرَهُمْ اَنَّ الْجِهَادَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالْاِیْمَانَ بِاللّٰهِ أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ، فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ: یَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَرَأَیْتَ اِنْ قُتِلْتُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یُکَفَّرُ عَنِّیْ خَطَایَایَ؟ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: نَعَمْ! اِنْ قُتِلْتَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَأَنْتَ صَابِرٌ مُّحْتَسِبٌ مُّقْبِلٌ غَیْرَ مُدْبِرٍ، ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَیْفَ قُلْتَ؟ فَقَالَ أَرَأَیْتَ اِنْ قُتِلْتُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ أَیُکَفَّرُ عَنِّیْ خَطَایَایَ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ! وَأَنْتَ مُحْتَسِبٌ مُّقْبِلٌ غَیْرَ مُدْبِرٍ اِلَّا الدَّیْنَ، فَاِنَّ جِبْرِیْلَ قَالَ ذَالِکَ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔“ (مشکوٰۃ ص:۳۳۰)

یعنی ایک صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے

اور کہنے لگے: ''یا رسول اللہ! اگر میں اللہ کے راستے میں جہاد میں قتل ہوجاؤں (اس حالت میں کہ میں آگے بڑھنے والا تھا، پیچھے ہٹنے والا نہیں تھا) تو کیا میری بخشش ہوجائے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! بخشش ہوجائے گی، (شہید کی بخشش تو پہلے قطرے پر ہوجاتی ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ''اِنَّ السَّیْفَ مَحَّاءٌ لِلْخَطَایَا۔'' (مشکوٰۃ ص:۳۳۵) (تلوار گناہوں کو مٹانے والی ہے) اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں قتل ہونے سے تمام گناہ مٹ جاتے ہیں، اسی لئے شہید کو غسل نہیں دیتے، اس کو کیا غسل دیں، یہ تو پہلے ہی پاک ہوچکا ہے؟ ظاہر اور باطن کے اعتبار سے پاک ہوگیا، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی شہادت نصیب فرمائیں۔ ناقل) تو فرمایا ہاں! گناہ معاف ہوجائیں گے (وہ صاحب اٹھ کر جانے لگے ابھی دروازے تک ہی پہنچے تھے، فرمایا: ان کو بلاؤ، وہ واپس آئے تو۔ ناقل) ارشاد فرمایا کہ: تم نے کیا پوچھا تھا؟ (ذرا اپنا سوال پھر دہراؤ) عرض کیا: ''یا رسول اللہ! اگر میں قتل ہو جاؤں اللہ کے راستے میں (اس حال میں کہ میں آگے بڑھنے والا تھا، پیچھے ہٹنے والا نہیں تھا) تو کیا میری بخشش ہوجائے گی؟ ارشاد فرمایا کہ: جی ہاں! مگر ایک استثنا ہے کہ پرایا حق معاف نہیں ہوگا، جبریل علیہ السلام نے ابھی آکر یہ مسئلہ بتایا ہے۔''

تو جس طرح کہ قاتل کی گردن میں ایک مظلوم کا خون ہے جب تک کہ وہ

معاف نہ کردے خون معاف نہیں ہوگا، اسی طرح وہ تمام لوگ جنہوں نے دوسروں کا حق مارا ہے، خواہ آبرو کے متعلق ہو یا مال کے متعلق ہو، یا جان سے متعلق ہو، مثلاً کسی کو زخم پہنچایا، کسی کو گالی دی، کسی کی غیبت کی، کسی کو ستایا، کسی کا مال کھایا، کسی پر ڈاکہ زنی کی، تو جب تک صاحب حق معاف نہیں کردے گا یہ لوگ پکڑے رہیں گے، پس حقوق العباد کا معاملہ بڑا سخت ہے اور کسی مسلمان کو ناحق قتل کرنا تو اتنا بڑا گناہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر دائمی دوزخ کی وعید سنائی ہے، اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ کفر و شرک کے سوا جتنے گناہ ہیں ان پر دائمی جہنم کی سزا نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہیں کہ اگر چاہیں تو بغیر سزا کے معاف فرمادیں اور اگر چاہیں تو گناہ پر مناسب سزا دینے کے بعد معاف فرمادیں (اللہ تعالیٰ ہمارے گناہوں کو معاف فرمائیں) اس لئے اہل سنت اس آیت کی تاویل کرتے ہیں جس میں قاتل کی سزا ''خَالِدًا فِیۡھَا'' بیان فرمائی ہے، کہ اس خلود سے مراد بہت دیر تک دوزخ میں ٹھہرنا ہے، بالآخر اس کی بھی معافی ہوجائے گی۔

شب برأت کی بدعات

آتش بازی:

اب آخر میں چند بدعات کا تذکرہ کرتا ہوں جو اس رات میں ایجاد کی گئی ہیں، ان میں سب سے بدترین بدعت آتش بازی ہے جو مجوسیوں کی نقل ہے، ہمارے فقہاءؒ نے لکھا ہے کہ قبرستان میں آگ لے جانا بھی ممنوع ہے کیونکہ آگ قہر الٰہی کا نشان ہے، اس کو قبرستان میں نہیں لے جانا چاہیئے، تو اس آگ کے ساتھ کھیلنا یہ اہل اسلام کا کام نہیں ہے، یہ مجوسیوں کا فعل ہے، میں نے بہت پڑھا بھی ہے، سوچا بھی

ہے، لیکن مجھے یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ مجوسیوں کا فعل ہم مسلمانوں میں کہاں سے آ گیا؟ بہرحال حدیث میں ہے: ”مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ۔“ (جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے گا وہ انہی میں سے ہوگا۔) یہ فعل مجوسیوں کا ہے، مسلمان لڑکے آتش بازی کر کے مجوسیوں کی مشابہت کرتے ہیں۔

ایک مسلمان کو ہندوؤں کے ساتھ مشابہت پر عذاب:

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ شریف میں ہے کہ: ہندوؤں کی ہولی تھی تو ایک مسلمان جا رہا تھا، پان کھاتے ہوئے، اس نے گدھے پر پیک پھینک دی کہ تجھے کسی نے نہیں رنگا، میں تجھے رنگ دیتا ہوں، تو وہ اسی میں پکڑ لیا گیا کہ تو نے ہندوؤں کی مشابہت کی تھی، اس رات، دن رنگ سے کھیلنا، یہ ہندوؤں کی مذہبی رسم تھی، تو نے بطور مذاق کے ان کی مشابہت کی، یہ تشبیہ کا مسئلہ بڑا خطرناک ہے، کسی قوم کی مشابہت کرنا تو سب سے بدترین اور قبیح ترین بدعت ہے، اللہ کرے کہ مسلمانوں میں یہ آتش بازی کی رسم نہ رہے، ہر سال اس سے جانی، مالی نقصان بھی ہوتے ہیں لیکن نہ جانے مسلمانوں کو عقل کیوں نہیں آتی؟ دین بھی گیا دنیا بھی گئی، ایمان بھی گیا، جان بھی گئی۔

حلوہ شریف:

ایک بدعت اس دن کی حلوہ شریف ہے، یہ تو میرے جیسے کسی ملا نے ایجاد کی ہوگی، اور ایسا ایجاد کیا کہ اس دن مسلمانوں کے گھر گھر حلوہ پکتا ہے، اور ایک دوسرے کو تحفہ دیتے ہیں، رات ایک خاتون فون پر مجھ سے ایک مسئلہ پوچھ رہی تھی کہ حلوہ اگر آ جائے تو کیا کریں؟ کھانا حلال ہے کہ حرام؟ میں نے کہا میں حرام تو نہیں

کہوں گا، حلال چیز کو حرام کیوں کہوں؟ باقی یہ دیکھ لو کہ یہ حرام مال سے پکا ہے کہ حلال سے؟ بینک کے سود سے پکایا جارہا ہے؟ پرائز بانڈ سے پکایا جارہا ہے؟ رشوت کے پیسے سے پکایا جارہا ہے؟ دھوکے اور فریب کی رقم سے حلوہ شریف بنایا جارہا ہے؟ اس کو تو تم بھی حلال نہیں کہوگے میں بھی نہیں کہوں گا۔ میں نے ایک دفعہ کہا تھا کہ لوگ پرائی مرغی چرالیتے ہیں اور اس کو ذبح کرکے کھالیتے ہیں، میں کہتا ہوں کہ اس کو ذبح کرنے کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ وہ تو ذبح کرنے کے بعد بھی حرام کی حرام ہی رہی، ذبح کرنے سے حلال تھوڑی ہوجاتی ہے، وہ تو اللہ کا بنایا ہوا پاک مال ہے، مرغی، بکری اور دوسرے جو کھانے والے جانور ہیں جن کو اللہ نے حلال کیا ہے، اللہ نے پاک بنایا ہے لیکن تم نے زم زم میں پیشاب ڈال دیا، نعوذ باللہ، غصب کی چیز تھوڑی حلال ہوجاتی ہے؟ پرائی بکری چرا کے تم قربانی کردو تو کیا قربانی قبول ہوجائے گی؟ حلال ہی نہیں، جیسے مردار حرام ہے ویسے ہی چوری کی بکری ذبح کی ہوئی حرام ہے، تو خیر یہ بات تو درمیان میں آگئی، بات یہ ہو رہی تھی کہ اس رات لوگ حلوہ پکاتے ہیں، اس کی کوئی اصل نہیں ہے، بھائی میں نے تمہارے سامنے ساری حدیثیں پڑھ دی ہیں، جو کوئی لائق توجہ ہیں وہ پڑھ دی ہیں، ان میں کہیں حلوے کا ذکر آیا ہے؟ یہ محض فضول حرکت ہے، اور اس کو اگر تم تہوار سمجھ کر کرتے ہو تو بھی یہ بدعت ہے، یہ مسلمانوں کا قومی دن نہیں ہے، تم ہندوؤں سے مسلمان ہوئے تھے، میں بھی سکھوں سے مسلمان ہوا ہوں، میرا خاندان سکھوں کا تھا، یہ صدیقی صاحب ہیں، میں ان کی بات نہیں کر رہا، یہ تو پرانے مسلمان ہیں، کوئی رانگڑ ہو، کوئی راجپوت ہو، کوئی کچھ ہو، آرائیں ہو، جٹ ہو، کسی اور برادری کا ہو، تو یہ سب پہلے ہندو، سکھ تھے، پہلے تمہارے یہاں یہ رواج ہندوؤں میں سکھوں میں ہوتا ہوگا، وہاں سے لائے ہوگے،

مگر یہ ہمارے اسلام میں نہیں ہے۔

چراغاں کرنا:

اور ایک بدعت یہ ہے کہ ان راتوں میں چراغاں کیا جاتا ہے، اس کی کوئی اصل نہیں ہے، اور اس کا منشا وہی ہے کہ اس دن کو قومی تہوار بنالیا۔ ایک خاتون مجھ سے پوچھ رہی تھی کہ اس دن نئے کپڑے پہننا کیسا ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ اس دن لوگ نئے کپڑے بھی پہنتے ہیں، میں تو کہتا ہوں اللہ تعالیٰ ہم کو ہر دن نیا کپڑا عطا کردیا کرے، ہر روز، روز عید اور ہر شب، شب برأت، لیکن خاص طور سے پندرہویں کو نئے کپڑے پہننا یہ خالص بدعت ہے، اور ایک بدعت قبرستان میں چراغاں کرنے کی ہے، اللہ اکبر! شہر خموشاں کو آباد کیا جارہا ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ، فَزُوْرُوْهَا فَإِنَّهَا......تُذَكِّرُ الْآخِرَةَ۔" (مشکوٰۃ ص:۱۵۴)

ترجمہ:......"میں تم کو قبروں کی زیارت کرنے سے منع کیا کرتا تھا، لیکن اب وہ حکم واپس لیتا ہوں، سنو! اب ان کی زیارت کیا کرو، کیونکہ وہ آخرت کی یاد دلاتی ہیں۔"

وہاں چراغاں کرنا، لہو و لعب کرنا، بے ہودہ بات ہے اور خصوصیت کے ساتھ بدعت ہے، مردوں اور عورتوں کا بھڑ کیلے اور بہترین کپڑے پہن کر وہاں جانا، میں کبھی نہیں گیا، لیکن میں نے سنا ہے کہ لوگ جاتے ہیں اور مستورات بھی جاتی ہیں، اب ان کو مستورات تو نہیں کہنا چاہئے، مستور چھپی ہوئی چیز کو کہتے ہیں، وہ تو کہتی ہیں کہ ہمیں گالی دیتے ہیں مستورات کہہ کر، ہم کسی کے ابا سے کم ہیں؟ ہم نے اپنی

نمائندہ بے نظیر بنادی ہے، تم پر حکومت کر رہی ہے، اب بھی ہمیں مستورہ کہتے ہو؟ واقعی ہمیں کوئی حق نہیں پہنچتا ان کو مستورات کہنے کا، یہ خود ہی مکشوفات ہوگئی ہیں، کھل گئی ہیں، بہرکیف مردوں اور عورتوں کا قبرستان میں جمع ہونا اور ایک جشن کے انداز میں، عریاں لباس پہن کر اور بھڑکیلا لباس پہن کر بے پردہ ہوجانا، لعنت درلعنت، خدا ان کو ہدایت دے۔ حضور ﷺ نے قبروں کی زیارت کا حکم دیا تھا کہ لوگوں کو عبرت ہو، عورتوں کا قبرستان میں جانا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں علماءؒ کا اختلاف واقع ہوا ہے، کیونکہ اجازت تو دے دی قبرستان میں جانے کی لیکن مشکوٰۃ شریف میں حدیث موجود ہے:

”اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَعَنَ زَوَّارَاتِ الْقُبُوْرِ۔“ (مشکوٰۃ ص:۱۵۴)

ترجمہ:......”اللہ کی لعنت ہو قبروں پر زیارت کے لئے جانے والی عورتوں پر۔“

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین

(بینات جلد نمبر ۶۱ شمارہ نمبر ۸ دسمبر ۱۹۹۸ء)

صبر و شکر

انسان کو دو قسم کی حالتیں پیش آتی ہیں، مصیبت اور تکلیف، یا نعمت اور راحت، اگر کوئی نعمت حاصل ہو تو شکر کا مطالبہ کرتی ہے، اور اگر کوئی تکلیف آجائے تو وہ صبر کا مطالبہ کرتی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمد للہ وسلام وعلی عبادہ الذین اصطفی

پیران پیر حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ انسان کو دو قسم کی حالتیں پیش آتی ہیں، مصیبت اور تکلیف، یا نعمت اور راحت، اگر کوئی نعمت حاصل ہو تو شکر کا مطالبہ کرتی ہے، اور اگر کوئی تکلیف آجائے تو وہ صبر کا مطالبہ کرتی ہے۔

شکر کی تین اقسام:

اور شکر تین قسم کا ہوتا ہے زبان کا شکر، دل کا شکر، اور اعضاءؑ و جوارح کا شکر۔

زبان کا شکر:

زبان کا شکر یہ ہے کہ تم اس نعمت پر زبان سے اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاؤ، اور اس نعمت کو اللہ تعالیٰ کی جانب منسوب کرو، اور اس بات کا اقرار کرو کہ یہ نعمت حق تعالیٰ کی طرف سے ملی ہے، محض اس کا فضل و انعام ہے، اس کو اپنی ذات کی طرف، اپنی قوت کی طرف، اپنے فہم و بصیرت کی طرف، اپنے ہنر اور کسب کی طرف، یا کسی اور مخلوق کی طرف منسوب نہ کرو، اس لئے کہ جن جن واسطوں سے اور جن جن ذریعوں

سے ہوتی ہوئی نعمت تم کو پہنچی ہے، وہ صرف واسطوں کی حیثیت رکھتے ہیں، نعمت کے عطا کرنے والے کی حیثیت نہیں رکھتے، یہ چیزیں نعمت دینے والی نہیں ہیں، نعمت کے دیئے جانے کا واسطہ اور ذریعہ ضرور ہیں، ان ذرائع کو ذریعہ بنانا بھی اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے، ان کی ایجاد بھی اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے، اور ان اسباب کو تمہارے لئے مہیا فرمادینا بھی اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے، مخلوق کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے، یہ تمام نعمتیں حق تعالیٰ کی طرف سے ملی ہیں، اس بات کا زبان سے اقرار کرو اور مخلوق کی طرف اس کو منسوب نہ کرو، مخلوق کی طرف منسوب کروگے تو ناقص العقل ٹھہروگے، تمہاری عقل صحیح نہیں۔

شیخؒ کہتے ہیں عاقل کو عاقل اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ انجام اور نتیجے کو دیکھتا ہے، جب تم نے ظاہری سطح کو دیکھ لیا اور اس کی طرف نسبت کرنے لگے تو تم نے نعمت کے اصل منبع کو فراموش کردیا، جس ذات عالی کی طرف سے نعمتوں کا فیضان ہورہا ہے، وہاں تک تمہاری عقل کی رسائی نہیں ہوتی، اس لئے ناقص العقل ٹھہرے، ہمارے یہاں اگر کوئی نعمت مل جاتی ہے تو لوگ اس کو اسباب ہی کی طرف منسوب کرتے ہیں، اللہ کی طرف کم ہی منسوب کرتے ہیں، کوئی کسی کی صلاحیتوں کی طرف منسوب کرتا ہے، کوئی اپنے عقل وفہم کی طرف منسوب کرتا ہے اور کوئی کسی طرف کرتا ہے، یہ نظر کی کوتاہی ہے قرآن کریم میں ہے:

”مَآاَصَابَکَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَکَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِکَ۔“ (النسآء:۷۹)

ترجمہ:......”تجھ کو کوئی بھلائی پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے، اور جو پہنچے تجھ کو کوئی برائی، وہ تیرے نفس کی جانب

سے ہے“

اگرچہ انسان کو برائی بھی اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے پہنچتی ہے،لیکن اس میں ہماری نحوست کا دخل ہے، ہماری بداعمالیوں کی نحوست ہے، بخلاف بھلائی کے، راحت کے، اور مصلحت کے، کہ اس میں ہمارا ذرا سا بھی کوئی دخل نہیں، وہ محض عطیہ الٰہی ہے، مولانا رومیؒ فرماتے ہیں:

مانبودیم و تقاضا مانبود
رحمت تو ناگفتہ ما می شنید

ترجمہ:...... ”ہم نہیں تھے ہماری طرف سے تقاضا نہیں تھا۔ اے اللہ آپ کی رحمت نے ہماری نہ کہی ہوئی باتوں کو سنا۔“

ہم ماں کے پیٹ میں تھے تو کون سا تقاضا کررہے تھے؟ ہم تو شروع ہی سے اللہ تعالیٰ کے انعامات کا مورد چلے آتے ہیں، جب سے عدم پر وجود کا فیض چمکا ہے، اس وقت سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا مورد چلے آتے ہیں، ہمارے پاس جتنی چیزیں ہیں، یہ سب ہم نے مانگی بھی تو نہیں ہیں، یہ بھی تو نہیں کہ یہ ہمیں مانگنے پر ملی ہوں۔

اگرچہ ہمیں حکم تو ہے کہ مانگو، تاکہ تمہارا فقر ظاہر ہو، تمہاری عبدیت کا یہی تقاضا ہے کہ تم مانگو، لیکن یہ نعمتیں ہمارے مانگنے پر تو نہیں ملیں، بغیر مانگے کے ملی ہیں۔

آپ کو اللہ تعالیٰ نے بہت اعلیٰ دماغ دیا ہے، آپ بہت اونچی سوچ رکھتے ہیں، آپ کی عقل بہت صحیح ہے، بندہ پرور! یہ عقل وفہم کس نے دی تھی؟ کس کے پاس سے لائے تھے؟ آپ کی عقل کام کرتی ہے، مگر عقل کس نے دی ہے؟ آپ کی استعداد بہت اونچی ہے، آپ کی ہمت بہت بلند ہے، قوت بہت زیادہ ہے، آپ بڑے ہنر مند

ہیں، آپ بڑے صحت مند ہیں، آپ کے پاس فلاں چیز ہے، فلاں چیز ہے، جس کی وجہ سے آپ یہ کام کرلیتے ہیں، ٹھیک ہے، مسلّم ہے، مگر ان ساری چیزوں کو وجود کس نے دیا تھا؟ آپ نے؟

ایک دہریہ کا واقعہ:

حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے کہ ایک شخص کمیونسٹ دہریہ تھا، خدا کونہیں مانتا تھا، اور اسکولوں کا انسپکٹر تھا، امتحانات لینے کے لئے جاتا تھا، تو بچوں کو چھیڑا کرتا تھا،ان سے اللہ کے بارے میں سوالات کرتا، ایک اسکول کے استاد نے کہا: جناب یہ چھوٹے بچے ہیں، یہ اس قسم کے سوالوں کو کیا جانتے ہیں؟ آپ ان کو کیوں پریشان کرتے ہیں؟ آپ ان بچوں کے بجائے مجھ سے گفتگو کیجئے، اس نے کہا: اچھا تم بتاؤ کہ اللہ کون ہوتا ہے؟ کہنے لگے: اللہ وہ ہوتا ہے جس نے آپ کو وجود بخشا ہے، کہنے لگا وہ تو میرے ماں باپ نے بخشا ہے، اس پر گفتگو ہوتی رہی، اتفاق سے یہ شخص ایک آنکھ سے کانا تھا،اس نے اسکول کے استاد سے کہا کہ اگر اللہ کا وجود ہے تو اس سے کہو میری ایک آنکھ ٹھیک کردے، استاد نے اوپر دیکھ کر ویسے ہی کچھ منہ ہلایا، جیسے کسی سے باتیں کرتا ہو، بعد میں کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے تو اس کو دونوں آنکھیں دی تھیں، مگر یہ ایسا نالائق نکلا کہ اس نے ہمارے وجود کا انکار کردیا، اس لئے ہم نے اس کی ایک آنکھ پھوڑ دی، اور اگر یہ ایسا ہی چلتا رہا تو ہم اس کی دوسری آنکھ بھی پھوڑ دیں گے،تو بھائی آنکھیں بھی اللہ نے دی ہیں۔

اسباب کے بجائے مسبب کی طرف نظر ہو:

اللہ تعالیٰ نے زبان کی نعمت بولنے کے لئے دی ہے، آپ بہت اچھی تقریر

کرتے ہیں، بہت عمدہ بیان کرتے ہیں، یہ زبان کس نے دی تھی؟ کیا یہ سب اپنے گھر سے لے کر آئے تھے؟ کیا یہ آئی جی نے دی تھی؟ نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، اللہ کی عطا ہے، ہاتھ ہیں، پاؤں ہیں، پورا وجود ہے، سب اللہ کی عطا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

”وَمَا بِكُم مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ۔ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْئَرُوْنَ۔“ (النحل:۵۳)

ترجمہ:...... ”تمہارے پاس جتنی نعمتیں ہیں، وہ اللہ کی جانب سے ہیں، اور جب تم کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو تم اسی کی طرف گڑگڑاتے ہو۔“

غرضیکہ جتنے اسباب و وسائل ہیں، خواہ انسان کے اپنے وجود کے اندر ہوں، یا اس کے وجود سے باہر پھیلے ہوئے ہوں، جن واسطوں اور ذریعوں سے ہوتی ہوئی یہ نعمت ہم تک پہنچی ہے، سب کا موجد ایک اللہ ہے، وجود میں لانے والا اللہ ہے، اسباب میں تاثیر پیدا کرنے والا اللہ ہے، مثلاً ایک شخص کی آنکھیں ہیں، مگر ان میں روشنی نہیں، نور اور بینائی پیدا کرنے والا بھی اللہ ہے، آنکھیں عطا کرنے والا بھی اللہ ہے، آج آپ کی سائنس بہت ترقی کرچکی ہے لیکن آنکھ نہیں بناسکی، نہ آنکھ کی بینائی پیدا کرسکی، آج سائنسی ترقی کا غلغلہ ہے، سائنس نے بہت ترقی کرلی ہے مگر اس کی ترقی کی انتہا یہ ہے کہ ایک آدمی کی آنکھ نکال کر دوسرے میں لگا دیتے ہیں، لیکن سائنس آنکھ کو وجود میں ابھی تک نہیں لاسکی، اور پھر آنکھ کو جو کنکشن دیا جاتا ہے، آدمی کے دماغ میں نور کا مرکز رکھا گیا ہے، اور آنکھوں کو اس مرکز سے روشنی کا کنکشن دیا جاتا ہے، یہ عطا کرنے والے بھی اللہ تعالیٰ ہیں، وجود میں لانے والے اللہ تعالیٰ ہیں

”لَامُوْجِدَ اِلَّا اللّٰہُ۔“ (اللہ کے سوا وجود میں لانے والا کوئی نہیں ہے۔) ”وَلَا مُسَبِّبَ اِلَّا اللّٰہُ۔“ ان اسباب کو اسباب بنانے والے بھی اللہ تعالیٰ ہیں، اللہ تعالیٰ اسباب کو اسباب نہ بنائیں تو یہ اسباب سب بے کار ہیں، دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں، الغرض ان اسباب کو مہیا کرنے والا اللہ ہے، اسباب میں تأثیر بھی اللہ کی ڈالی ہوئی ہے، پھر ان اسباب کے استعمال کی قدرت دینے والے بھی اللہ تعالیٰ ہیں، اسباب مہیا ہیں لیکن جب تک حکم الٰہی نہ ہو ہم ان کو استعمال نہیں کرسکتے، تو یہ تمام کے تمام اسباب جن سے تمہیں یہ نعمت ملتی ہوئی نظر آتی ہے۔

شیخؒ فرماتے ہیں یہ سب اللہ کی جانب سے ہیں، کسی مخلوق کا ان میں دخل نہیں، اس لئے نعمت کو بھی اللہ کی جانب منسوب کرو، واسطوں اور ذریعوں کی طرف منسوب نہ کرو، تم کہتے ہو، قلم لکھ رہا ہے، قلم کہاں لکھ رہا ہے؟ یہ تو بے چارا بے جان ہے، یہ رکھا ہوا ہوتو ذرا لکھ کے دکھا دے، قلم کو کوئی ہاتھ پکڑے گا تو لکھے گا، آپ کہتے ہیں اچھا ہاتھ لکھتا ہے، ہاتھ کاٹ کر رکھ دو، کیا لکھ دے گا؟ آپ کہتے ہیں اچھا انسان لکھتا ہے، یہ ہاتھ والا آدمی لکھتا ہے، بھلا اگر اس میں روح نہ ہوتو لکھے گا؟ اچھا آپ کہتے ہیں روح لکھتی ہے، ہم نے کہا اب بھی نظر صحیح نہیں ہوئی، روح کے اندر اللہ کی مشیت کارفرما ہے، وہ لکھتی ہے، لکھتا ہوا قلم سے نظر آرہا ہے، ہاتھ سے نظر نہیں آتا، ہاتھ والے کو انسان نظر نہیں آتا، انسان کو روح نظر نہیں آتی، اور جن کی نظر روح پر جاتی ہے، ان کی نظر مشیت الٰہی پر نہیں ہوتی، اصل میں جو محرک ہے لکھنے کا، وہ تو اللہ کی قدرت اور اللہ کی مشیت ہے، یہ ایک مثال ہے، باقی تمام مثالوں کو اسی طرح سمجھ لو۔

واسطۂ نعمت لائق قدر ہے:

ہاں یہ ضرور ہے جن واسطوں سے ہمیں نعمت ملی ہو، ہمیں حکم ہے کہ ان واسطوں کو بھی ہم قدر کی نگاہ سے دیکھیں، ان واسطوں کی تذلیل نہ کریں، اگر واسطوں کی تذلیل کریں گے، تو نعمت مکدر ہوجائے گی، بلکہ نعمت چھن جائے گی، یہ بھی سنت اللہ ہے، والدین آدمی کے وجود کا واسطہ بنتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ حق والدین کا رکھا ہے، ایسے ہی استاد علم کے لئے واسطہ بنتا ہے، اللہ تعالیٰ نے استاد کا احترام رکھا ہے، غرض جتنے بھی لوگ تمہارے لئے واسطہ نعمت بنے، ان سب کی قدردانی ہم پر واجب کی گئی ہے، ان کو بھی قدر کی نگاہ سے دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو واسطہ بنایا ہے، اگرچہ اللہ تعالیٰ کو بغیر کسی واسطے کے بھی نعمت عطا کرنے کی قدرت تھی، لیکن اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی بے شمار حکمتیں ہیں کہ واسطوں کے ذریعہ نعمتیں عطا فرماتے ہیں۔

میرے حج کا قصہ:

اس پر میں اپنا ایک واقعہ سناتا ہوں، میرے والد مرحوم کئی سال سے حج کی درخواستیں دے رہے تھے، منظور نہیں ہو رہی تھیں، میں یہاں کراچی آ گیا، حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر کیا، حضرتؒ نے فرمایا درخواست دے دو، اپنی بھی ساتھ دے دو، اگر نکل آئی ٹھیک ہے، ورنہ پھر اور کوشش کریں گے، چنانچہ ہم دونوں نے درخواستیں دے دیں، اب درخواست جمع کرانے کے بعد، میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ یا اللہ! کسی اور کو واسطہ نہ بنائیے یا اللہ! درخواست کو نکال دیجئے۔

لیکن میری یہ دعا احمقانہ تھی، چنانچہ درخواست نہیں نکلی، حضرت مولانا محمد

یوسف بنوریؒ نے ایک دوست سے کہا وہ حج افسر کے پاس مجھے لے گئے، اور مجھ سے راستے میں کہنے لگے کہ تم افسر سے یہ کہنا کہ والد صاحب کی درخواست کئی سال سے نہیں نکل رہی، اور مجھے والد صاحب کے ساتھ خادم کی حیثیت میں جانا ہے، کیونکہ وہ کمزور ہیں، بات صحیح تھی، غلط نہیں تھی، الغرض حج افسر سے یہ سارا قصہ بیان کیا، حج افسر نے کہا کہ درخواست کا فارم لے لو، اور اس کو پر کر کے مجھے دے دو، میں منظوری دے دوں گا، چنانچہ فارم پر کر کے دے دیئے گئے، اور اس دوست نے، اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائیں، باقی تمام کاروائی مکمل کرائی۔

جن لوگوں کی درخواتیں نکل آئی تھیں، ان کو ایک ایک مہینے کے بعد اطلاع دی گئی کہ تمہاری سیٹیں فلاں جہاز میں ہیں، اور فلاں تاریخ کو تمہیں جانا ہوگا، اور ہمیں موصوف نے آٹھویں دن وہ ساری چیزیں لاکر دے دیں، ٹکٹ بھی دے دیا اور تاریخ کا تعین بھی ہوگیا، میں نے کہا اتنے لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے واسطہ اور ذریعہ بنانا تھا، جن کو ہمارے ثواب میں شامل کرنا تھا اور جن کی قدردانی ہم پر واجب کرنا تھی، ہم ان کو کیسے محروم کرسکتے تھے؟ اس لئے میں نے کہا وہ دعا احمقانہ تھی، عبدیت کے خلاف تھی، بندے کا کام مانگنا ہے، تجویزیں پیش کرنا نہیں، اگر وہ کوئی نعمت کسی واسطہ کے ذریعے دینا چاہتے ہیں، تو ہمیں اس واسطہ کی بھی قدر کرنی چاہیئے، الغرض جو لوگ بھی کسی نعمت کا واسطہ اور ذریعہ بنیں، وہ بھی لائق قدر ہیں، آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ”مَنْ لَّمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰہَ۔“

(ترمذی ج:۲ ص:۱۷)

ترجمہ:...... ”جو شخص انسانوں کا شکر نہ کرے، اس نے اللہ تعالیٰ کا بھی شکر نہیں کیا۔“

مطلب یہ کہ منعم حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہیں، لیکن جن لوگوں کو حق تعالیٰ شانہ نے نعمت کا واسطہ اور ذریعہ بنانا ہے، اگر یہ شخص ان کا شکر نہیں کرتا تو یہ شخص منعم حقیقی کا کیا شکر کرے گا؟ اسباب اور ذرائع کو اللہ تعالیٰ نے جو واسطہ اور ذریعہ بنایا، اس میں بھی بے شمار حکمتیں ہیں، اس کی قدرتیں، اس کی حکمت کے راز ہیں، لیکن ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ تم ان پردوں میں الجھ کر نہ رہ جانا، بلکہ پردے کے پیچھے سے ہمیں دیکھنا، نعمتیں ہم دینے والے ہیں، منعم حقیقی ہم ہیں، اور جس شخص کی بصیرت کی نگاہ صحیح ہو اور یہ پردہ اس کے سامنے سے ہٹ گیا ہو، اس کو اس تصور سے کہ جتنی نعمتیں مل رہی ہیں وہ مالک کی طرف سے مل رہی ہیں، ایک خاص قسم کی لذت نصیب ہوتی ہے، وہ ان نعمتوں کو صحیح طور پر استعمال کرے گا۔

کھانا کھانے کے آداب:

رسول اللہ ﷺ کھانا کھاتے تھے، دسترخوان پر بیٹھ کر تو اس طرح تواضع کے ساتھ، عاجزانہ انداز میں بیٹھتے تھے جیسے غلام اپنے آقا کے سامنے کھانا کھاتا ہے، اور فرماتے تھے: ”اِنَّمَا اَنَا عَبۡدٌ آکُلُ کَمَا یَأۡکُلُ الۡعَبۡدُ۔“ (کنز العمال ۱۵: ۲۲۳)

ترجمہ:...... ”میں تو بندہ ہوں اس طرح کھاؤں گا جیسے غلام کھاتا ہے۔“

کیوں کہ نظر اس طرف تھی کہ حق تعالیٰ شانہ، سامنے بٹھا کر کھلا رہے ہیں، ہماری نظر اس طرف نہیں جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ ہم کھانا کھاتے ہیں مگر شروع میں ”بسم اللہ الرحمٰن الرحیم“ نہیں پڑھتے، حالانکہ بسم اللہ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے، حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے: ”اِنَّ الشَّیۡطَانَ یَسۡتَحِلُّ الطَّعَامَ اَنۡ لَّایَذۡکُرَ اسۡمَ اللّٰہِ عَلَیۡہِ۔“ (مشکوٰۃ ص: ۳۶۳ بروایت مسلم) جس کھانے پر بسم اللہ نہ پڑھی جائے شیطان اس

میں شرکت کر لیتا ہے۔“

بسم اللہ کے فوائد:

کھانے پر بسم اللہ شریف نہ پڑھنے سے دو نقصان ہوں گے، ایک یہ کہ شیطان اس کھانے میں اپنا حصہ لگا لے گا، جس کی وجہ سے کھانے میں برکت نہیں رہے گی، کھانے کی برکت اٹھ جائے گی۔ دوسرا نقصان یہ کہ اس نے نعمت کو استعمال کرتے وقت منعم کا خیال نہیں رکھا، منعم پر اس کی نظر نہیں گئی، نعمت عطا کرنے والے، اور ولئ نعمت کو بھلا دیا، اور یہ اس مالک کی ناشکری ہے کہ اس کی دی ہوئی نعمت کو کھاتے وقت اس کی ذات کو سامنے نہیں رکھا، اور جب ”بسم اللہ الرحمٰن الرحیم“ کہو گے تو ایک تو شیطان کی شرکت سے بچو گے، دوسرے اس بات کا اقرار ہوگیا کہ یہ نعمت ولی نعمت کی طرف سے ہے، یہ شکر نعمت ہے، پھر جب کھانا کھالیا تو حکم ہے کہ کھانے کے بعد شکر الٰہی بجالاؤ اور یہ دعا پڑھو:

”اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔“

(ترمذی ج:۲ ص:۱۸۴)

ترجمہ:...... ”اس اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں کھلایا، پلایا اور ہمیں مسلمان بنایا۔“

اللہ تعالیٰ کا شکر اس لئے کیا کہ یہ تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ ہی نے عطا کی ہیں، ایک لقمہ ہی پر غور کرلو یہ کہاں کہاں سے چلتا ہے، تمہارے تک پہنچا ہے، اور پھر تمہارے معدے تک پہنچنے میں اس نے کتنے مراحل طے کئے ہیں، ذرا سی دانت میں تکلیف ہوتی ہے تو کھانا نہیں چبایا جاتا، اس وقت پتہ چلتا ہے کہ یہ بھی ایک نعمت

ہے، حلق میں تکلیف ہوتی ہے نگلا نہیں جاتا، ہاتھ میں تکلیف ہوتی ہے، کھانا اٹھایا نہیں جاتا۔ کتنے انعامات در انعامات ہیں ایک لقمہ کے اندر؟

شکر کا پہلا درجہ:

الغرض ہر نعمت میں یہ بات پیش نظر رکھو، اور زبان سے بھی اقرار کرو کہ تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں، اس کا عطیہ ہیں، کھانا کھاؤ اس کو سامنے رکھو، کپڑا پہنو تو اس کو سامنے رکھو، اور زبان سے ان کا شکر بجا لاؤ، اور ان نعمتوں کو مالک کی طرف منسوب کرو، واسطوں میں الجھ کر نہ رہ جاؤ، یہ ہے زبان کا شکر۔

شکر کا دوسرا درجہ:

شیخؒ فرماتے ہیں کہ دوسرا درجہ دل کا شکر ہے، یعنی زبان کے ساتھ ہمیشہ دل میں یہ عقیدہ رکھو کہ تمہاری تمام حرکات وسکنات، تمہارا اٹھنا، بیٹھنا، تمہاری قوتیں اور طاقتیں، تمہاری صلاحتیں اور تمہاری تمام چیزیں، اور تمام نعمتیں سب اللہ کی جانب سے ہیں، دل میں بھی یہ مضمون ہمیشہ مستحضر رہے۔

شکر کا تیسرا درجہ:

تیسرا درجہ اعضاءٔ و جوارح کا یعنی انسان کے اعضاءٔ کا شکر یہ ہے، کہ تم اپنے اعضاءٔ کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں استعمال کرو، اللہ تعالیٰ کے سوا اعضاءٔ کو کسی کے لئے حرکت نہ دو، اللہ تعالیٰ کی نعمت کو، اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں استعمال کرو، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں استعمال نہ کرو، اس کی ایک مثال عرض کرتا ہوں، مثلاً تمہیں کسی نے بہت نفیس چاقو دیا، تم نے لے لیا اور اسی کے پیٹ میں گھونپ دیا، بہت اچھی قدر کی! ماشاءٔ اللہ کیا اچھا صلہ دیا، اس نے محبت میں تمہیں بہت نفیس چاقو دیا اور تم نے کہا دینے

والے پر ہی اس کا تجربہ کرنا چاہئے، کیا خوب! اللہ تعالیٰ نے تم کو مال دیا تھا، تم نے کہا اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں میں خرچ کرنا چاہئے، اللہ نے اولاد دی تھی، تم نے کہا کہ اس اولاد کو اللہ کی نافرمانیوں میں استعمال کرنا چاہئے، اللہ تعالیٰ نے گھر بار دیا، دوست احباب دیئے اور نعمتیں در نعمتیں عطا فرمائی ہیں، لیکن کہاں استعمال ہو رہی ہیں؟ ان نعمتوں کو کہاں استعمال کیا جا رہا ہے؟ اللہ کی نافرمانیوں میں، یہ ہاتھ استعمال ہو رہا ہے اللہ کی نافرمانی میں، پاؤں استعمال ہو رہے ہیں، اللہ کی نافرمانی میں، زبان، کان، ناک، آنکھ، دل، دماغ تمام وجود کو اللہ کی نافرمانیوں میں استعمال کیا جا رہا ہے، کیا یہی شکر ہے؟ نہیں! بلکہ شکر یہ ہے کہ آدمی اپنے اعضاً کو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں استعمال کرے، ان کو نافرمانی میں نہ لگائے۔

شیخؒ کے بقول: ”لَا تُحَرِّكُهَا وَلَا تَسْتَعْمِلْهَا اِلَّا بِطَاعَةِ اللّٰهِ۔“

کہ تم اللہ کی اجازت کے بغیر اپنے اعضاً کو حرکت نہ دو، اور ان کو اللہ کی اطاعت کے بغیر استعمال نہ کرو، اور اگر کبھی غفلت ہو جاتی ہے، معافی مانگ لو، اپنی غلطی کا اقرار کرلو۔ ہم جتنی اللہ کی نافرمانیاں کرتے ہیں اس میں آقا کی نافرمانی ہے، اور غلام کو زیبا نہیں ہے کہ آقا کی نافرمانی کرے، تم چاہتے ہو کہ میری بیوی میری فرماں بردار ہو، بیوی تمہاری مخلوق نہیں ہے، تمہاری مملوک نہیں ہے، تمہاری ملکیت نہیں ہے یا بکاؤ مال نہیں ہے، تمہارے برابر کی ہے، صرف اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے ساتھ تم میں جوڑ پیدا کر دیا، تمہیں اللہ تعالیٰ نے ان پر فوقیت عطا فرما دی، باقی اس کا اپنا مستقل وجود ہے، تمہارا اپنا مستقل وجود ہے، اس کے باوجود چونکہ تمہیں اک ذرا سی فوقیت اللہ تعالیٰ نے عطا فرما دی، تم شکایت کرتے ہو کہ میری بیوی نافرمان ہے، میرے سامنے بولتی ہے، کہا نہیں مانتی، بندہ نواز! کیا آپ اللہ تعالیٰ کا کہا اسی طرح

مانتے ہیں، جس طرح اپنی بیوی کو منوانا چاہتے ہیں؟ اپنی اور اللہ تعالیٰ کی نسبت کو ذرا دیکھو کہ کیا ہے؟ اور پھر ذرا اپنی اور اپنی بیوی کی نسبت دیکھو، تم سب کچھ اللہ تعالیٰ سے لے کر اللہ کی نافرمانی میں لگاتے ہو، ایک تو وہ آقا اور مالک ہے، اور بندے کو زیبا نہیں کہ اس کی نافرمانی کرے، بندے کا کام بندگی بجالانا ہونا چاہئے، نہ کہ بندگی کے خلاف کرے، بندے کا کام نیاز مندی اور جھکنا ہے، نہ کہ اکڑنا اور تکبر کرنا، بندے کا کام اطاعت ہے، نہ کہ معصیت و نافرمانی اور حکم عدولی، چلو اس بات کو بھی جانے دو، ایک منٹ کے لئے فرض کرلو کہ اللہ تعالیٰ کے درمیان اور تمہارے درمیان بندے اور خدا کا تعلق نہیں ہے، تو اتنی بات تو ہے کہ یہ تمام نعمتیں تمہیں اسی کی طرف سے ملی ہیں، اور ''اَ لْاِنْسَانُ عَبْدُالْاِحْسَانِ'' عربی کا مقولہ ہے کہ انسان احسان کا غلام ہوتا ہے، تم پر کوئی احسان کردے تو تم ساری عمر نہیں بھولتے، اور بھولنا بھی نہیں چاہئے، تو حق تعالیٰ کی طرف سے تو تمام کی تمام نعمتیں ملی ہیں، ان نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی معصیت اور نافرمانی میں استعمال نہ کیا جائے۔

شیخؒ فرماتے ہیں کہ یہ تین قسم کا شکر ہے اگر تمہیں شکر کا مقام حاصل ہوجائے گا، تو تمہارا نام شاکرین کی فہرست میں لکھ لیا جائے گا، نعمتوں کو اللہ کی طرف منسوب کرو، اور تمہارے دل میں بطور عقیدے کے یہ مضمون مستحضر رہے، کہ یہ سب کچھ مالک نے عطا کیا ہے، میرے پاس میرا اپنا کچھ نہیں ہے، زبان سے تو کبھی کبھی ہم بھی کہہ دیتے ہیں، لیکن محض رسماً کہتے ہیں، دل کی گہرائیوں سے عقیدے کے طور پر نہیں کہتے، اپنی حول وقوت سے، اپنی طاقت سے، اپنے ہنر سے اور اپنے خول سے نکل جاؤ، جو کچھ ہے اس کو مالک کا سمجھو، عقیدے کے طور پر اس کا استحضار رکھو اور پھر جب یہ عقیدہ دل کی گہرائیوں میں پیوست ہوجائے اور ہر بن مو میں سرایت کرجائے،

تو اب آگے بڑھو، اور اپنے وجود کو اللہ تعالیٰ شانہ کی اطاعت میں استعمال کرو، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں استعمال نہ کرو، جب یہ ہوگا تو تم شاکرین میں لکھ لئے جاؤ گے۔

احسان بالائے احسان:

شکر کرنے والوں کا بہت اونچا مقام ہے، اور شکر کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑے درجات عطا کئے جاتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی عنایت ہے، ایک چیز جو ہم پر عقلاً واجب تھی، اس کے بجالانے پر انعام دے رہے ہیں، ایک چیز آپ نے مجھے دے دی، میں نے اس کے جواب میں کہہ دیا شکریہ، آپ سے ایک قیمتی چیز وصول کر کے میں نے چھوٹے منہ سے شکریہ کہہ دیا، تو کیا میں اس پر انعام کا مستحق ہوگیا؟ جب تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ شانہ وجل مجدہ کی ہیں، اگر ہم شکر بجالائیں، تو یہ نعمت کا حق ہے اس کا شکر بجالانے پر مزید انعام کیسا؟ اور اگر ہم کفران نعمت کریں، تو یہ ہماری نالائقی ہے،لیکن مالک کی عجیب شان ہے، عجیب رحمت ہے، عجیب فیاضی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اگر تم ہماری نعمتوں کا شکر کرو گے تو ہم تمہیں اس شکر پر بھی انعام دیں گے: ”لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ۔“ (ابراہیم:۷) ”اگر تم شکر کرو گے تو ہم تمہیں اور نعمتیں عطا فرمائیں گے۔“

اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو کس قدر محبوب رکھتے ہیں، اس کا اندازہ اس حدیث شریف سے ہوگا،فرمایا:”اَلطَّاعِمُ الشَّاكِرُ بِمَنْزِلَةِ الصَّائِمِ الصَّابِرِ۔“

(مشکوٰۃ ص:۳۶۵ بحوالہ ترمذی)

ترجمہ:......”یعنی ایک آدمی کھا کر شکر کرتا ہے وہ ایسا ہے جیسے ایک آدمی روزہ رکھ کر صبر کرے۔“

کھا کر شکر کرنے والے کو اللہ تعالیٰ وہ ثواب عطا فرماتے ہیں، جو روزہ رکھ کر صبر کرنے والے کو عطا فرماتے ہیں، کوئی حد ہے اس انعام و احسان کی؟ اس لطف و کرم کی؟ تو اگر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو گے اور یہ تینوں قسم کے شکر بجا لاؤ گے، تو اللہ تعالیٰ کے شاکرین بندوں میں لکھے جاؤ گے، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے شکر گزار بندوں کے لئے بہت سے انعامات کا وعدہ فرمایا ہے، ان میں سے ایک انعام جو سب سے بڑا انعام ہے، وہ اپنی رضا کا مرتب کرنا ہے، حق تعالیٰ شانہ، شکر کرنے والے بندوں سے راضی ہوجاتے ہیں، مقام رضا اس کو نصیب ہوجاتا ہے۔

ناموافق حالات کی حکمت:

یہ تو وہ حالات تھے جو آدمی کی خواہش کے موافق پیش آتے ہیں، ان کو نعمت کہا جاتا ہے، ان پر شکر بجالاؤ، لیکن کبھی کبھی الٹ بھی ہوتا ہے، کوئی تکلیف پہنچی، کوئی مصیبت پہنچی، کوئی آفت پہنچی، کوئی پریشانی ہوئی، جو ہمیں ناگوار ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان ہوتا ہے، کہ میٹھا ہی کھانا چاہتے ہو، یا کبھی مرچیں بھی کھائی ہیں، کبھی منہ کا ذائقہ بھی بدلا ہے؟ یا بچوں کی طرح میٹھا کھانے ہی کے عادی ہو؟ کبھی کبھی ناگوار حالات بھی پیش آتے ہیں، بھائی ان حالات کا پیش آنا بہت ضروری ہے، اس میں بھی حق تعالیٰ شانہ کی حکمت کے بے شمار اسرار ہیں، بلایا ہیں، مصائب ہیں، تکالیف ہیں، اور حق تعالیٰ نے پہلے سے اعلان کردیا ہے، تاکہ جب یہ ناگوار حالات پیش آئیں، تو ان کو سہارنے کی ہمت پیدا ہوجائے، اور ان پر صبر کرنا آسان ہوجائے چنانچہ ارشاد ہے:

”وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ

وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ۔" (البقرہ:۱۵۵)

ترجمہ:......"ہم تمہاری آزمائش کریں گے، کچھ خوف کے ذریعہ، تھوڑی سی بھوک دے کر، جان میں، مال میں، اولاد میں، کچھ کمی دے کر۔"

یعنی کبھی جان کا نقصان ، کبھی مال کا نقصان، کبھی اولاد کا نقصان، کبھی بھوک، کبھی خوف، کبھی فقر، کبھی تکلیف، دکھ، بیماری، پریشانی دے کر ہم تمہیں آزمائیں گے، ہم نے تمہیں پہلے سے بتادیا کہ تمہیں کیا کرنا ہوگا، ان ناگواریوں پر صبر کرنا ہوگا:

"وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَا اَصَابَتْهُم مُّصِيْبَةٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔" (البقرۃ:۱۵۶)

ترجمہ:"اور خوش خبری دے دیجئے صبر کرنے والوں کو، صبر کرنے والے لوگ وہ ہیں کہ جب ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے، تو کہتے ہیں ہم اللہ کا مال ہیں، اور اس کی طرف لوٹنے والے ہیں۔"

مالک کو مال میں تصرف کرنے کا حق حاصل ہے۔آپ نے کپڑا پہنا ہوا ہے، آپ اس کے مالک ہیں، اگر آپ اسے کسی کو دے دینا چاہتے ہیں، یا اس کو کسی اور طریقہ سے استعمال کرنا چاہتے ہیں تو اس کپڑے کو کیا شکایت ہوسکتی ہے، بھائی یہ مالک ہے اور مالک اپنی ملکیت میں جو چاہے تصرف کرے، مالک کو کامل طور پر اپنے مال میں تصرف کا حق حاصل ہے، اور یہ تمام عقلاءُ کا مسلّمہ اصول ہے، باوجود اس کے کہ ہم مالک حقیقی نہیں، جیسا کہ ابھی معلوم ہوا کہ تمام نعمتیں اللہ کی جانب سے ہیں، اللہ کی عطا ہیں، عطا بھی مستعار، امانت کے طور پر دی گئی ہے، جب چاہیں گے واپس

لے لیں گے، یہ تمہیں ہمیشہ کے لئے لکھ کر نہیں دے دی، جس مکان میں رہتے ہو، جب چاہیں گے اس کو تم سے چھین کر دوسروں کو دے دیں گے، خود تمہارے وجود کے اندر جو نعمتیں تمہیں دی گئی ہیں، یہ بھی تم سے واپس لے لیں گے، اس لئے کہ وہ مالک ہیں، ہم اول تو مالک نہیں، یعنی جو چیزیں ہماری کہلاتی ہیں، ہم واقعتاً ان کے مالک نہیں، بلکہ یہ مانگے کی چیزیں ہیں، اور پھر یہ ہمیں ہمیشہ کے لئے نہیں دی گئیں، بلکہ مستعار ہیں، اسی لئے تعلیم دی گئی کہ زوال نعمت پر کہو: ''اناللہ'' بیشک ہم اللہ کے ہیں، اللہ کا مال ہیں۔

حضرت ام سلیمؓ کا عجیب واقعہ:

''عَنْ أَنسٍ رَضِیَ اللّٰہ تَعالٰی عَنْہُ قَالَ مَاتَ اِبْنُ لِأَبِیْ طَلْحَۃَ مِنْ أُمِّ سُلَیمٍ فَقَالَتْ لِأَھْلِھَا لَاتُحَدِّثُوْا أَبَا طَلْحَۃَ بِاِبْنِہٖ حَتّٰی أَکُوْنَ أَنَا أُحَدِّثُہٗ قَالَ فَجَاءَ فَقرَّبَتْ اِلَیْہِ عَشَاءً فَأَکَلَ وَشَرِبَ، فَقَالَ ثُمَّ تَصَنَّعَتْ لَہٗ أَحْسَنَ مَاکَانَ تَصَنَّعُ قَبْلَ ذَالِکَ فَوَقَعَ بِھَا فَلَمَّا رَأَتْ أَنَّہٗ قَدْ شَبِعَ وَأَصَابَ مِنْھَا قَالَتْ: یَا أَبَا طَلْحَۃَ أَرَأَیْتَ لَوْ أَنَّ قَوْمًا أَعَارُوْا عَارِیَتَھُمْ أَھْلَ بَیْتٍ فَطَلَبُوْا عَارِیَتَھُمْ أَلَھُمْ أَنْ یَّمْنَعُوْھُمْ؟ قَالَ لَا، قَالَتْ فَاحْتَسِبْ ابْنَکَ۔ قَالَ فَغَضِبَ فَقَالَ تَرَکْتِنِیْ حَتّٰی تَلَطَّخْتُ ثُمَّ أَخْبَرْتِنِیْ بِاِبْنِیْ فَانْطَلَقَ حَتّٰی أَتٰی رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَہٗ بِمَا کَانَ۔''

(مسلم ج:۲ ص:۲۹۲)

ترجمہ:......’’حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک بیٹا جو ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تھا، فوت ہوگیا، تو ام سلیم نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ تم نے ابوطلحہ کو اس کے بچے کے بارے میں نہیں بتانا، جب ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر واپس آئے تو اس نے ان کو کھانا وغیرہ کھلایا، پھر ان کے لئے اپنے آپ کو سنوارا، ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے اپنی ضرورت پوری کی، ام سلیم نے جب دیکھا کہ وہ مطمئن ہوگئے ہیں، تو (صبح کو) کہا: اے ابا طلحہ! جب کسی سے کوئی چیز عاریتاً لی جائے اور پھر وہ لوگ اپنی چیز کی واپسی کا مطالبہ کریں تو (جنہوں نے عاریتاً چیز لی ہے) ان کو روکنے کا حق ہے؟ ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ انہیں روکنے کا کوئی حق نہیں۔ ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ تیرا بیٹا فوت ہوچکا ہے۔ (ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ سنا) تو غصہ ہوئے اور فرمایا کہ تو نے مجھے رات کو نہیں بتایا، اور ابھی بتا رہی ہو، پھر ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم ﷺ کے پاس گئے اور رات کا واقعہ بتایا۔‘‘

یعنی حضرت ابوطلحہؓ، حضرت انسؓ بن مالک کے سوتیلے والد ہیں، ان کا ایک بچہ تھا، یہ کام سے گئے ہوئے تھے، پیچھے بچے کا انتقال ہوگیا، شام کو واپس آئے تو گھر والی سے پوچھا کہ بچہ کیسا ہے؟ ان کی اہلیہ حضرت ام سلیمؓ حضرت انسؓ کی والدہ ہیں، وہ کہنے لگیں کہ بچہ ٹھیک ہے، انہوں نے اطمینان سے کھانا کھایا، لیٹ گئے، رات کو میاں بیوی ملے بھی، صبح ہوئی تو ام سلیمؓ نے حضرت ابوطلحہؓ سے کہا کہ ایک مسئلہ پوچھنا

تھا، انہوں نے کہا کیا مسئلہ ہے؟ کہنے لگیں یہ جو میرے ساتھ والی پڑوسن ہے، ان سے میں نے کچھ زیور لے لیا تھا، اب وہ واپس مانگ رہی ہیں، مگر میرا جی چاہتا ہے کہ میں اسے واپس نہ کروں، کہنے لگے، واپس کیوں نہ کرو؟ جب یہ زیور ہمسائی کا ہے اور تم نے مانگے کے طور پر ہمسائی سے لے لیا تھا تو واپس کیوں نہ کرو؟ کہنے لگیں کہ مجھے اچھا بہت لگتا ہے، کہنے لگے اللہ کی بندی! جب اس کا ہے اور وہ واپس مانگ رہی ہے تو تمہیں اچھا لگے یا برا لگے اس کو واپس دے دینا چاہئے، ایسے ہی بھولی سی بن کر کہنے لگیں۔

اچھا واقعی واپس کردینا چاہئے، حضرت ابوطلحہؓ نے فرمایا: کیا یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟ جب تم نے ایک چیز مستعار لی ہے، اور مالک اس کی واپسی کا مطالبہ کررہا ہے تو تم اس کو کیسے روک سکتی ہو؟ کہنے لگیں وہ تمہارا بیٹا اللہ کی امانت تھا، وہ فوت ہوچکا ہے، مالک نے اپنی امانت واپس لے لی ہے، اس کو دفن کردو، یہ سن کر حضرت ابوطلحہؓ بہت برہم ہوئے، کہنے لگے مجھے رات بتادیتیں، کہنے لگیں: میں نے سوچا تھک کرآئے ہیں، اب دفن کرنے کا وقت تو ہے نہیں، اب بتاؤں گی، تو خواہ مخواہ ساری رات پریشان ہوں گے، کیا فائدہ؟ بتادوں گی، بچے کو تو جنازہ پڑھنے کے بعد دفن کردیا، تدفین کے بعد حضرت ابوطلحہؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رات کا یہ واقعہ ذکر کیا۔

حضور ﷺ کی دعا کی برکت:

بہرحال حضرت ابوطلحہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور آنحضرت ﷺ کو ام سلیمؓ کا واقعہ سنایا، واقعہ سن کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

”بَارَکَ اللّٰہُ لَکُمَا فِیْ غَابِرِ لَیْلَتِکُمَا ...... وَسَمَّاہُ عَبْدُاللّٰہِ۔“ اللہ تمہاری اس رات میں برکت عطا فرمائے، اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی دعا قبول فرمائی، اور اللہ تعالیٰ نے اس رات کے نتیجے میں ان کو بیٹا عطا فرمایا، جس کا نام عبداللہ رکھا گیا۔(مسلم ج:۲ ص:۲۹۲) اور ان کے صاحبزادے کے نو بیٹے قرآن کریم کے حافظ اور عالم ہوئے۔

اس خاندان کو نبی کریم ﷺ سے بہت خصوصیت تھی، اور بڑا ہی تعلق تھا، چنانچہ صحیح مسلم میں ہے:

”عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِکٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ لَمَّا رَمٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْجَمْرَۃَ وَنَحرَ نُسُکَہٗ وَحلَقَ، نَاوَلَ الْحَالِقَ شِقَّہُ الْأَیْمَنَ فَحلَقَہٗ ثُمَّ دَعَا أَبَاطَلْحَۃَ الْأَنْصَارِیَّ فَأَعْطَاہُ اِیَّاہُ، ثُمَّ نَاوَلَہُ الشِّقَ الْأَیْسَرَ فَقَالَ أَحْلِقْ فَحلَقَہٗ فَأَعْطَاہُ أَبَاطَلْحَۃَ فَقَالَ: أَقْسِمْہُ بَیْنَ النَّاسِ۔“ (مسلم ج:۱ ص:۴۲۱)

یعنی حجۃ الوداع کے موقع پر جب آنحضرت ﷺ نے حلق کرایا اور سر سے موئے مبارک اتارے، تو دائیں جانب کے آدھے بال حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلوا کر عنایت فرمائے، فرمایا یہ تمہارے ہیں، اور پھر بائیں طرف کے بال اتارے تو ابوطلحہؓ کو دے کر فرمایا: یہ لوگوں میں ایک ایک دے دو، بال سب میں تقسیم کردو، آدھے سر مبارک کے بال صرف ابوطلحہؓ کے پاس رہے، اور آدھے پورے مجمع میں ایک ایک، دو دو کرکے تقسیم کئے گئے۔

تو صبر کے کیا معنی ہیں؟ صبر کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شکایت نہ کرو، بلکہ یہ

مضمون ذہن میں رکھو: ''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔'' (یعنی ہم اللہ کا مال ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے والے ہیں)۔

اللہ کا مال ہے، اللہ نے لے لیا، اور ہم بھی اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں، ہم بھی اسی کے پاس جانے والے ہیں، اس میں دو مضمون ذکر کر دیئے، ایک یہ کہ اگر یہ نعمت چھن گئی، تو ہم خود چھننے والے ہیں، نہ صرف یہ کہ یہ نعمت پائیدار نہیں تھی، خود ہمارا وجود بھی پائیدار نہیں ہے، پھر اس پر اتنا غم کیوں کیا جائے؟ اور دوسرے یہ کہ ہم اللہ کی بارگاہ میں پہنچنے والے ہیں، تو ہمیں تمام تکالیف، تمام مصائب اور تمام پریشانیوں کا اجر اور بدلہ عطا فرمائیں گے، حدیث شریف میں فرمایا ہے:

''مَایُصِیْبُ الْمُؤْمِنُ مِنْ وَصَبٍ وَلَانَصَبٍ وَلَا سَقَمٍ وَلَا ھَمٍّ وَلَاحُزْنٍ وَلَا اَذًی وَغَمٍّ حَتّٰی الشَّوْکَۃِ یُشَاکُھَا، اِلَّا کَفَّرَ اللّٰہُ بِھَا مِنْ خَطَایَاہُ۔''

(مسلم ج:۲ ص:۳۱۹)

ترجمہ:...... ''مسلمان کو کوئی تکلیف، کوئی بیماری، کوئی پریشانی، کوئی غم، کوئی ایذا یا کوئی صدمہ پہنچے، حتیٰ کہ اگر اس کے کانٹا بھی چبھے، اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کے گناہ جھاڑ دیتے ہیں۔''

ایک اور حدیث میں دنیاوی تکالیف پر اجر و ثواب کو یوں بیان فرمایا گیا ہے:

''یَوَدُّ اَھْلُ الْعَافِیَۃِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ حِیْنَ یُعْطٰی اَھْلُ الْبَلَاءِ الثَّوَابُ لَوْ اَنَّ جُلُوْدَھُمْ کَانَتْ قُرِضَتْ فِی الدُّنْیَا بِالْمَقَارِیْضِ۔'' (ترمذی ج:۲ ص:۶۶)

ترجمہ:......’’قیامت کے دن جب اہل مصیبت کو ثواب عطا کیا جائے گا تو عافیت والے لوگ یہ تمنا کریں گے کہ کاش ان کے چمڑے دنیا میں قینچیوں سے کاٹ دیئے جاتے (اور یہ ثواب ان کو بھی مل جاتا)۔‘‘

تو یہ اللہ تعالیٰ کا انعام و احسان ہے کہ بندہ مؤمن کو جو تکلیف پہنچتی ہے اور اس پر وہ صبر کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اس کو برداشت کرتا ہے، اور کوئی شکوہ شکایت نہیں کرتا، تو حق تعالیٰ شانہ، اس کے لئے انعامات کے دروازے کھول دیتے ہیں، اور اس کو اپنی عنایات و الطاف کا مورد بنادیتے ہیں۔

ایمان کے دو بازو:

خلاصہ یہ کہ شکر اور صبر ایمان کے دو بازو ہیں، جن پر ایمان پرواز کرتا ہے، اب دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ شانہ، ہمیں اپنی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، اور ہمیں اپنے شکر گزار بندوں میں سے بنائیں، ہم کمزور ہیں، حق تعالیٰ شانہ، ہمیں عافیت کی نعمت عطا فرمائیں، اور تمام تکالیف اور مصائب و پریشانیوں سے ہماری حفاظت فرمائیں، اور جب کوئی تکلیف پیش آئے تو حق تعالیٰ شانہ، ہمیں اس پر صبر و رضا کی توفیق نصیب فرمائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

زبان کی حفاظت

جب صبح ہوتی ہے تو انسان کے بدن کے تمام اعضاء زبان کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھ! ہم تیرے ساتھ ہیں، اگر تو سیدھی رہی تو ہم بھی سیدھے رہیں گے، اگر تو ٹیڑھی چلی تو ہم بھی ٹیڑھے چلیں گے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

’’قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ: مَایَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْہِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ‘‘۔ (ق:۱۸)

ترجمہ: ’’فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ وہ کوئی لفظ منہ سے نہیں نکالنے پاتا مگر اس کے پاس ہی ایک تاک لگانے والا تیار ہے۔‘‘

زبان بہت بڑی نعمت ہے:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو زبان بہت بڑی نعمت عطا فرمائی ہے، آنکھ اور زبان یہ دو چیزیں ایسی ہیں کہ انکی منفعت سب سے بڑھی ہوئی ہے۔ انسانی اعضا میں زبان ہی کے ذریعہ ہم اپنے دل کے مدعا کو دوسروں کے سامنے بیان کرسکتے ہیں، اسی کے ذریعے اپنی تکلیف وغیرہ کا اظہار کرسکتے ہیں، اسی سے کاروبار اور معاملات چلتے ہیں، زبان نہ ہو تمام کاروبار معطل ہوجائیں، کتنی بڑی نعمت ہے۔ زبان کا استعمال کرنا، جس

طرح ایک بہت بری منفعت ہے، اسی طرح اس کے نقصانات بھی بہت زیادہ ہیں، تو عقل مند آدمی وہ ہے جو اپنی زبان کو منفعت کے لئے استعمال کرے، نقصان کے لئے استعمال نہ کرے، اس کے نقصان سے بچے، اس کی دینی منفعتیں تو ظاہر ہیں، اور آخرت کی منفعت وہ بھی بالکل واضح ہے، اس زبان کے ذریعہ آدمی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرسکتا ہے، قرآن کریم کی تلاوت کرسکتا ہے، درود شریف پڑھ سکتا ہے، اور خیر کے دوسرے کاموں میں اس کو استعمال کرسکتا ہے، اپنے لئے ذخیرۂ آخرت بنا سکتا ہے۔

چھوٹے سے عمل سے نجات آخرت:

یہ یہاں کی بات تو نہیں ہے لیکن یاد آ گئی تو ذکر کردیتا ہوں نماز کے بعد ہم لوگ تسبیحات پڑھتے ہیں، تینتیس مرتبہ سبحان اللہ، تینتیس مرتبہ الحمد للہ، چونتیس مرتبہ اللہ اکبر، اس طرح سے یہ پورا سو ہوجاتا ہے، اس سلسلے میں احادیث مختلف آئی ہیں، بعض روایتوں میں یہ ہے کہ تینتیس مرتبہ تینوں کلمات پڑھے جائیں، سبحان اللہ، الحمد اللہ، اللہ اکبر یہ ننانوے ہوجائیں گے، اور سوویں مرتبہ چوتھا کلمہ **لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شی ء قدیر** پڑھے۔اور بعض روایتوں میں اس کے ساتھ یہ دعا بھی آتی ہے:

”اللھم لَامانع لما اعطیت ، ولَا معطی لما منعت،سبحانک لا ینفع ذالجد منک الجد“۔

اور بعض روایتوں میں پچیس پچیس مرتبہ آیا ہے، پچیس مرتبہ سبحان اللہ، پچیس

مرتبہ الحمدللہ، پچیس مرتبہ اللہ اکبر، پچیس مرتبہ لا الہ الا اللہ، اور ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ: کیا تم میں سے ایک آدمی اس بات سے عاجز ہے کہ ہر نماز کے بعد دس دس مرتبہ یہ پڑھ لیا کرے؟ دس مرتبہ سبحان اللہ، دس مرتبہ الحمدللہ، دس مرتبہ اللہ اکبر، تو یہ تیس کلمات ہوجائیں گے اور پانچ نمازوں میں پڑھنے سے ڈیڑھ سو کلمات بن جائیں گے، اور اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر نیکی دس گنا دی جاتیہے، تو یہ ڈیڑھ ہزار بن جائیں گے، اور رات کو سوتے وقت یہ کلمات دس مرتبہ پڑھ لئے جائیں، یعنی تیتیس مرتبہ سبحان اللہ، تینتیس مرتبہ الحمدللہ، چونتیس مرتبہ اللہ اکبر، تو یہ سو ہوجائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر نیکی دس گنا ہوتی ہے تو یہ ایک ہزار ہوجائیں گے، پانچوں نمازوں کے اور رات کو سوتے وقت کے ملا کر یہ کلمات اللہ تعالیٰ کے یہاں ڈھائی ہزار ہوجائیں گے، تو دن میں تم ڈھائی ہزار نیکیاں اس طرح کما سکتے ہو، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم دن میں ڈھائی ہزار گناہ تو نہیں کروگے اور نیکیاں تمہیں ڈھائی ہزار مل جائیں گی تو تمہارا نیکیوں کا پلڑا بھاری رہے گا، اب دیکھئے کہ یہ بہت ہلکی پھلکی سی چیز ہے۔ میں اس سے پہلے ایک دفعہ بتا چکا ہوں کہ پہلے تو نماز کے بعد الحمد شریف پڑھنی چاہیئے، پھر آیت الکرسی پڑھنی چاہیئے، پھر سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۱۸ **شَهِدَ اللّٰهُ** (پوری آیت) پڑھنی چاہیئے، پھر سورۂ آل عمران کی آیت ۲۶۔۲۷ ’’**قل اللهم مالك الملك**‘‘ سے ’’**بغير حساب**‘‘ تک پڑھنی چاہیئے۔ پھر تسبیحات پڑھنی چاہئیں، تینتیس مرتبہ سبحان اللہ، تینتیس مرتبہ الحمدللہ، تینتیس مرتبہ اللہ اکبر، اور انکے بعد پھر چوتھا کلمہ، اور یہ دعا جو میں نے بتائی۔

”اللھم لا مانع لما اعطیت، ولا معطی لما منعت سبحانک لاینفع ذال الجد منک الجد“۔

ترجمہ: ”اے اللہ! کوئی روکنے والا نہیں اس چیز کو جو آپ عطا فرمائیں، اور کوئی دینے والا نہیں اس چیز کا جو آپ منع کردیں، آپ پاک ہیں، آپ کے مقابلے میں کسی مالدار کی مالداری کام نہیں دیتی“۔

یہ پڑھنا چاہئے اور ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہونے کے بعد سر پر ہاتھ رکھ کر تین مرتبہ پڑھتے تھے۔

”بسم اللہ الذی لا الہ الا ھو الرحمن الرحیم اللھم اذھب عنی الھم والحزن۔“

ترجمہ: ”اس اللہ کے نام سے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ نہایت رحم کرنے والا بڑا مہربان ہے، اے اللہ! دور کردے مجھ سے فکر اور غم“۔

مختصر سی نصیحت:

خیر یہ بات تو درمیان میں آ گئی، میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ یہ زبان ہے، اگر یہ خیر کے کاموں میں استعمال ہو تو آدمی بڑا ذخیرہ بنا سکتا ہے، اپنے لئے بے شمار نیکیاں کما سکتا ہے۔ ایک صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا یا رسول اللہ! مجھے کوئی نصیحت فرمائیے، لیکن مختصر سی نصیحت ہو، بات لمبی نہ

ہو، کہ مجھے یاد نہ رہے، دیہاتی قسم کے آدمی تھے، اس لئے خیال ہوا کہ لمبی بات بھول نہ جاؤں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''لا یزال لسانک رطباً من ذکر اللہ'' (تمہاری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہنی چاہئے)۔

کتنی مختصر اور کیسی عمدہ نصیحت فرمائی کہ اس بات کو پلے باندھ لو کہ ہمیشہ تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تر رہے، ذکر کرتے رہو، جب بھی تمہیں موقع ملے، جب بھی تمہیں فرصت ملے، تمہاری زبان پر اللہ کا نام جاری ہوجائے، بڑے ہی مبارک ہیں وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ یہ سعادت نصیب فرمادیتے ہیں کہ ان کی زبانیں اللہ کے نام اور اللہ کے ذکر سے مانوس ہوجاتی ہیں، یا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں انکی زبانیں اللہ کے ذکر سے تر رہتی ہیں، زبان اللہ کے ذکر میں مشغول رہتی ہے تو یہ زبان کی آخرت کی منفعت ہے، جو آخرت میں آدمی کو کام دینے والی ہے، جہاں اس کی (زبان کی) منفعتیں بے شمار ہیں، وہاں اس کے نقصانات بھی بے پناہ ہیں، اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں، یہ دو دھاری تلوار ہے۔

دو دھاری تلوار:

اس زبان کی دو دھاریں ہیں، اس لئے یہ زبان دو دھاری تلوار ہے ہر طرف کاٹ کرتی ہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب صبح ہوتی ہے تو انسان کے بدن کے تمام اعضا زبان کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھ! ہم تیرے ساتھ ہیں، اگر تو سیدھی رہی تو ہم بھی سیدھے رہیں گے، اگر تو ٹیڑھی چلی تو ہم بھی ٹیڑھے چلیں گے گویا تیری وجہ سے ٹیڑھا چلنا ہوگا تو زبان بڑی خطرناک چیز ہے، اور

خطرناک ہتھیار کو لوگ بند کر کے رکھا کرتے ہیں، کھلا نہیں رکھا کرتے، ایسا نہ ہو کہ لگ جائے، اس (زبان) کو بھی اللہ تعالیٰ نے بند کر کے رکھا ہے، اس دو دھاری تلوار کو نیام کے اندر رکھا ہے، یہ تمہاری مرضی ہے کہ جب چاہو اس کو کھولو، لیکن بہر حال یہ بند ہتھیار ہے، اللہ تعالیٰ نے تو اس کو بند کر رکھا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک دفعہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو دیکھا کہ اپنی زبان کو پکڑ کر کھینچ رہے ہیں کہ ''یا خلیفة رسول الله! ما هذا'' اس نے مجھ کو بہت سے گھاٹوں پر اتارا ہے'' ذرا اس کو تنبیہ کر رہا ہوں۔ اللہ اکبر! یہ صدیق ہیں جن کی زبان سے صدیق کے سوا کچھ نہیں نکلتا تھا، یہ ان کی بات ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحتیں:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بہت سی نصیحتیں فرمائی تھیں، تو اخیر میں فرمایا:

''الا اخبرک بملاک ذلک کله، قلت: بلی یا نبی الله فأخذ بلسانه کف علیک هذا۔ فقلت: یا نبی الله، وانا لمؤاخذون بما نتکلم به۔ قال ثکلت امک یا ماذ! وهل یکب الناس فی النار علی وجوههم او علی مناخرهم الاحصائد السنتهم۔'' (مشکوٰۃ:۴۱)

ترجمہ: ''کیا میں تمہیں ایک ایسی چیز نہ بتادوں جس پر تمام

چیزوں کا مدار ہے؟ میں نے کہا حضور! ضرور بتائیے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک کو پکڑ کر فرمایا: اپنی زبان کو قابو میں رکھو۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ہماری زبان سے جو الفاظ نکل جاتے ہیں کیا ہم سے اس پر بھی مواخذہ ہوگا؟ فرمایا: معاذ! تیری ماں تجھکو گم پائے (عرب کے یہاں یہ کلمہ ملامت کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ ناقل) لوگوں کو دوزخ میں اوندھے منہ ڈالنے والی چیز زبان کی کھیتیاں ہی تو ہوں گی''۔

لیجئے سب چیزوں کا مدار اس پر ہے کہ اپنی زبان کی حفاظت کرو۔ تو یہ زبان ہی ہے جو آدمی کو اوندھے منہ دوزخ میں گرائے گی، تو معلوم ہوا کہ یہ زبان جتنی منفعت بخش ہے، اتنی خطرناک بھی ہے، حد سے زیادہ خطرناک چیز ہے، مگر ہم لوگ اس کے استعمال میں احتیاط نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ نے زبان کی حفاظت کے لئے ایک مراقبہ ہمیں بتایا ہے۔

سورۂ ق کی جو آیت شریفہ میں نے پڑھی ہے اس میں یہی مراقبہ ذکر فرمایا ہے:

''مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ'' (یعنی وہ کوئی لفظ منہ سے نہیں نکالنے پاتا مگر اس کے پاس ہی ایک تاک لگانے والا تیار ہے)۔

کراماً کاتبین کی مثال:

یہ فرشتے کراماً کاتبین ہیں، جو انسان کے منہ سے نکلی ہوئی ہر بات فوراً اچک لیتے اور انسان کے تمام اعمال واقوال کا ریکارڈ کرلیتے ہیں۔

گھر میں لڑائی ہورہی تھی، عورتیں لڑتی بہت ہیں اور جب لڑتی ہیں تو ان کو خیال نہیں رہتا کہ ہمارے منہ سے کیا نکل رہا ہے، بہر حال عورتیں لڑرہی تھیں تو ایک لڑکے نے یہ شرارت کی کہ اس نے خفیہ ٹیپ لگادی خیر لڑائی بند ہوگئی، اب اس لڑکے کے والد ماجد گھر تشریف لائے تو لڑکے نے وہ ٹیپ لگادی، اب عورتوں کی لڑائی میں جو الفاظ زبان سے نکلتے ہوں گے ذرا غور کیجئے کہ اگر ٹیپ ان کو سنائی جائے تو ان کو خود کتنی شرم آنے لگے گی؟ جس طرح ٹیپ ریکارڈر اپنے اندر تمام الفاظ کو بند کرلیتا ہے اور محفوظ کرلیتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم زبان سے جو لفظ بھی نکالتے ہو، تمہارے پاس ایک فرشتہ موجود ہوتا ہے، جو اس کام کے لئے مقرر ہوتا ہے، جو ان الفاظ کو اچک لیتا ہے، بند کرلیتا ہے، یہ کراماً کاتبین ہیں، ان کے پاس ٹیپ ریکارڈ ہے، اور یوں کہتے ہیں کہ آدمی کی حرکات وسکنات کے ساتھ ان کے قلب کو حرکت ہوتی ہے، یعنی جوں جوں آدمی حرکت کرتا ہے یا اس کی زبان حرکت کرتی ہے یہا اس کے ہاتھ پاؤں حرکت کرتے ہیں جس طرح بھی آدمی حرکت کرتا ہے اس کے ساتھ ساتھ کراماً کاتبین کا قلم چلنے لگتا ہے، ان کو لکھنے میں تکلیف نہیں ہوتی، دوسرے الفاظ میں یوں کہہ دو کہ ان کے پاس لکھنے کی خودکار مشینیں ہوتی ہیں، ہماری ہر حرکت کو قلم بند کرنے کے لئے اور ہمارے تمام الفاظ کو ضبط کرنے کے لئے ان کے (کراماً کاتبین کے پاس) خودکار مشینیں ہیں۔

انسان کی موت کے وقت کراماً کاتبین کے تأثرات:

یہ بات یہاں ں کی نہیں، دوسری جگہ کی ہے، لیکن یہاں ذکر کر دیتا ہوں۔ جب آدمی مرتا ہے تو کراماً کاتین کو چھٹی مل جاتی ہے، اگر نیک آدمی ہو تو فرشتے اس سے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تم کو جزائے خیر عطا فرمائیں، ہمیں تمہاری بہت اچھی رفاقت حاصل رہی، اور اگر برا آدمی ہو تو مرتے وقت کراماً کاتبین اس کو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو تھ پر، تو کہاں کہاں ہمیں پھرایا، اور کتنی کتنی گندی جگہوں پر ہمیں لے گیا، تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ مراقبہ بتایا ہے کہ اگر ہم اس کو ذہن میں رکھیں، اپنے سامنے رکھیں، تو ہمیں اس ہتھیار کو بند رکھنے میں یا صحیح طور پر استعمال کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔ حدیث شریف میں فرمایا ہے:

”المسلم من سلم المسلمون منن لسانه ویده“۔

ترجمہ: ”مسلمان تو وہ ہے کہ مسلمان اس کی زبان سے اور اس کے ہاتھ سے محفوظ رہے“۔

یعنی مسلمان وہ ہے کہ دوسرے مسلمانوں کو اس کے وجود سے ایذا نہ پہنچے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے وجود کو ذکر کرنے کے بجائے اس کے دو اعضا کا نام لیا، ایک زبان، دوسرے ہاتھ، یعنی اس کی زبان سے اور اس کے ہاتھوں سے لوگوں کو ایذا نہ پہنچے، علما فرماتے ہیں کہ ان دونوں کے ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اکثر ایذا اُنہی دو چیزوں سے پہنچتی ہے، اور جب تک کہ ان دو چیزوں کی کثرت نہ ہو آدمی اپنے باقی وجود سے کسی کو ایذا ٔ نہیں پہنچا سکتا، ان دونوں اعضاِ کے بغیر کسی کو ایذا پہنچانا

ممکن ہی نہیں ہے، اگر اس کی زبان بھی بند ہو، اور اس کے ہاتھ بھی بندھے ہوئے ہوں، تو پھر یہ کسی کو ایذا نہیں پہنچا سکتا، زبان چلے گی، ہاتھ چلیں گے، تو کسی کو ایذا پہنچائے گا، اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ کو بعد میں ذکر فرمایا ہے زبان کو پہلے ذکر فرمایا ہے۔

زبان کا دائرہ:

علماؒ فرماتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ زبان کا دائرہ ہاتھ کے دائرے سے زیادہ پھیلا ہوا ہے، مطلب یہ کہ آدمی جتنی ایذا زبان سے پہنچا سکتا ہے، ویسی ایذا ہاتھ سے نہیں پہنچا سکتا، ایک تو اس لئے کہ ہاتھ صرف اسی آدمی پر اٹھے گا جو سامنے ہوگا، اور جو اس کے ہاتھ کی زد میں ہوگا، اور ہاتھ اس تک پہنچ سکے گا، اگر کوئی شخص ہاتھ کی زد سے باہر ہو تو ہاتھ سے ایذا نہیں پہنچا سکتا، کسی کے ہاتھ مُں تلوار ہے تو جو شخص تلوار کی زد سے باہر ہوگا اس کو ایذا نہیں پہنچا سکتا، اس کے ہاتھمُں تیر ہے تو تیر جہاں تک پھینکا جاسکتا ہے وہاں تک اس کی زد ہے، جو اس کی زد سے باہر ہوگا اس کو ایذا نہیں پہنچا سکتا، اس کے ہاتھ میں پستول ہے یا کوئی دوسرا خود کار اسلحہ ہے جہاں ں تک اس کی گولی کی مار ہے وہاں تک اس کا دائرہ ہے، وہیں تک ایذا پہنچا سکتا ہے، جو اس سے باہر ہوگا اس کو ایذا نہیں پہنچا سکتا، بخلاف زبان کے کہ اس کا کوئی دائرہ نہیں ہے، آسمان سے زمین تک پوری دنیا اس کے احاطے میں ہے، زبان کا احاطہ اتنا وسیع ہے کہ کوئی آدمی کسی اوٹ میں چھپ کر اس زبان سے پناہ نہیں لے سکتا، زبان جیسے سامنے والے پر چلے گی ویسے ہی غائب پر بھی چلے گی، جیسے سامنے والے پر چلے گی دیوار کے پیچھے والے پر بھی چلے گی، اور پھر ہاتھ تو صرف اسی آدمی پر چل سکتا ہے جو

اس وقت موجود ہو، لیکن زبان جب سے دنیا قائم ہوئی ہے اس وقت سے لے کر اور جب تک رہے گی اس وقت تک سارے انسانوں پر چلتی ہے۔

ایک بزرگ کو فوت ہوئے صدیاں ہوگئی ہیں، وہ عرصہ دراز سے جنت میں ڈیرہ لگائے ہوئے ہیں، اور ہم اس کو گالیاں نکال رہے ہیں، برا بھلا کہہ رہے ہیں، کتنی بے احتیاطی کی بات ہے، لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا بھلا کہتے ہیں، نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ، اللہ کی پناہ! حضرات ائمہ دین رحمہم اللہ کو برا بھلا کہتے ہیں، بزرگان دین رحمہم اللہ کو برا بھلا کہتے ہیں، اللہ کے بندو! ذرا یہ تو سوچو کہ تمہاری اپنے زمانے والوں سے لڑائی کوئی کم تھی کہ جن بزرگوں کو دنیا سے گزرے ہوئے صدیاں بیت چکی ہے، ان کی قبروں کے نشان تک مٹ چکے ہیں تم ان کو برا بھلا کہہ رہے ہو۔ تو زبان کا دائرہ محدود نہیں، ماضی مستقبل اور حال تینوں زمانے اس کی زد میں آتے ہیں، زمانے کے اعتبار سے ہی اس کا دائرہ وسیع ہے، اور پھر تلوار اور نیزے کے زخم تو مندمل ہوجاتے ہیں، لیکن زبان کا زخم مندمل نہیں ہوتا، اس کے گھاؤ مٹتے نہیں ہیں، یہ ایک اللہ تعالیٰ نے آدمی کو ایسا خطرناک ہتھیار دیا ہوا ہے کہ اللہ کی پناہ!

زبان کے گناہ:

اس لئے اس کو حفاظت کے ساتھ استعمال کرنا یہ ہمارے ذمے فرض قرار دیا گیا ہے، اپنی زبان کو خیر کا عادی بنایا جائے، شر سے اس کو بچایا جائے، امام غزالی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: بیس گناہ کبیرہ زبان سے متعلق ہیں، بیس کبیرہ گناہ بھی مثال کے طور پر ہیں مثلاً کسی مسلمان کو گالی دینا، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے:

”سباب المومن فسوق وقتاله کفر“۔

ترجمہ: ”کسی مومن کو گالی گوچ کرنا یہ فسق اور نافرمانی ہے کہ آدمی اس سے فاسق ہوجاتا ہے، اور کسی مومن کے ساتھ لڑائی کرنا قتال کرنا یہ تو کفر کی بات ہے“۔

اور مثال کے طور پر کسی پر بہتان لگانا، بہتان کے کیا معنی ہیں؟ آپ جانتے ہیں، جو کام کسی نے نہ کیا ہو، اس کو اس کی طرف منسوب کرنا کہ اس نے یہ کام کیا ہے، حالانکہ اس بیچارے نے نہیں کیا ہے، ایک غلط بات کو کسی مسلمان سے منسوب کرنا، یہ بہتان تراشی ہے، اور بہتان تراشی کا کبیرہ گناہ ہونا ظاہر ہے، کیونکہ اس میں جھوٹ بھی ہے کیونکہ ایک خلاف واقعہ بات جب کوئی شخص کہہ رہا ہے تو یہ بات جھوٹ ہوئی، اور اس کے ساتھ ساتھ اس میں ایک مسلمان کی بے آبروئی بھی ہے، اور کسی مسلمان کی ہتک عزت یہ بھی گناہ کبیرہ ہے، حجۃ الوداع کے موقع پر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا تھا اس میں ایک بات یہ بھی ارشاد فرمائی تھی:

انسان کی حرمت:

”اَلَا ان دمائکم واموالکم حرام علیکم کحرمة یومکم هذا فی شهر کم هذا فی بلد کم هذا“۔

(مشکوٰۃ، ص: ۲۲۴)

ترجمہ: ”سنو تمہارے آپس کے خون ایک دوسرے کے لئے، تمہارے آپس کے مال ایک دوسرے کے لئے، (اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے کے لئے) حرام ہیں جیسے آج کے دن کی

حرمت ہے اس مہینے میں، اور اس شہر میں۔“

کسی کا خون بہانا حرام، کسی کا مال کھانا حرام، اور کسی کی بے آبروئی کرنا حرام، اور یہ ایسا حرام ہے جیسا کہ آج کا دن لائق احترام ہے، آج کا مہینہ لائق احترام ہے، اور یہ شہر لائق احترام ہے، یعنی شہر مکہ! جس طرح شہر مکہ کی حرمت کو پامال کرنا حرام ہے، اور جس طرح یوم عرفہ کی حرمت کو پامال کرنا حرام ہے، اسی طرح تمہارے آپس کے خون، آپس کے مال، اور آپس کی عزتیں ان کو پامال کرنا حرام ہے، تو کسی مسلمان کی بے آبروئی کر دینا یہ معمولی گناہ نہیں ہے، اور مثال کے طور پر کسی مسلمان کی غیبت کرنا، غیبت کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ کسی کی پیٹھ پیچھے ایسی بات کہی جائے کہ اگر اس کے منہ پر کہی جاتی تو اس کو ناگوار ہوتی، چاہے وہ تمہاری وجہ سے نہ بولتا ہو، لیکن اس کو تکلیف ہوتی، بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ میں اس کے منہ پر کہہ دوں گا، تو تم اس کے منہ پر اگر کہہ دو گے تو اس سے وہ بات کرنا جائز نہیں ہوگیا، بھائی تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے، سوال یہ ہے کہ اگر تم اس کے منہ پر کہو تو تمہارا کہنا اس کو برا لگے گا یا نہیں لگے گا؟ اس کو اس سے تکلیف ہوگی یا نہیں ہوگی؟ اگر اس کے منہ پر تمہارا کہنا برا نہیں لگے گا تو ٹھیک ہے، پھر یہ غیبت نہیں ہے، اور غیبت کتنا بڑا گناہ ہے؟ حدیث میں فرمایا ہے: ”الغيبة اشد من الزنا“ (یعنی غیبت زنا سے بھی سخت اور بدتر ہے۔)

غیبت کی برائی:

غیبت زنا سے زیادہ سخت ہے، غیبت زنا سے بھی زیادہ گناہ ہے، خدانخواستہ کسی سے زنا سرزد ہو جائے تو وہ اپنے آپ کو مجرم سمجھتا ہے، اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے، اللہ

تعالیٰ محفوظ رکھے، اللہ تعالیٰ ہر مسلمانکو محفوظ رکھے، اس کا ضمیر بھی اپنے آپ کو ملامت کرتا ہے، کہ میں نے برا کیا، دنیا تو اس کو برا کہتی ہی ہے۔ لیکن یہ غیبت کرنا والا اپنے آپ کو پاکباز سمجھتا ہے، ماشاء اللہ زنا کرنے والا زنا کرے تو چونکہ اس کو برا سمجھتا ہے اس لئے وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ بھی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا ہے، لیکن غیبت کرنے والے کو کبھی اللہ سے معافی مانگتے نہیں دیکھا، سارا دنلوگوں کی غیبتیں کرتا رہے گا، اور کبھی اللہ کے سامنے یہ نہیں کہے گا کہ یا اللہ مجھ سے قصور ہوگیا ہے، معاف کردے، پھر زنا اللہ کا حق ہے،، یعنی اس گناہ کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے، اگر کسی سے غلطی ہوجائے، اور وہ سچے دل سے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لے تو ہمیں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور کرم سے یہی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ معاف کردیں گے، لیکن غیبت کا تعلق بندوں سے ہے، اللہ تعالیٰ سے بھی ہے، اللہ کی بھی نافرمانی ہے، اور بندوں کی بھی حق تلفی ہے۔ اور چونکہ غیبت کا تعلق بندوں سے ہے اس لئے جب تک بندوں سے معافی نہ مانگ لی جائے اللہ تعالیٰ معاف نہیں فرماتے، خواہ کتنی ہی توبہ کرلو، بھائی! میں نے قصور تو زید کا کیا ہوا اور معافی عمر سے مانگوں؟ یہ کون سا اصول ہے، زید کا قصور ہے تو تم زید سے معافی مانگو، غیبت تو تم ننے کی ہے انسانوں کی، اور معافی مانگتے ہو اللہ سے، اللہ کا بھی قصور کیا ہے، اللہ تعالیٰ اپنا قصور معاف فرمادیں گے، لیکن جب تک صاحب حق معاف نہیں کرتا اس وقت تک کیسے معافی ہوگی؟ لیکن، اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائیں، اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائیں، اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائیں، غیبت کے معاملے میں تو ہماری زبانیں قینچی کی طرح چلتی ہیں، ہماری مجلسوں کا موضوع

غیبت ہوتی ہے، اور یہ بیماری خاص طور سے عورتوں کی بیماری ہے، جب بھی یہ دو آ کر بیٹھیں گی تیسری کی بات ضرور کریں گی، لیکن اب یہ صرف عورتوں کی بیماری نہیں رہی، مرد اس بیماری میں عورتوں سے بھی زیادہ بیمار ہوگئے ہیں، اللہ ہمیں معاف فرمائے، ہماری زبان سے کسی مومنکو امان نہیں، خصوصیت کے ساتھ اگر کسی سے کوئی غلطی ہوجائے تو پھر تو کھلی چھٹی مل جاتی ہے اس کے کیڑے نکالنے کی، اس کی برائیاں کرنے کی، اس کی عیب جوئی کرنے کی، ایک بزرگ ایک بس میں جارہے تھے، ان کے منہ سے نکل گیا کہ ڈرائیور ماہر نہیں ہے، بعد میں احساس ہوا کہ یہ تو میں نے غیبت کی ہے، میں نے ڈرائیور کو کہا ہے کہ یہ ماہر نہیں ہے، یہ فقرہ اگر ڈرائیور کے سامنے کہا جاتا تو برا مانتا کہ نہیں مانتا؟ یہ تو میں نے غیبت کی ہے، اب دیکھئے یہ ایک چھوٹی سی بات تھی۔ ستر پوشی اور عیب پوشی یعنی کسی کے عیب کو کسی کے سامنے بیان نہ کرنا، یہ تو ہمارے یہاں ہے ہی نہیں۔ جب کسی کا عیب معلوم ہوجائے تو پیٹ میں اپھارہ ہوجاتا ہے، نفخ ہوجاتا ہے، ہوا بھر جاتی ہے، ایک شخص جابر جعفری ہوا ہے، ہماری کتابوں ل میں سینوں کی کتابوں میں بھی اس کی روایتیں موجود ہیں، لیکن اصل میں شیعہ تھا، ہمارے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

”مارأیت افضل من عطاء وما رأیت اکذب من جابر الجعفی“۔

ترجمہ: ”میں نے عطاء بن رباح سے افضل اور بہتر آدمی نہیں دیکھا اور جابر جعفری سے جھوٹا آدمی کسی کو نہیں دیکھا“

جابر جعفی کے کذبات:

شیعوں کی ایک کتاب ہے رجال کشی اس میں لکھا ہے کہ جابر جعفری کہتا تھا کہ مجھے امام باقر رحمہ اللہ نے تین دفتر دیئے احادیث کے، اب مجھے صحیح تعداد یاد نہیں رہی کہ کتنی لاکھ حدیثیں ذکر کی تھیں، تو انہوں ں نے مجھے اتنے لاکھ احادیث کے تین دفتر دیئے اور یہ فرمایا تھا کہ یہ جو پہلا دفتر میں نے دیا ہے اس کو تو تم بیان کرلو لوگوں کے سامنے، اور یہ جو میں نے دوسرا دفتر تمہیں دیا ہے یہ میری زندگی میں بیان نہ کرنا، میرے مرنے کے بعد بیان کرنا، اور یہ تیسرا دفتر دے رہا ہوں یہ کبھی بیان نہ کرنا، یہ صرف تمہارے لئے ہے، جابر کہتا ہے کہ میں نے کہا کہ جی بہت اچھا! لیکن ان احادیث کو بیان نہ کرنے سے میرے پیٹ میں درد ہوگیا، اور میں جنگل میں چلا گیا، جنگل میں جاکر تنہائی میں ان حدیثوں کو بیان کرنا شروع کیا، جھوٹا آدمی ہے خبیث۔ تو ہم بھی جب تک کسی سے بات نہ کرلیں ہمیں نفخ ہوجاتا ہے، پیٹ میں درد ہوجاتا ہے، اور یہ بہت بری عادت ہے، اسی طرح ایک گناہ زبان کا ہے کسی مسلمان کو عار دلانا، کسی سے کوئی غلطی ہوگئی، اس بے چارے کو اپنی غلطی پر خود ہی شرمندگی ہے، لیکن یہ اس کو طعن و تشنیع کرتا ہے، آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گناہ کو بھی گناہ کبیرہ فرمایا ہے، کیونکہ اس عار دلانے سے مقصود اس کی تذلیل ہے، یہ مقصود نہیں ہے کہ یہ گناہ چھوڑ دے، اور ایک گناہ زبان کا کسی مسلمان کی تکلیف پر خوشی کا اظہار کرنا ہے، یہ رذالت اور کمینگی ہے، لیکن اللہ ہمیں معاف فرمائے ہم میں سے اکثر لوگ اس کمینگی میں مبتلا ہیں، آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''کسی مسلمان کی تکلیف پر خوشی کا اظہار نہ کرو ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کو عافیت عطا فرمادیں اور تمکو مبتلا کردیں''۔

کسی کو عار دلانا:

اور عار دلانے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی مسلمان کو کسی گناہ کی عار دلائے گا اللہ پر لازم ہے کہ مرنے سے پہلے اس کو اس میں مبتلا کرے، نعوذ باللہ، ثم نعوذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ مرنے سے پہلے اس کو ضرور مبتلا کردیں گے۔ تو خلاصہ یہ ہے کہ ہماری زبان شر میں استعمال نہیں ہونی چاہئے، خیر میں استعمال ہونی چاہئے، دوسروں کے قصوں میں نہ پڑو، اپنا قصہ نمٹاؤ، لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ دوسروں کی اصلاح کی فکر مُں پڑ گئے، اور اپنی اصلاح کی فکر سے غافل ہوگئے، دنیا جہان پر تنقیدیں اور تبصرے ہورہے ہیں، لیکن اپنی ذات شریف سامنے نہیں ہے، اگر کسی کو تنقید ہی کرنی ہو تو تنقید کرنے کے لئے خود اپنی ذات بہت ہے۔ ایک بزرگ تھے ایک آدمی انکو برا بھلا کہہ رہا تھا۔ وہ بزرگ چلتے گئے، یہ شخص ان کے پیچھے جاتے ہوئے ان کو برا بھلا کہہ رہا تھا۔ وہ بزرگ آگے جاکر ٹھہر گئے، فرمانے لگے کہ بھائی اب یہ میرا محلّہ آرہا ہے، یہاں کے لوگ جان پہچان رکھتے ہیں، تو جو کچھ تمہیں کہنا ہو ابھی کہہ لو، آگے جاؤ گے تو ایسا نہ ہو کہ کوئی تمہیں پکڑ لے یا تم سے کوئی تعرض کرے، اس لئے تم نے جو کچھ کہنا ہے ابھی ابھی کہہ لو۔ ایک دوسرے بزرگ کا قصہ ہے کہ ان کے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آیا، ایک شخص ان کو برا بھلا کہتا رہا، وہ شخص جب تھک گیا تو وہ بزرگ فرمانے لگے کہ میاں میرے اصل عیب تو تمہیں معلوم ہی نہیں ہیں، تم نے

بہت چھوٹی چھوٹی باتیں بیان کی ہیں، اگر تمہیں میرے اصل عیوب کا علم ہو جائے تو نہ معلوم تم مجھے کیا کہتے، مبارک ہے وہ آدمی جو دوسروں کے عیبوں سے اندھا ہو، اور اپنے عیب دیکھنے والا ہو، بہت ہی بدقسمت ہے وہ آدمی جس کی آنکھیں اپنے عیبوں سے بند ہوں اور لوگوں کے عیب اس کو نظر آئیں، تو لوگوں کے عیوب سے اپنی نظریں بند کرلو، نظریں بند کرلوگے تو زبان بھی بند ہو جائے گی، تمہیں کسی کا عیب نظر ہی نہیں آنا چاہئے۔ اب ایک بات کہہ دیتا ہوں کہ تم کہو گے کہ اب آنکھیں کھلی ہیں تو لوگوں کے عیب کیسے نظر نہ آئیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بہت آسان کام ہے، یہ کوئی زیادہ مشکل کام نہیں ہے، آنکھوں کو بھی بند کرسکتے ہو، لیکن اگر کسی کے عیب پر نظر پڑ بھی جائے تو تم یوں سوچ سکتے ہو کہ اس کا ایک عیب مجھے معلوم ہے۔ میرے اندر نہ معلوم کتنے عیب ہیں، میرے سے تو یہ اچھا ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائیں، اللہ تعالیٰ ہماری کوتاہیوں اور لغزشوں کو معاف فرمائیں، اللہ تعالیٰ نے بہت ہی قیمتی نعمت عطا فرمائی ہے زبان، اللہ تعالیٰ ہمیں اس کو صحیح طور پر استعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، زبان بڑی قیمتی چیز ہے اس کو اچھی جگہ استعمال کرو اللہ کے ذکر میں استعمال کرو، غلط جگہوں میں استعمال نہ کرو۔

وآخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمین

بہترین تاجر
کی علامات

سب سے بہترین تاجر وہ ہے جو اپنا حق وصول کرنے میں خوش معاملہ ہو،اور قرض ادا کرنے میں بھی خوش معاملہ ہو۔ جن لوگوں کے قرضے اس کے ذمہ ہوں ان کو پریشان نہ کرے بلکہ فوراً ادا کرنے کی کوشش کرے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدلله وسلام على عباده الذين اصطفى!

قال النبى صلى الله عليه وسلم فى خطبته:" الا ان خير التجارمن كان حسن القضا حسن الطلب، وشر التجار من كان سيئى القضا سيئى الطلب، فاذا كان الرجل حسن القضاء سيئى الطلب او كان سيئى القضاء حسن الطلب فانها بها، الا ان لكل غادر لواء يوم القيامة بعقدر غدرته، الا واكبر الغدر غدر امير عامة، الا اليمنعن رجلا مهابة الناس ان يتكلم بالهق اذا علمه: الا ان افضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر، الا ان مثل مابقى من الدنيا فيما مضى منها مثل مابقى من يومكم هذا فيما مجى منه"۔

(حیاۃ الصحابۃ عربی، جلد:۳،ص:۴۲۷)

دنیا میٹھی اور سرسبز ہے:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبے کے کئی مضامین ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دنیا میٹھی ہے، سرسبز ہے اور اللہ تعالیٰ نے تم کو اس میں خلیفہ بنایا ہے، وہ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ تم کیسا عمل کرتے ہو؟ اس لئے دنیا

سے ڈرو اور عورتوں سے ڈرو، اس لئے کہ بنی اسرائیل کا سب سے پہلا فتنہ عورتوں میں ہوا۔

خوش قسمت و بدقسمت:

دوسرا مضمون بیان فرمایا: کہ ایک آدمی مومن پیدا ہوتا ہے، مومن جیتا ہے، اور مومن مرتا ہے، یہ خوش قسمت ہے، ایک کافر پیدا ہوتا ہے، کافر جیتا ہے، کافر مرتا ہے، اور ایک کافر پیدا ہوتا ہے، کافر جیتا ہے، لیکن مومن ہوکر مرتا ہے، اور چوتھی قسم کا وہ آدمی ہے جو مومن پیدا ہوتا ہے، مومن جیتا ہے، لیکن کافر ہوکر نعوذ باللہ مرتا ہے۔

غصہ آگ کا شعلہ:

تیسرا مضمون یہ ہے کہ غسہ آگ کا ایک شعلہ ہے جو آدمی کے دل میں بھڑک سکتا ہے، اور غصے کے اعتبار سے انسانوں کی چار قسمیں ہیں، سب سے بہتر آدمی وہ ہے جس کو بڑی دیر سے غصہ آئے، یعنی کبھی کبھار غصہ آئے، اور فوراً اتر جائے، سب سے برا آدمی وہ ہے جس کو بات بات پر غسہ آئے اور آنے کے فوراً بعد نہ اترے، اور جس کو دیر سے غصہ آئے اور دیر سے اترے یا جلدی غصہ آئے اور جلدی اتر جائے، یہ دونوں برابر ہیں۔

بہترین تاجر:

چوتھا مضمون جو یہاں ذکر کرنا ہے یہ ہے کہ: ”سب سے بہتر تاجر وہ ہے جو اپنا حق وصول کرنے میں، یعنی قرضہ وصول کرنے میں خوش معاملہ ہو، اور قرضہ ادا کرنے میں بھی خوش معاملہ ہو، جن لوگوں کے قرضے اس کے ذمے ہوں ان کو

پریشان نہ کرے بلکہ فوراً ادا کرنے کی کوشش کرے اور اس کے اپنے قرضے جو لوگوں کے ذمے ہوں ان کے معاملے میں لوگوں کو پریشان نہ کرے بلکہ جب بھی لوگ سہولت کے ساتھ دے سکیں وصول کرلے، اس کو فرمایا: ’’حسن القضاء حسن الطلب‘‘۔ قرضے کے ادا کرنے میں بھی خوش معاملہ ہو، اور قرضے کے مانگنے اور وصول کرنے میں بھی خوش معاملہ ہو، ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں کہ کسی کا حق اپنے ذمہ ہو تو فوراً ادا کرنے کی کوشش کریں اور اپنا حق دوسروں کے ذمے ہو تو وصولی کی زیادہ فکر نہ کریں، اور کہیں کہ آجائیں گے بھائی، کوئی بات نہیں، یہ سب سے اچھا تاجر ہے، فرمایا سب سے بدتر تاجر وہ ہے: ’’ سیئی القضاء‘‘ اور ’’سیئی الطلب‘‘ ہو۔ یعنی کسی کا دینا ہو تو ٹال مٹول کرے، اور جب کسی سے لینا ہو تو فوراً تقاضا کرے اور وہ اگر نہ دے سکے یا دینے میں پس وپیش کرے تو اس کو بے عزت کرے، یہ سب سے بدتر تاجر ہے اور عام لوگوں کی نفسیات یہی ہیں کہ اپنے کچھ ذمے ہوتا ہے تو ادا کرنے کی پرواہ نہیں کرتے، بس یہ کہہ دیں گے: دے دیں گے یار! حالانکہ پیسے بھی موجود ہیں، کوئی مجبوری بھی نہیں، قرضہ ان کو واپس کرسکتے ہیں، لیکن اس کے باوجود نہیں دیتے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ایسے ہی شخص کے بارہ میں ہے: ’’مطل الغنی ظلم‘‘۔ مالدار آدمی جو دینے کی ہمت اور گنجائش رکھتا ہے اس کے باوجود اس کا ٹال مٹول سے کام لینا ظلم ہے، دوسروں کے پیسے دبائے ہوئے ہے اور اپنے کام کے بڑھانے کی فکر کررہا ہے، اس کو یہ خیال تو گزرتا ہے کہ اگر لوگوں کے پیسے ادا کردیئے تو بڑی مشکل پیدا ہوجائے گی، میرے کاروبار میں کمزوری پیدا ہوجائے گی، مگر یہ احساس نہیں کہ جن لوگوں کے پیسے میرے ذمے ہیں ان کے

کاروبار میں بھی تو کمزوری آسکتی ہے۔ گویا اس کا تو رواج ہی ختم ہوگیا کہ جو وقت طے کرلیا اس وقت پر قرضہ واپس کردیا جائے، اس رمضان کو طے کیا ہے تو اگلے رمضان کو دیں گے، الا ماشاء اللہ۔

عام لوگوں کی نفسیات:

تو عام لوگوں کی نفسیات یہ ہے کہ وہ دیتے ہوئے ٹال مٹول سے کام لیتے ہیں، باوجودیکہ ان کے پاس گنجائش ہوتی ہے، گنجائش ہونے کے یہ معنی ہیں کہ آگے پیچھے کرکے دے سکتے ہیں لیکن ان کی حرص اور ان کا بخل ان کو قرض لوٹانے سے مانع ہوتی ہیں، حرص اپنے کام کو بڑھانے کیلئے اور بخل اپنے ہاتھ سے پیسہ نکلنے کی وجہ سے۔ عام طور پر لوگ وصول کرنے کے معاملہ میں بھی ایسے ہی ہیں، کسی سے لینا ہوتو بہت برے طریقے سے پیش آتے ہیں۔

بنی اسرائیل کے مال دار کا قصہ:

حدیث شریف میں آتا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک آدمی بہت بڑا سیٹھ اور مال دار تھا، اس نے اپنے ملازموں سے کہہ رکھا تھا کہ بھائی! قرضے کے وصول کرنے کے معاملے میں کسی کو تنگ نہیں کرنا، جو شخص قرضہ لے جائے یا اس کے ذمے ادھار ہو، خود ہی دے جائے گا اس کا زیادہ پیچھا نہ کیا کرو، یاددہانی کرادی، وہ تو ایک الگ بات ہے، لیکن وہ بھی بڑے بھونڈے طریقے سے نہیں ہونی چاہئے، اس نے اپنے غلاموں سے کہا کہ بات یہ ہے کہ میرے ذمے بھی اللہ تعالیٰ کا بہت قرضہ ہے اگر اللہ تعالیٰ نے اسی طرح شدت اور سختی کے ساتھ اس کا مطالبہ شروع کردیا تو پھر میرے پاس دینے کے لئے کچھ نہیں ہوگا مشکل پیش آئے گی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس کا انتقال ہوگیا تو حق تعالیٰ شانہ نے فرشتوں سے فرمایا کہ میرا یہ بندہ لوگوں کے ساتھ آسانی کا معاملہ کرتا تھا، مجھے شرم آتی ہے کہ میرا بندہ تو اتنی نرمی کرے اور میں رب کائنات اور خدا تعالیٰ ہوکر یہ نہ کروں، یہ تو بیچارہ عاجزی تھا، محتاج تھا، اس میں پیسے کی حرص بھی تھی، مال بڑھانے کی حرص بھی تھی اور ہم بے نیاز ہیں، ہمیں کسی چیز کی حاجت بھی نہیں تو جب وہ بندہ ہوکر ایسا معاملہ کرتا تھا، میں خدا ہوکر ایسا معاملہ کیوں نہ کروں؟ بس میرے بندے سے درگزر کا معاملہ کرو، اس سے کسی چیز کا مطالبہ نہ کرو" سخت مے گیرد جہاں برمرد ماسخت گیر"۔ جو لوگ سخت گیری کا معاملہ کرتے ہیں آسمان والے کی طرف سے ان کے ساتھ بھی سخت گیری کا معاملہ ہوتا ہے۔ تو سب سے بہتر آدمی وہ ہے کہ کسی کا حق اپنے ذمے ہوتو فوراً ادا کرنے کی کوشش کرے، پہلی فرصت میں اور پہلی گنجائش میں حقوق ادا کرنے کی کوشش کرے، اس لئے کہ خدانخواستہ کسی وقت داعی اجل کا بلاوا نہ آجائے؟۔

زندگی کا پتہ نہیں:

حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ ایک بہت بڑے محدث تھے، ایک استاذ اور شیخ سے حدیث سن رہے تھے، شیخ زبانی حدیث بیان فرمارہے تھے، کتاب سامنے نہیں تھی کیونکہ ان کو حدیث یاد تھی، سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ شیخ سے کہنے لگے جی چاہتا تھا کہ آپ کتاب دیکھ کر حدیث سناتے تاکہ مزید اطمینان ہوجاتا۔ شیخ نے کہا کہ میں کتاب دیکھ کر سنادیتا ہوں، اندر سے کتاب لانے کے لئے اٹھنے لگے، تو سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کہنے لگے: جی ٹھہر جائیے یہ حدیث تو مجھے آپ زبانی سنادیجئے، گھر سے کتاب لاکر پھر سنادیجئے گا، نامعلوم آپ کے آنے تک میں زندہ رہوں یا نہ

رہوں، ایسا نہ ہو کہ خدانخواستہ آپ کے واپس آنے تک میں چلتا بنوں اور حدیث سے محروم ہو جاؤں۔

میرے بھائی! اپنے ذمے جو حقوق ہوں وہ جتنی جلدی ادا ہو جائیں بہتر ہیں، خدا جانے کس وقت موت کا بلاوا آ جائے، اور پھر پیچھے آپ کے وارث ہوں گے وہ ادا کریں یا نہ کریں پکڑے ہوئے آپ ہوں گے مگر ادا کرنے والا کوئی بھی نہیں ہوگا، ان کو کیا درد ہے؟ معاملہ آپ نے کیا تھا، پکڑے ہوئے آپ ہیں، اب وہ ادا کریں، نہ کریں ان کی مرضی، آپ وہاں سے ان کو ٹیلی فون بھی نہیں کر سکتے کہ بھائی میں یہاں پکڑا ہوا ہوں چھڑ والوں، کیونکہ وہاں ٹیلی فون سروس نہیں ہے، اللہ کے بعض بندے ایسے ہیں جو وہاں سے بھی ٹیلی فون کر دیتے ہیں، میری پھوپھی صاحبہ کا واقعہ ہے، اللہ تعالیٰ غریق رحمت کرے، بہت نیک خاتون تھیں، کسی خاتون نے ان کے پاس امانت رکھی ہوئی تھی یعنی کچھ پیسے رکھے ہوئے تھے، وہ کافی دن بیمار رہیں لیکن اس خاتون کو بھی ذہن میں نہیں رہا، اور پھوپھی صاحبہ کے ذہن میں بھی واپس کرنے کا خیال نہیں آیا، اسی طرح وہ چلی گئیں ان کو اس کا خیال بھی نہ رہا، تیسرے دن اپنی بہو کو خواب میں آتی ہیں اور کہتی ہیں کہ برتنوں کی فلاں کوڑی کے فلاں برتن میں (دیہاتوں میں برتنوں کی کوڑیاں ہوتی ہیں) اتنے پیسے رکھے ہوئے ہیں اور یہ فلاں خاتون کے ہیں، ان کو واپس کر دو، ہماری بھابھی نے صبح اٹھ کر خواب کے مطابق وہ تلاش کئے تو جہاں نشان دہی کی تھی وہیں پیسے رکھے ہوئے تھے اور اتنے ہی رکھے ہوئے تھے، اس عورت کو بلوایا اس سے پوچھا کہ تم نے اماں کے پاس کوئی پیسے بھی رکھے ہوئے تھے؟ کہا کہ جی! امانت رکھی ہوئی تھی، پوچھا کہ کتنے پیسے تھے؟ کہا کہ

اتنے پیسے تھے، جتنے پیسے اس نے بتائے تھے اتنے ہی تھے، ان کے پیا سے واپس کیۓ اور کہا کہ اماں نے خواب میں ہدایت کی ہے کہ تمہیں واپس کردوں۔ تو بھائی ہر ایک کے ساتھ تو یہ معاملہ ہوتا نہیں، کیونکہ قبر سے ٹیلی فون کرنے کی ہر ایک کو اجازت نہیں ہے، کسی کو کال ملتی ہے، اپنے قبضے کی بات نہیں ہے، مالک کے خاص کرم کا معاملہ کسی کے ساتھ ہو تو دوسری بات ہے۔

ٹال مٹول ظلم ہے:

تو بھائی ایک تو یہ کہ آدمی کو گنجائش ہو تو ظلم سے بچنا چاہیۓ کیونکہ گنجائش والے کا ٹال مٹول سے کام لینا ظلم ہے اور دوسرا یہ کہ زندگی کا کیا بھروسہ ہے، خدا جانے کس وقت موت آجائے؟ اور پھر جب اپنا حق میں خود نہیں ادا کرسکا تو دوسرے میرا حق کیا ادا کریں گے؟ دوسروں کے بارمیں کیا توقع رکھتے ہو؟ اور خاص طور پر جب کہ میں نے لوگوں کو یہ بتایا بھی نہیں ہے کہ میرے ذمے فلاں فلاں لوگوں کے حقوق ہیں۔ اسی لئے مرنے سے پہلے اپنے ذمے کے حقوق کی وصیت کرنا واجب ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ مومن پر تین راتیں نہیں گزرنی چاہئیں مگر اس حالت میں کہ اس کی وصیت اس کے تکیہ کے نیچے رکھی ہوئی ہو، کم سے کم اتنا تو ہو کہ آدمی کوئی یادداشت چھوڑ جائے، کسی کو کہہ کر مرے، کوئی یادداشت بھی نہیں چھوڑی، کسی کو کہہ کر بھی نہیں مرا، اپنی زندگی میں بھی ادا کرنے کا اہتمام نہیں کیا، تو میرا بھائی پھر تمہارا قرضہ کون ادا کرے گا؟ وہ تو تمہارے ذمے رہ گیا۔

بدترین تاجر:

بہر کیف سب سے بدتر تاجر وہ ہے جو لینے کے معاملے میں بھی برا ہو اور دینے کے معاملے میں بھی برا ہو، لینے کے معاملے میں سختی سے کام لے اور دینے کے معاملے میں ٹال مٹول سے کام لے، یہ سب سے بدتر تاجر ہے اور میں نے عرض کیا کہ ہم میں سے اکثریت ایسے ہی لوگوں کی ہے۔ الا ماشاء اللہ۔

پھر فرمایا کہ تیسری قسم کا آدمی وہ ہوتا ہے جو لینے میں بھی بے پرواہ ہو اور دینے میں بھی بے پرواہ، لینا ہو تو کسی سے مانگتا نہیں اور دینا ہو تو اس کی بھی پرواہ نہیں کرتا، اور کبھی کبھی اس کے الٹ کہ: لینے میں سختی کرتا ہے اور دینے میں بھی پورا اہتمام کرتا ہے تو یہ دونوں برابر برابر ہو جاتے ہیں، ان دونوں میں ایک وصف اچھا اور ایک وصف برا، تو یوں اچھائی اور برائی کے درمیان میں توازن ہو گیا، برابر ہو گیا، ہمارے حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن مرحوم دینے کے معاملے میں تو مجھے معلوم نہیں، لیکن لینے کے معاملے میں بڑے ڈھیلے تھے، کسی نے ان کے پیسے دینے ہوتے تو کبھی پوچھتے نہیں تھے، دے جائے، دے جائے نہ دے جائے تو نہ سہی، میں نے کسی معاملے میں ان سے تیس ہزار قرضہ لے رکھا تھا، میرے ساتھی مولانا مفتی محمد جمیل خان صاحب ہیں، جو کبھی کبھی یہاں میری جگہ جمعہ بھی پڑھاتے ہیں، ان کے سامنے ایک دفعہ ذکر ہوا، میں نے کہا کہ مفتی صاحب کے پیسے میرے ذمے ہیں تھوڑے تھوڑے کر کے ادا کر رہا ہوں۔ مولانا جمیل خان صاحب مجھے ہنس کے کہنے لگے ماموں! آپ بھی عجیب آدمی ہیں، مفتی صاحب کے پیسے بھی کبھی دیا کرتے ہیں، بہر حال میں نے دے دیئے الحمدللہ، اور یقین تھا کہ اگر نہ دیتا تو وہ نہیں مانگتے مگر میرے ذمے تو رہ جاتے ان کے

وارثوں کو دینے پڑتے، یہاں میں ان سے معاف کروالیتا، وہ تو دوسری بات تھی۔

عہد شکنی کی سزا:

اس کے بعد دوسرا مضمون بیان فرمایا کہ ہر آدمی جو کہ غدار ہو اس کی غداری کے بقدر قیامت کے دن اس کیلئے جھنڈا بلند کیا جائے گا، غدار کہتے ہیں عہد شکن کو، جو شخص عہد کر کے توڑ ڈالے اس کو عربی میں غدر کہتے ہیں اور جو بہت زیادہ عہد توڑنے والا ہو اس کو غدار کہتے ہیں، تو غدار وہ آدمی ہے جو عہد کرنے کے بعد توڑ دیتا ہے، ایفائے عہد کی پرواہ نہیں کرتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ہر عہد توڑنے والے کی نشان دہی کرنے کے لئے قیامت کے دن ایک جھنڈا بلند کیا جائے گا اور بعض احادیث میں آتا ہے کہ اس کی سیرین میں گاڑا جائے گا اور جتنا بڑا غدار ہوگا اتنا بڑا جھنڈا ہوگا تاکہ لوگوں کو نظر آئے۔ ”ویقال هذه غدرة فلان“۔ اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں آدمی کی غداری کا نشان ہے، عہد شکنی کا نشان ہے اسی لئے ارشاد الٰہی ہے:

”یا ایها الذین آمنوا اوفوا بالعقود“۔

ترجمہ: ”اے ایمان والو! اپنے عقود کو پورا کرو“۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر قرآن کریم کا صرف اتنا ہی ٹکڑا نازل ہوتا تو ہدایت کے لئے کافی تھا تمہارے ذمے اللہ کے جو عقود ہیں انکو بھی پورا کرو اور کسی مخلوق کے ساتھ تم نے عقد کرلیا ہو، معاہدہ کرلیا ہو تو اس کو بھی پورا کرو اور اس بات کو یاد رکھو کہ عہد شکنی ایک وبال ہے اور قیامت کے دن عہد شکنی کرنے والے کو رسوا کیا جائے گا جھنڈا گاڑا جائے گا اور اس کے اوپر لکھا ہوگا کہ فلانے کی عہد شکنی کا نشان

ہے، جتنا بڑا عہد شکن ہوگا، (عہد کو توڑنے والا) اس کو رسوا اور ذلیل کرنے کے لئے اتنا ہی اونچا جھنڈا ہوگا۔ نعوذ باللہ۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے۔

حاکم سے بڑا کوئی غدار نہیں:

اسی کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ یہ بات بھی سن رکھو کہ امیر عامہ سے بڑا غدار کوئی نہیں ہے۔ امیر عامہ سے مراد ہے حاکم، بادشاہ، خلیفہ، وزیر اعظم جو قوم سے ایک معاہدہ کرنے کے بعد اس معاہدے کی خلاف ورزی کرتا ہے وہ سب سے بڑا غدار ہے، عہد شکنی یعنی وعدے کر کے معاہدے کو توڑ دینا اور انکی خلاف ورزی کرنا یہ قوم کا معمول بن گیا ہے اور ہمارے سیاسی لیڈروں کی تو سیاست بن گئی ہے، ہمارے ایک سابق سیاسی لیڈر نے لوگوں سے روٹی، کپڑا اور مکان کا معاہدہ (وعدہ) کیا تھا۔ روٹی، کپڑا اور مکان، تو پڑھے لکھے لوگوں کے لئے تھا اور ہمارے پنجاب کے جاہل جٹ اور بدوؤں سے اس نے وعدہ کیا تھا کہ ہر ایک کو بارہ بارہ ایکڑ زمین دوں گا، الیکشن کا وقت آیا تو ایک بڈھا بیچارہ بہت زیادہ کمزور ہسپتال میں داخل تھا، مرنے کے قریب اس کو چار پائی پر ڈال کر لوگ ووٹ ڈلوانے کے لئے لائے تو کسی نے کہا کہ جی بڑے میاں کو تو معاف کر دیتے، بڑے میاں کہنے لگے ''جی ہمارا کلہ مرتا ہے''۔ یعنی ایک ایکڑ زمین کا نقصان ہوتا ہے، قوم ایسی بدھو کہ اللہ کے وعدوں پر اتنا یقین نہیں، جتنا ان صاحب کے وعدوں پر یقین تھا، لیکن پھر جو کچھ ہوا، وہ آپ کے سامنے ہے۔ پاکستان کے قیام سے لے کر اب تک ہمارے سیاسی لیڈروں کی یہی روش چلی آتی ہے کہ انتخابات کے موقع پر یہ قوم کو سبز باغ دکھاتے ہیں اور ان سے بڑے دلکش وعدے کرتے ہیں، جس کو محاورے کی زبان میں بیوقوف بنانا کہتے ہیں، قوم کو خوب الو بناتے

ہیں، ان سے وعدے کرتے ہیں اور ان وعدوں کی سیڑھیوں سے جب وہ اقتدار کے بلند وبالا ایوان تک پہنچتے ہیں تو ان کو کوئی چیز یاد نہیں رہتی، ان کو سب وعدے فراموش ہوجاتے ہیں۔ چار پانچ سال کے بعد الیکشن ہوا، وہ پہلے والے جو وعدے تھے، جیسے کیسے ہوئے ختم ہوگئے، یہ لوگ پھر قوم کے پاس ایک نیا وعدہ لے کر آگئے، اور ہمارے لوگ بھی عادی ہیں بیچارے، اللہ کیلئے یہ بھی نہیں کرتے اور اللہ کیلئے وہ بھی نہیں کرتے۔

ہمارے حکمرانوں کی غداریاں:

سن ۱۹۷۱ء کے انتخابات میں جو یحییٰ خان نے کروائے تھے۔ بھٹو صاحب میدان میں تھے، ہماری جمعیت علمائے اسلام نے بہت آدمی کھڑے کردیئے اور چن چن کر بزرگ کھڑے کردیئے، خدا کا غضب حضرت مولانا خان محمد صاحب دامت برکاتہم سجادہ نشین کو کھڑا کردیا گیا، ابھی گوجرانوالہ سے ہمارے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر تشریف لائے تھے، وہ قصہ سنا رہے تھے کہ مولانا عبدالواحد صاحب کو کھڑا کردیا گیا اور یہ (شیخ الحدیث اور دوسرے حضرات) لوگوں کو یہ کہنے کیلئے نکلے کہ بھائی ان کو ووٹ دو۔ اسی طرح ہمارے علاقے میں شیخ الحدیث مولانا فیض احمد صاحب ہیں، یہاں کبھی کبھی تشریف لاتے ہیں، ان کا بیان بھی یہاں ہوا ہے انکو کھڑا کیا گیا تھا، اور یہ فقیر پر تقصیر ان کے لئے کھیتوں میں پھرتا رہا، میں کسی کے کام کیلئے کبھی نہیں اٹھ کے گیا، یہ میری کمزوری ہے، لیکن پتہ نہیں وہ کیا آفت آگئی تھی، اس وقت میں نے کہا تھا، جبکہ ابھی الیکشن شروع نہیں ہوا تھا تمام اکابر اولیاء اللہ، بزرگان دین، خانقاہوں والے، مسجدوں والے، مدرسوں والے اور چوٹی کے بزرگ یہ جو میدان میں آگئے ہیں مجھے خیر نہیں نظر آتی، اس لئے کہ غالبًا ایک مرتبہ پھر حق تعالیٰ

شانہ قوم پر اتمام حجت کردینا چاہتے ہیں اور حجت پوری کرنے کے بعد پھر پکڑتے ہیں، اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے، مجھے کسی خطرناک عذاب کا خطرہ محسوس ہورہا تھا، یعنی ایسا معلوم ہورہا تھا کہ آفت آرہی ہے کیونکہ یہ تمام اکابر اولیأ اللہ کبھی خانقاہ سے نکل کر نہیں گئے، خانقاہ سے باہر قدم نہیں رکھا، یہ لوگ جو سیاست کے میدان میں انتخاب لڑنے کے لئے آگئے ہیں، یہ عجیب بات ہے، اور میرے جیسا آدمی کھیتوں میں پھر رہا ہے، پھر جو کچھ ہوا آپ کو معلوم ہے، مسلمانوں کی تاریخ میں پہلی بار نوے ہزار فوجی قید ہوئے، ملک دو ٹکڑے ہوا، اور تم پر بھٹو جیسا آدمی مسلط کیا گیا۔ میں نے رات ہی سنایا تھا کل شام کے درس میں کہ حجاج بن یوسف کے خوف سے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ چھپے ہوئے تھے، روپوش تھے، کسی نے کہا کہ حضرت آپ اس کے لئے بددعا کیوں نہیں کرتے، حسن بصری رحمہ اللہ سیدھے ہوکر بیٹھ گئے اور فرمانے لگے کہ تم شکر نہیں کرتے کہ ایک آدمی تم پر حاکم ہے ورنہ تمہارے اعمال تو ایسے تھے کہ تم پر خنزیر اور بندروں کو مسلط کیا جاتا۔ مولانا شیر محمد صاحب کو لاہور میں ایک فاحشہ عورت کے ساتھ پوری رات رکھا گیا اور اس کے فوٹو لیئے گئے، علماِ اور صلحا کے ساتھ اور شریف لوگوں کے ساتھ وہ کچھ کیا گیا کہ اس کو بیان کرنا بھی ممکن نہیں۔ جب مجھے یہ اطلاع پہنچی تو میں یہیں اپنے مدرسے میں بیٹھا ہوا تھا، کچھ اور لوگ بھی بیٹھے ہوئے تھے، مجھے رونا آگیا میں نے کہا ہماری سزا کا وقت آگیا ہے، ہماری بدعملیوں کی وجہ سے، ہم اس لائق ہی نہیں رہے کہ ہم پر کسی انسان کو مسلط کیا جاتا، یہ بندر اور خنزیر ہم پر مسلط کردیئے گئے ہیں، صرف چمڑی انسانوں کی تھی اندر سے بندر اور خنزیر تھے واقعتاً خنزیر تھے، شریف لوگوں کی بہو بیٹیاں اٹھوالی گئیں، ایک عالم دین کو فاحشہ کے ساتھ رکھا گیا

اور اس کے ننگے فوٹو لئے گئے، یہ ہمارے سیاسی لیڈر ہیں اور ہم لوگ ہمیشہ اپنے ذاتی مفادات کی خاطر ان لوگوں کا انتخاب کرتے ہیں اور پھر یہ جو کچھ ہمارے ساتھ سلوک کرتے ہیں ہمیں معلوم ہے، نہ ہم اللہ کیلئے کوئی کام کرتے ہیں، نہ یہ اللہ کیلئے کوئی کام کرتے ہیں، ان کا کام ہے قوم کو دھوکہ دینا اور تمہارا کام ہے دھوکہ کھانا، پوری نصف صدی گزر رہی ہے اسی دھوکے میں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ سن رکھو! امیر عامہ سے بڑھ کر کوئی غدار نہیں، یعنی اگر وہ عہد شکنی کرے، عہد کے خلاف کرے، معاہدے کی خلاف ورزی کرے تو وہ سب سے بڑا غدار ہے اس سے بدتر کوئی غدار نہیں۔

بڑا اور چھوٹا غدار:

بات یہ ہے کہ ایک آدمی معاہدے کی خلاف ورزی کرتا ہے کسی چھوٹی سی بات پر ،اور ایک معاہدے کی خلاف ورزی کرتا ہے کسی بڑی بات پر، پھر ایک آدمی معاہدے کی خلاف ورزی کرتا ہے کسی مجبوری کی وجہ سے اور دوسرا آدمی معاہدے کی خلاف ورزی کرتا ہے بغیر کسی مجبوری کے، دونوں کے درمیان فرق ہوگا کہ نہیں؟ جو دس روپے پر عہد شکنی کرتا ہے اس کا غدر چھوٹا ہوا اور جو غداری کر کے ہزار روپیہ ہضم کر جاتا ہے اس کا غدر یعنی اس کی عہد شکنی بڑی ہوئی، پھر ایک بیچارہ تنگ دست ہے وہ کسی مجبوری کی وجہ سے معاہدے کے خلاف کرلیتا ہے اور ایک آدمی ایسا ہے کہ اس کو کوئی مجبوری نہیں، تو یہ شخص زیادہ غدار ہوگا۔ اسی طرح امیر عامہ، صدر مملکت، وزیر اعظم، گورنر اور وزیر اعلیٰ اور دوسرے مقتدر حکام، کہ تمام اختیارات اللہ تعالیٰ نے ان کے قبضے میں دے رکھے ہیں، اگر وہ ان تمام اختیار و اقتدار کے باوجود عہد شکنی کرتے

ہیں اور معاہدہ پورا نہیں کرتے تو ان سے بڑا غدار کون ہوگا؟

ٹھیک فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ امیر عام کا غدر سب سے بڑا غدر ہے، کیونکہ میں نے اور آپ نے کسی سے معاہدہ کیا تو کسی چھوٹی موٹی بات کا معاہدہ ہوگا، مگر یہ ہم سے پچاس سال سے وعدے کرتے چلے آرہے ہیں کہ اسلام پاکستان میں نافذ کریں گے، کتنا بڑا وعدہ ہے؟ اور جب عمل کا وقت آتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ بنیاد پرستی ہے، ملائیت ہے۔ ان سے کوئی پوچھے کہ تمہیں کس حکیم نے مشورہ دیا تھا کہ تم انتخاب کے وقت لوگوں سے یہ وعدہ کرو کہ ہم اسلام نافذ کریں گے؟ اس وقت جب تم لوگوں سے ووٹ لے رہے تھے اس وقت صاف کہتے کہ ہم اسلام کو غلط سمجھتے ہیں، اس زمانے میں نہیں چل سکتا، ہم نہیں کریں گے، پھر میں دیکھتا کہ تمہیں کتنے لوگ ووٹ دیتے ہیں؟ ووٹ لینے کے وقت تم نے اسلام کا نام لے کر لوگوں کو دھوکہ دیا اور آج اخباروں ں میں یہ بیانات چھاپتے ہو کہ یہ بنیاد پرستی ہے، پاکستان بنیاد پرستی کے لئے نہیں بنا تھا، آج ہمیں اخباروں کے ذریعہ فلسفہ سمجھاتے ہیں، انگریزی اخباروں میں زیادہ سمجھاتے ہیں، اردو اخباروں میں ذرا کم سمجھاتے ہیں، اب تم ہی بتلاؤ کہ ان غداروں کیلئے کتنا بڑا جھنڈا بلند کیا جائے گا۔ قیامت کے دن؟

افضل ترین جہاد:

اس کے بعد ارشاد فرمایا: اَلَا لَا یمنعن رجلا مھا بة الناس ان یتکلم بالحق اذا علمه''۔

ترجمہ: ''سن رکھو جب کسی شخص کو حق بات معلوم ہو تو لوگوں کا خوف اس کو حق بات کہنے سے روکے نہیں''۔ اور اسی کے ساتھ فرمایا: ''اَلَا ان افضل الجهاد

کلمة حق عند سلطان جائر"۔ ظالم شخص، چاہے صاحب سلطنت بادشاہ ہو، کسی جمہوری حکومت کا سربراہ ہو، یا کسی حکومت کا نام نہاد خلیفہ ہو، اس کے سامنے حق بات کہنا یہ سب سے افضل ترین جہاد ہے، کافروں کے مقابلے میں لڑائی کرنا یہ بھی جہاد ہے، لیکن ایک مطلق العنان بادشاہ کے سامنے اور صاحب اختیارات کے سامنے حق بات کہنا یہ افضل ترین جہاد ہے، اس لئے کہ اپنے آپ کو سانپ کے منہ میں دینا ہے۔ یہ سب سے بڑا جہاد ہے۔ اور آخری فقرہ تھا، یہ تو پہلے بیان میں بتایا جاچکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھائی اور عصر کی نماز کے بعد خطبہ شروع فرمایا اور قیامت تک ہونے والے جتنے واقعات تھے سب موٹے موٹے بیان کردیئے، اب خود سوچ لو کہ کتنا وقت لگا ہوگا اور سورج غروب ہونے میں کتنا وقت باقی ہوگا، اندازہ کرسکتے ہیں کہ عصر کی نماز کے بعد تو خطبہ شروع ہوا اور خطبہ اتنا طویل تھا کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"**فلم يدع شيئاً يكون الى قيام الساعة اِلّا اخبرنا به**"۔

ترجمہ: "قیامت تک کے جتنے واقعات تھے سب موٹے موٹے بیان کردیئے"۔

تو مغرب کا وقت آنے میں کتنا وقت رہا ہوگا؟ اس سے آپ اندازہ فرماسکتے ہیں۔ آخری فقرہ اس خطبے کا یہ تھا کہ: یاد رکھو! اس وقت دن کے پورا ہونے میں جتنا وقت باقی ہے یعنی جتنا وقت کہ اب غروب میں باقی رہ گیا ہے، دنیا کی عمر کا، بس اتنا وقت باقی رہ گیا ہے۔

دنیا کی عمر:

"الا ان مثل مابقی من الدنیا فیما مضی"۔

دنیا کا جتنا وقت باقی ہے یعنی اس کی عمر کا جتنا وقت باقی ہے وہ گزشتہ کے مقابلے میں ایسے ہے: "مثل مابقی من یومکم ھذا فیما مضی"۔ بس اتنا ہے جتنا تمہارے اس دن کا حصہ باقی ہے گزشتہ کے مقابلے میں۔ مقصود یہ تھا کہ دنیا کی عمر پوری ہوچکی ہے اب زیادہ وقفہ نہیں ہے، اسی مضمون کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ کپڑا پھاڑنے لگے، پھاڑتے پھاڑتے ایک تار باقی رہ گئی، اب یہ دو ٹکڑے جڑے ہوئے ہیں، اس لئے کہ صرف ایک تار باقی ہے، باقی سب پھٹ چکا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جتنی عمر باقی رہ گئی ہے، اس کی مثال ایسے سمجھو کہ بس ایک تار باقی رہ گیا، باقی سب پھاڑا جاچکا ہے۔

یہاں دو باتیں سمجھنے کی ہیں وقت پورا ہوگیا ہے۔ مختصر عرض کردیتا ہوں، ایک یہ کہ ہر آدمی کی عمر گزشتہ عمر کی بہ نسبت یہی حیثیت رکھتی ہے، ہماری عمر کتنی گزر چکی، اور اگلی زندگی موہوم ہے، پتہ ہی نہیں کہ ہے بھی یا نہیں؟ لیکن عجائبات میں سے یہ ہے کہ آدمی اپنی اس موہوم زندگی کے لئے تو بڑا فکر مند ہوتا ہے، لیکن یقینی زندگی کے لئے کبھی فکر مند نہیں ہوتا، ہماری زندگی کیسے گزرے گی، اگلی زندگی کیسے گزرے گی، یہ موہوم زندگی پتہ نہیں کتنے دن کی ہے، پھر یہ بھی پتہ نہیں کہ ہے بھی یا نہیں؟

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں
سامان سو برس کا پل کی خبر نہیں

اور دنیا کی عمر کا بھی یہی قصہ ہے، یوں تو کچھ علامات ظاہر ہونے والی ہیں، ابھی ظاہر ہوں گی، لیکن معلوم نہیں کہ کس وقت قیامت کا بگل بجادیا جائے؟ کسی کو کچھ پتہ نہیں ہے؟ اللہ تعالیٰ نے یہ علم کسی کو بھی نہیں دیا۔

دوسری بات مجھے یہ سمجھانی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو فرمایا کہ ایک تار باقی رہ گیا ہے یا اتنا وقت باقی رہ گیا ہے کہ بالکل غروب کے قریب ہے، یہ کسی چیز کے قریب ہونے کو سمجھانے کے لئے ہے، مثال کے طور پر کسی آدمی کو سورج کے غروب ہونے سے پہلے پہلے کام کرنا ہے اور سورج غروب ہونے کے قریب پہنچ چکا ہے، تو وہ کتنی مستعدی کرے گا، اس وقت اس کام کے کرنے میں؟ مقصود یہ سمجھانا ہے کہ تمہاری زندگی کا بھی اور اس دنیا کی عمر کا بھی کوئی پتہ نہیں ہے کہ کس وقت منقطع ہوجائے۔

اے زفرصت بے خبر در ہر چہ باشی زود باش
من نمے گویم کہ در بند زیاں یا سود باش!

بزرگ فرماتے ہیں کہ میں تمہیں یہ تو مشورہ نہیں دیتا کہ تم اپنے نقصان کی فکر کرو یا اپنے نفع کی فکر کرو، یہ تو تم جانو اور تمہارا کام جانے، لیکن اتنا کہنا چاہوں گا کہ اے وہ آدمی جو فرصت سے بے خبر ہے ”در ہر چہ خواہی زود باش“ جو بھی تم نے کرنا ہے ذرا جلدی سے کرلو وقت ختم ہورہا ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین
وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا
محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

گھاٹے کے بیوپاری

زندگی کے لمحات ختم ہونے والے ہیں، اس سے زیادہ قیمتی چیز اگر ہم نے اس کے ذریعہ خرید لی تو ہم عقلمند ٹھہریں گے، اور اگر یہ نعمت مفت میں رائیگاں چلی گئی یا اس سے گھٹیا چیز خرید لی تو معاف کیجئے لوگ ہمیں احمق کہیں گے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفی!

”قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنٌ فِیْھِمَا کَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ: اَلصِّحَّۃُ وَالْفَرَاغُ۔“

(مشکوٰۃ ج:۲ ص:۴۳۹، ترمذی کتاب الزہد ج:۲ ص:۵۴)

ترجمہ:......”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دو نعمتیں ایسی ہیں جس میں بہت سے لوگ خسارے میں ہیں، صحت اور فراغت۔“

سب سے پہلی بات تو یہ کہ یہ دونوں نعمتیں ہیں، اور اگر غور کیا جائے تو انسان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ نعمت ہے، اور اس نعمت کا پتہ اس وقت چلے گا جب یہ نعمت ہمارے پاس نہیں رہے گی، جب یہ زندگی کی مہلت جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا کررکھی ہے، یہ ہمارے پاس نہیں رہے گی، اس وقت ہمیں اس کا افسوس ہوگا، یوں کہتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی یہ چاہے کہ ساری دنیا کے خزانے خرچ کر کے ایک سانس خرید لے تو یہ اس کو نہیں مل سکے گا، یہ ایسی نعمت ہے جس کو ہماری زبان میں انمول کہتے ہیں یعنی جس کی کوئی قیمت ہی نہیں۔

حق تعالیٰ شانہ نے یہ دولت اور یہ نعمت بغیر کسی استحقاق کے، بغیر کسی مطالبہ

کے اور بغیر کسی فرمائش کے ہمیں عطا کر رکھی ہے، مولانا رومی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بقول:

مانبودیم و تقاضا مانبود

رحمت تو ناگفتہ مامی شنید

ترجمہ:...... ''ہم نہیں تھے، ہماری طرف سے تقاضہ بھی نہیں تھا، کوئی مطالبہ نہیں تھا، کوئی درخواست نہیں تھی، آپ کی رحمت ہماری ان کہی بات کو بھی سن رہی تھی۔''

گھاٹے کا سودا:

پہلی بات تو یہ کہ یہ دونوں نعمتیں ہیں، اور کبھی ہم نے سوچ کر بھی نہیں دیکھا کہ یہ دونوں نعمتیں ہمارے پاس واقعی ہیں بھی؟ یہ زندگی اول سے آخر تک ہمارے پاس نعمت ہے، اور ایک اصول کی بات بتاتا ہوں کہ یہ نعمت تو ختم ہونے والی ہے اور یہ زندگی کے لمحات ختم ہونے والے ہیں، اس سے زیادہ قیمتی چیز اگر ہم نے اس کے ذریعہ خرید لی تو ہم عقلمند ٹھہریں گے، اور اگر یہ نعمت مفت میں رائیگاں چلی گئی یا اس سے گھٹیا چیز خرید لی تو معاف کیجئے لوگ ہمیں احمق کہیں گے، بلکہ خود ہم اپنے آپ کو احمق کہیں گے، آپ نے بہت بڑھیا سامان خرید لیا، بہترین قسم کی بلڈنگیں بنالیں، اعلیٰ درجے کا فرنیچر لے لیا اور یہاں کی جتنی نعمتیں ہیں وہ ہم نے حاصل کرنے کی کوشش کی، لیکن یہ نعمت جو ہم نے حاصل کی، زندگی خرچ کرنے کے بعد حاصل کی، اب تم دیکھو زندگی کے وہ لمحات زیادہ قیمتی تھے یا یہ چیزیں زیادہ قیمتی ہیں؟ تم خود انصاف کرلو، جیسے میں نے عرض کیا کہ ہم اب تک تو اس سے خوش نہیں ہیں لیکن جب یہ زندگی نہیں رہے گی اور ختم ہوجائے گی یا ختم ہونے کے قریب ہوگی تو اس وقت کہیں

گے کہ: اے کاش! ہم اپنی زندگی کی قدر کر لیتے۔

رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ دو نعمتیں ہیں کہ جس میں بہت سارے لوگ خسارے میں ہیں، میں نے خسارہ اٹھانے کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ ہمارے ذہن میں ہی یہ بات نہیں آتی کہ ہمارے پاس یہ نعمتیں ہیں؟

وقت کی مثال:

کبھی ہم، لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ تاش کھیل رہے ہیں، اچھا کیوں کھیل رہے ہو بھائی؟ ویسے ہی جناب وقت پاس کر رہے ہیں ذرا سوچو! بھلا کیا وقت پاس کرنے کی چیز ہے؟ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: ''میں صوفیا کی مجلس میں بیٹھا ہوں اور میں نے ان کے انفاس طیبہ سے فائدہ اٹھایا ہے، جو بات میں نے ان سے سیکھی ہے، ان میں سب سے بہترین بات یہ تھی کہ وقت ایک تلوار ہے اگر تم اس کو نہیں کاٹو گے تو یہ تمہیں کاٹ دے گی۔''

وقت اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمایا ہے، کسی کی پچاس سال کی زندگی ہے، کسی کی ساٹھ سال کی، کسی کی چالیس سال کی، کسی کی کم، کسی کی زیادہ، اب دیکھنا یہ ہے کہ اس زندگی میں ہم نے کیا حاصل کیا؟ کیا کھانے پینے کے لئے یہ زندگی تھی؟ کیا ہمیں اس لئے بھیجا گیا ہے؟ کہ برخوردار! ذرا کھا ہی لیں، اچھی طرح کھالیں، یہاں آئے ہوئے ہیں، جہاں کی حیثیت سے ذرا اپنی صحت کو بنالیں! صحت تو ہماری بنی نہیں جیسے میری صحت ہے؟!

بال سفید ہوگئے، قبر کا کنارہ نظر آنے لگا، جب تک زندہ تھے، یا زندگی کی امید تھی، ہم سوچتے تھے کہ یہ کیسے گزرے گی؟ اب سوچتے ہیں کہ کیسے گزر گئی؟

تو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: دو نعمتیں ہیں کہ ”مَغْبُوْنٌ فِیْهِمَا كَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ۔“ (جس میں بہت سے لوگ خسارے میں ہیں)۔

”غبن“ عربی زبان کا لفظ ہے ”گھاٹا یا خسارہ کے معنی میں آتا ہے۔

گھاٹے کا کاروبار:

ہم کوئی تجارت کا کام کریں اور اس میں ہمیں نفع کے بجائے نقصان پہنچے، تو اس کو کہتے ہیں گھاٹا پڑ گیا، لاکھ روپیہ لگایا تھا تجارت میں، روپیہ تو اس لئے لگایا جاتا ہے کہ نفع ہوگا، لیکن سال کے بعد جب حساب کیا تو وہ بھی نہیں رہا، وہ بھی پھنس پھنسا گیا۔

میں نے ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں کہ بیچارے بہت مالدار تھے لیکن خسارہ پڑ گیا اس کے بعد وہ مانگنے کے قابل بن گئے، بجائے اس کے کہ وہ لوگوں کو دیتے تھے، اب مانگنے کے قابل بن گئے، اور کئی آدمی ایسے بھی ہیں کہ میں نے ان کے گلو خلاصی کروائی ہے۔

۸۰،۰۰۰ روپیہ ایک آدمی کے ذمہ تھے، اب غریب آدمی کے لئے تو یہ بھی بہت بڑی رقم ہے، وہ کہاں سے ادا کرے گا؟ تو غبن اس کو کہتے ہیں کہ آدمی خسارے میں چلا جائے، تجارت میں مال لگائے، روپیہ لگائے، لیکن خسارے میں چلا جائے اور اس کو اس وقت پتہ چلے جب وقت بیت چکا ہو۔

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ دو نعمتیں ایسی ہیں جس میں بہت سے لوگ خسارے میں ہیں، پہلے تو ان نعمتوں کو نعمت ہی نہیں سمجھا، اور اگر نعمت سمجھا بھی تو ان کو استعمال کرنے کا طریقہ نہیں آیا۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ مال لگایا تو اس لئے جاتا ہے کہ نفع پہنچے، مگر اس کو نقصان ہوگیا، تو یہ خسارہ ہے۔

اس طرح ہماری زندگی کا ایک ایک لمحہ خرچ تو ہو رہا ہے، اور خرچ بھی اس طرح ہو رہا ہے جس طرح برف، کہ اگر تم اس کو استعمال نہیں کروگے تو پگھل کر ختم ہوجائے گی، جب سے پیدا ہوئے ہیں، یہ زندگی گھٹ رہی ہے اور ختم ہو رہی ہے، لیکن ہمیں استعمال کرنے کا ڈھنگ نہیں آیا، سوائے اللہ تعالیٰ کے مقبول اور خاص بندوں کے۔

ڈھنگ آنے کا مطلب یہ ہے کہ اس زندگی کے ذریعہ سے انسان ابدالاباد کی زندگی حاصل کرلے، اس تھوڑی سی پونجی کے ذریعہ سے ایسی تجارت کرے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی حاصل کرلے، اور ابدالاباد کی زندگی حاصل کرلے، لیکن یہ ڈھنگ ہمیں نہیں آیا، ابھی ہم نماز پڑھ کر یہاں سے چلے جائیں گے، پھر اپنی اسی گپ تراشی میں لگ جائیں گے۔

میرے خیال میں کبھی ہم نے ایک دن کے لئے بھی نہیں سوچا کہ میری زندگی کتنی قیمتی ہے؟ اور یہ کس ڈھب پر چل رہی ہے؟ آیا اس میں کسی تبدیلی کی ضرورت ہے؟ یا اس میں کسی ترمیم کی ضرورت ہے؟ یا پھر کسی ڈاکٹر اور حکیم کو دکھانے کی ضرورت تو نہیں؟ یا کہیں یہ زندگی بیمار تو نہیں ہے؟ یا کسی اللہ والے کی خدمت میں بیٹھ کر کے ہمیں ضرورت محسوس ہوئی کہ میری زندگی صحیح گزر رہی ہے یا غلط گزر رہی ہے؟

تو فرمایا گیا کہ دو نعمتیں ایسی ہیں جس میں بہت سے لوگ خسارے میں ہیں: ”الصحۃ والفراغ۔“ (ایک صحت اور دوسری فراغت)۔

صحت:

ایک نعمت تو صحت کی ہے، الا ماشاء اللہ کوئی ایسا آدمی ہوگا جو تندرست ہو، عام طور پر لوگ بیمار رہتے ہیں، اکابر فرماتے ہیں: صحت نام ہے اعتدال مزاج کا، آدمی میں اللہ تعالیٰ نے جتنی قوتیں رکھی ہیں وہ صحیح نہج پر ہوں، اعتدال پر ہوں، نہ کم ہوں اور نہ زیادہ، اور یہ بھی کہتے ہیں کہ دنیا میں کسی کو اعتدال مزاج نصیب نہیں ہوا، سوائے آنحضرت ﷺ کے، بس ایک رسول اللہ ﷺ کی ذات عالی تھی جن کو اللہ تعالیٰ نے صحت کامل عطا فرمائی تھی...... تو کامل صحت تو ممکن ہی نہیں جو ٹھیک اعتدال پر ہو، اور کانٹے کے تول پر ہو کہ تمام قویٰ میں سردی گرمی کا اعتدال ہو۔

لیکن جو صحت کہ اعتدال کے قریب تھی وہ رسول اللہ ﷺ کو دی گئی، ہمارا حال تو یہ ہے کہ بلڈ پریشر ہوگیا، یا غصہ بہت آتا ہے، یا ویسے ہی ڈھیٹ ہوگئے، غرضیکہ ہماری زندگی اعتدال پر ہے ہی نہیں۔ صحت کے معاملہ میں ہم لوگ خسارے میں ہیں۔

فراغت:

اور دوسری (نعمت ہے) فراغت کی، فراغت کے معنی آدمی کے پاس فرصت ہو، حقیقت یہ ہے کہ ہمارے پاس بہت فرصت ہوتی ہے، لیکن اس وقت جب ہم کسی کام کے نہیں رہتے، جب کمائی کرنے کا وقت ہوتا ہے تو ہمیں نماز پڑھنے کا بھی موقع نہیں ملتا، دفتر میں جاتے ہیں، اپنے کاروبار میں جاتے ہیں اور گدھے کی طرح جتے ہوئے ہوتے ہیں، ہمیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ دن کدھر سے نکلتا ہے اور کدھر چھپتا ہے؟

ابھی پچھلے ہفتے میں جہاز میں لاہور جارہا تھا، کہ ایک سوٹ، بوٹ اور ٹائی والا نوجوان میرے ساتھ آبیٹھا، بات ہونے لگی، میں کچھ اپنا ذکر کر رہا تھا، اس نے

مجھے مشغول کردیا اور کہنے لگا آپ کہاں ہوتے ہیں؟ اور کیا کرتے ہیں وغیرہ؟ میں نے کہا: میرا نام محمد یوسف لدھیانوی ہے، جنگ اخبار میں میں لکھتا ہوں، بہت ہی خوش ہوگیا، اور کہنے لگا کہ میرے بچے اقرأ میں پڑھتے ہیں۔

خیر! میں کہنا یہ چاہتا تھا کہ وہ کہنے لگا کہ جی یہ آپ لوگ اقرأ میں چھٹی کرتے ہیں جمعہ کو، جب کہ چھٹی ہوتی ہے گورنمنٹ کی نواز شریف کی بدولت اتوار کو، تمہارے حکمران بھی غلط کام کرکے چلے جاتے ہیں، پھر اس کے بعد کوئی صحیح کرنے والا نہیں ہوتا کہنے لگا، آپ کو چھٹی اتوار کی کرنی چاہئے، میں نے کہا بھئی ہمارے ہاں یہ مسئلہ پیش آیا تھا، دوستوں نے اس سلسلہ میں مشورہ کیا، تو میں نے ان سے کہا کہ بھئی! کسی کا کہنا ہے کہ:

وہ اپنی خو نہ بدلیں گے، ہم اپنی وضع کیوں بدلیں؟

میں نے کہا ہم اپنی وضع کیوں بدلیں؟ وہ انگریز ملعون کے مسلک پر عمل کرتے ہیں، تمہاری گورنمنٹ والے! آپ دینی مدارس سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ یہ ان کی روش پر چلیں؟ کہنے لگے: جی اصل میں بات یہ ہے کہ سال گزر جاتا ہے بچوں سے کبھی بات ہی نہیں ہوپاتی، کیونکہ جب ہم آتے ہیں، بچے سو چکے ہوتے ہیں اور ہماری اتوار کی چھٹی ہوتی ہے، مگر ان کو پڑھنے کے لئے جانا ہوتا ہے، میں نے کہا کہ اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟ یہ تجویز تو آپ حکومت کو دیں کہ انہوں نے تعطیلات کے اسلامی نظام کو کیوں بدلا ہے؟ بہرحال میں عرض کررہا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”مَغْبُوْنٌ فِیْهِمَا كَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ۔“ بہت سے لوگ خسارے میں ہیں، ایک صحت کے بارے میں اور دوسرے فراغت کے معاملہ میں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ فراغت کسی کو ملتی نہیں، اگر مل بھی جائے تو دوسری

چیزوں میں خرچ ہوتی ہے، اصل چیز جس میں خرچ ہونی چاہئے جو ہمیں کام دینے والی ہے، اس میں خرچ نہیں ہوتی کہ اللہ کا ذکر کریں، تسبیحات پڑھیں، کسی اللہ کے بندے کے پاس بیٹھیں، نہیں! نہیں! ان سے تو ہم فارغ ہوگئے، لیکن میرا بھائی!! یہ تو اس وقت پتہ چلے گا جب آنکھیں بند ہوں گی کہ ہم خسارے میں تھے یا نفع میں؟ جب ہم مریں گے، جیسے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”كَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ۔“ ایک آدمی کی بات نہیں، بہت سے لوگ! خسارے میں ہیں، دو نعمتوں کی وجہ سے، اور ان دو نعمتوں میں خسارہ پانے کی وجہ سے پوری زندگی خسارے میں چلی جاتی ہے، ایک صحت اور ایک فراغت۔

صحت نہیں، علاج مطلوب ہے:

اب اس سلسلہ کی صرف دو باتیں کہہ کر کے بات ختم کر دیتا ہوں۔ میرا بھائی! تم نے یہ طے کر لیا ہے کہ صحت ہوگی تو کام کریں گے، اگر صحت نہیں ہوگی تو کام بھی نہیں ہوگا۔ یہ بات غلط ہے ہمارے حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے تھے کہ: ”صحت مطلوب نہیں، علاج مطلوب ہے۔“

صحت ہوتی ہے ہو، نہیں ہوتی نہ ہو، صحت اللہ کے قبضہ میں ہے ہمارے قبضہ میں نہیں، البتہ علاج معالجہ کرنا ہمارے قبضہ میں ہے، جہاں تک ہوسکتا ہے اللہ سے دعا بھی کریں، علاج بھی کریں، اور علاج بھی حلال کریں، حرام نہ کریں، جائز کریں، ناجائز نہ کریں، باقی صحت ہوتی ہے تو ٹھیک، اور نہیں ہوتی تو الحمدللہ! تب بھی ٹھیک، لیجئے سارا مسئلہ ہی حل ہوگیا، ہر ایک آدمی پریشان ہے کہ میری صحت ٹھیک نہیں رہتی، یہ نہیں رہتی، وہ نہیں رہتی، میرا بھائی! یہ معاملہ تو ایسا ہی رہے گا! اور ایسا ہی چلے گا!

باقی اللہ سبحانہ وتعالیٰ توفیق عطا فرمائے، اپنی جتنی بھی صحت ہے اس کو صحیح طریقہ سے استعمال کرو۔

ایک کوتاہی:

اور دوسری بات یہ کہنا چاہتا ہوں فراغت کے بارے میں کہ اب لوگوں کو یہ خیال نہیں کہ اس فراغت کو کیسے استعمال کریں؟

اس کا طریقہ ہم نے یہ سوچا ہے کہ چلو کسی جگہ سیر کر کے آتے ہیں، ٹور کر کے آتے ہیں، فلاں جگہ چلے گئے، فلاں جگہ چلے گئے، تاکہ یہ جو لمحات ہیں یہ خرچ ہو جائیں، نہیں! میاں! اس کی ضرورت نہیں ہے، ضرورت اس کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو تمہیں صحت عطا فرمادی اور جو وقت عطا فرمادیا اس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے مطابق خرچ کرو۔

ایک آخری بات کہتا ہوں، کہ اگر تم اس صحت کو اور اس فراغت کو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے مطابق خرچ کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو ایسی راحت عطا فرمائیں گے، کہ تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

اور اگر اس نعمت کو دوسری جگہ استعمال کرلیا تو پھر پریشانی ہی پریشانی رہے گی۔ جتنی زیادہ فکر کرو گے اتنی ہی پریشانی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ صحت و عافیت عطا فرمائے، اور اپنے حبیب پاک ﷺ کے طریقے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

”وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین“

ملاقات الٰہی

کا شوق

جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو محبوب رکھے اور پسند کرے، اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو پسند فرماتے ہیں، اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنے کو ناپسند کرے، اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنے کو پسند نہیں فرماتے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

”عَنْ شَرْجِيلٍ أَنَّ أَبَا الدَّرْدَاءِ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ كَانَ اِذَا رَأٰى جَنَازَةً قَالَ أُغْدُوْا فَاِنَّا رَائِحُوْنَ أَوْ رُوْحُوْا فَاِنَّا غَارُوْنَ مَوْعِظَةً بَلِيْغَةً وَغَفْلَةً سَرِيْعَةً كَفٰى بِالْمَوْتِ وَاعِظًا يَذْهَبُ الْأَوَّلُ فَالْأَوَّلُ وَيَبْقَى الْآخِرُ لَا حِلْمَ لَهٗ۔“ (ابونعیم فی الحلیۃ ج:۲ ص:۲۱۷)

ترجمہ:......”شرجیل کہتے ہیں کہ حضرت ابو درداءؓ رضی اللہ عنہ جب کسی جنازے کو دیکھتے تھے تو فرمایا کرتے تھے کہ تم صبح جاؤ ہم شام کو آرہے ہیں یا تم شام کو جاؤ ہم صبح کو آئیں گے، بڑی نصیحت ہے اور بڑی تیز غفلت ہے موت کا وعظ کافی ہے، ایک کے بعد دوسرا جارہا ہے اور پیچھے ایسے لوگ رہ جاتے ہیں کہ نہ ان کے پاس حلم ہے اور نہ بردباری۔“

”عَنْ أَبِی الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ثَلَاثٌ أَحِبُّهُنَّ وَیَكْرَهُهُنَّ النَّاسُ: اَلْفَقْرُ وَالْمَرَضُ وَالْمَوْتُ...... قال: أَحِبُّ الْمَوْتَ اِشْتِیَاقًا اِلٰی رَبِّیْ، وَأَحِبُّ الْفَقْرَ تَوَاضُعًا لِرَبِّیْ، وَأَحِبُّ الْمَرَضَ تَكْفِیْرًا لِخَطِیْئَتِیْ۔“

(ابونعیم فی الحلیۃ ج:۱ ص:۲۱۷)

ترجمہ:......”حضرت ابو دردا ؓ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے تھے کہ: میں تین چیزوں سے محبت کرتا ہوں اور ان کو پسند کرتا ہوں، لوگ ان کو ناپسند کرتے ہیں (۱) موت، (۲) فقر، (۳) مرض۔ موت کو تو اپنے رب سے ملنے کے اشتیاق کی وجہ سے (کیونکہ اپنے رب سے ملنے کا اشتیاق ہے اور اس کا ذریعہ موت ہے، اس لئے کہ دنیاوی زندگی کے دریا کو پار کرنے کے لئے موت کے پل سے پار ہوجائیں گے) اور فقر کو پسند کرتا ہوں اپنے رب کے سامنے تواضع کرنے، بندہ بننے اور عاجزی اختیار کرنے کے لئے، بیماری کو پسند کرتا ہوں اپنی خطاؤں کا کفارہ ادا کرنے کے لئے۔“

لوگ چاہتے ہیں زندہ رہیں، موت کو ناپسند کرتے ہیں، لوگ چاہتے ہیں کہ مالدار ہوں، فقر کو ناپسند کرتے ہیں، اور لوگ چاہتے ہیں کہ تندرست ہوں، بیماری کو ناپسند کرتے ہیں، لیکن میں ان تینوں چیزوں کو پسند کرتا ہوں۔

جیسے کہ حضرت ابو درداءؓ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، تین چیزیں بالطبع لوگوں کو محبوب ہیں اور تین چیزیں مبغوض اور ناپسندیدہ ہیں، لوگوں کو موت ناپسند اور زندگی

پسندیدہ ہے۔

موت نام ہے، اس دنیا میں تمام چیزوں کے مٹ جانے کا، حتیٰ کہ نام و نشان بھی مٹ جاتا ہے، تمام تعلقات مٹ جاتے ہیں، اور ہم لوگ چاہتے ہیں کہ زندگی زیادہ سے زیادہ طویل ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”مَنْ اَحبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ اَحبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ كَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ۔“ (مسلم ج:۲ ص:۳۴۳)

ترجمہ:......”جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو محبوب رکھے اور پسند کرے، اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو پسند فرماتے ہیں، اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنے کو ناپسند کرے، اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنے کو پسند نہیں فرماتے۔“

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تو میں نے کہا: ”يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كُلُّنَا يَكْرَهُ الْمَوْتَ۔“ کہ ہم میں سے تو ہر آدمی موت کو ناپسند کرتا ہے، تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ ہم سب کے سب ایسے ہی لوگ ہیں، جو کہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو ناپسند کرتے ہیں، فرمایا ”لَيْسَ ذَاكِ يَا عَائِشَةَ۔“ عائشہ! یہ بات نہیں ہے، بات یہ ہے کہ جب آدمی کے یہاں سے رخصت ہونے کا وقت آتا ہے اور عالم غیب اس کے سامنے کھل جاتا ہے، تو نیک آدمی کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو اچھا سامان تیار کر رکھا ہے، وہ اس کے سامنے آجاتا ہے اور برے آدمی کے لئے جو مصائب اور تکالیف پیش آنے والی ہیں، وہ اس کے سامنے آجاتی ہیں، اس وقت نیک آدمی یہ چاہتا ہے کہ فوراً چلا جائے اور اللہ تعالیٰ سے جا کر

ملے اور برا آدمی یہ چاہتا ہے کہ نہ جائے، اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش نہ ہو تو اس وقت جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند کرے، اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو پسند فرماتے ہیں اور اس وقت جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو ناپسند کرے، اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو ناپسند فرماتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند یا ناپسند کرنے کا معاملہ موت کے وقت کا ہے، جب کہ اس کے سامنے عالم غیب کھل جاتا ہے، لیکن اتنی بات تو معلوم ہے کہ جب تک مریں گے نہیں، اللہ تعالیٰ سے ملاقات نہیں ہوگی تو عقلی طور پر تو ہر مسلمان چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے، جس کے دل میں محبت ہوگی، جس کو اللہ تعالیٰ سے تعلق ہوگا، وہ عقلی طور پر یہ چاہے گا کہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہونی چاہئے، رہا طبعی طور پر چاہنا تو یہ حال کی بات ہے، بعض لوگوں پر حال غالب آجاتا ہے اور وہ طبعی طور پر بھی اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند فرماتے ہیں اور چونکہ ملاقات کا ذریعہ موت ہے اس لئے وہ موت کو پسند فرماتے ہیں۔

ملاقات الٰہی کا اشتیاق:

مولانا عاشق الٰہی صاحبؒ ہمارے حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے خلیفہ تھے، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے اور ان کو حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ سے خلافت بھی تھی، انہوں نے تذکرۃ الخلیل میں حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کا تذکرہ کیا ہے کہ آخری دنوں میں حضرتؒ پر اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے اشتیاق کی ایک کیفیت طاری تھی، وہ کہتے ہیں کہ میں حاضر خدمت ہوا، اس وقت آپؒ صاحب فراش تھے، خود کروٹ نہیں بدل سکتے تھے، دوسرے آدمی کروٹ بدلواتے تھے،

جب میں حاضر ہوا تو سب لوگوں سے کہا کہ تم چلے جاؤ مجھے ان سے تنہائی میں بات کرنی ہے، سب لوگ چلے گئے تو تنہائی میں فرمانے لگے کہ حج پر جانے کا ارادہ ہے، لیکن اس میں ایک رکاوٹ ہے وہ یہ کہ حضرت اجازت نہیں دیں گے۔ حضرت سے مراد تھی حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ آپ کے پیر بھائی تھے، مگر آپ ان کا ادب اتنا کرتے تھے جتنا اپنے پیر کا کیا جاتا ہے، چنانچہ کوئی کام بھی ان کی اجازت کے بغیر نہیں کرتے تھے، تو فرمایا مجھے آپ سے یہ کام ہے کہ آپ مجھے حضرت سے اجازت لے کر دیں، میں اس سال حج پر جانا چاہتا ہوں۔ مولانا عاشق الٰہی صاحبؒ نے کہا کہ حضرت! آپ کی بھی عجیب حالت ہے کروٹ بدل نہیں سکتے، چلنا پھرنا تو کیا وضو تک خود نہیں کر سکتے، مگر حالت یہ ہے کہ ارادہ کر رکھا ہے حج کا! غصہ ہو کر فرمانے لگے کوئی مجھے ریل میں ڈال دے، میں پڑا پڑا پہنچ جاؤں گا، میں نے کہا کہ بڑے میاں پر اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا شوق غالب ہے، مولانا عاشق الٰہی صاحبؒ لکھتے ہیں کہ میں نے محسوس کیا کہ حج نہیں، بلکہ ملاقات خداوندی کا شوق غالب آ گیا ہے، آخری وقت ہے تو میں نے دوسرا پہلو لے لیا، میں نے کہا کہ حضرت آپ فکر نہ کریں، میں حضرت سے عرض کروں گا اور حضرت آپ کو ضرور حج کی اجازت دیں گے اور آپ پہنچیں گے انشاءاللہ! میرا اتنا کہنا تھا کہ ان کا چہرہ کھل گیا، کہنے لگے جزاک اللہ، دراصل اللہ کے گھر کا اشتیاق اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے لئے تھا:

اگر کوچہ جاناں میں پھر پھر کے سر مارا
نہ دیکھا یار کو، گھر بار کو دیکھا، تو کیا دیکھا

اللہ کے بندے بیت اللہ کو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے لئے

جاتے ہیں، خانہ کعبہ کو دیکھنے کے لئے نہیں جاتے، گھر بار کو دیکھنے کے لئے نہیں جاتے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری دینے کے لئے جاتے ہیں۔

حضرت شبلی رحمہ اللہ کا قصہ:

فضائل حج میں حضرت شبلی رحمہ اللہ کا واقعہ لکھا ہے کہ حضرت علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مرید حج کے لئے گیا، جب واپس آیا تو شیخ ان سے پوچھنے لگے کہ کس طرح حج کرکے آئے ہو؟ کہنے لگے احرام باندھا، پوچھا کہ کیا نیت کی تھی؟ کہا کہ حج کی نیت کی تھی، عمرہ کی نیت کی تھی "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْحجَّ وَالْعُمْرَۃَ۔" پوچھا کیا اس وقت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری کا قصد و ارادہ تھا؟ کیا اس وقت اس کا ارادہ تھا کہ مجھے میدان محشر میں لے جایا جارہا ہے اور اللہ کے سامنے کھڑا کیا جائے گا؟ کہنے لگے یہ قصد تو نہیں تھا۔ فرمایا کہ تم نے احرام بھی نہیں باندھا، اچھا جب مکہ مکرمہ میں گئے تھے تو کیا کیا تھا؟ کہا کہ بیت اللہ کا طواف کیا تھا۔ پوچھا کہ بیت اللہ کا طواف کیا تھا، یا اللہ تعالیٰ کا طواف کیا تھا؟ کہا بیت اللہ کا طواف کیا تھا۔ درو دیوار کا ہی طواف کیا نا، تیرا طواف بھی صحیح نہیں ہوا، اسی طرح ایک ایک رکن کے بارے میں پوچھتے رہے اور وہ بیچارہ بتاتا رہا اور آخر میں فرمانے لگے کہ تیرا حج نہیں ہوا، دوبارہ جا، حج کرکے آ۔ کہا عرفات کے میدان میں گئے؟ اس نے کہا گیا تھا، پوچھا کیا تصور کیا تھا؟ ایک کھلا میدان ہے، لوگ وہاں وقوف کرتے ہیں، دعائیں کرتے ہیں، التجائیں کرتے ہیں۔ اس نے کہا کچھ بھی خیال نہیں کیا، فرمایا اس وقت میں تم یہ خیال کرتے کہ تمام لوگ میدان محشر میں جمع ہیں اور اپنی اپنی مغفرت کے منتظر ہیں کہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہوتا ہے، اپنے اپنے فیصلہ کے اور مغفرت کے منتظر ہیں۔

تو اہل اللہ پر ملاقات خداوندی کا شوق اس رنگ میں غالب آتا ہے کہ کہتے ہیں کہ حج کرکے آئیں۔ چنانچہ اس کے چند دنوں کے بعد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کا انتقال ہوگیا، تو غلبہ حال کے طور پر بعض بزرگوں پر نزع کے وقت سے پہلے پہلے حال طاری ہوجاتا ہے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا، اور یہی چیز ہے جو شہداءؑ کو عام لوگوں سے ممتاز کردیتی ہے، جو اللہ کے راستے میں شہید ہوتے ہیں، ان پر اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا شوق غالب ہوتا ہے:

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

وہ اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر بارگاہ خداوندی میں اس کا نذرانہ پیش کرتے ہیں اور ان پر اللہ سے ملاقات کا شوق غالب ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ یہ شوق ہمیں بھی نصیب فرمائے، آمین۔

آنحضرتﷺ کی ایک دعا مناجات مقبول میں (بحوالہ مستدرک ج:۱ ص:۵۲۴) ہے:

''وَشَوْقًا اِلٰی لِقَاءِ کَ مِنْ غَیْرِ ضَرَّاءَ مُضِرَّةٍ وَّفِتْنَةٍ مُّضِلَّةٍ۔'' ''یا اللہ، آپ کی ملاقات کا شوق مانگتا ہوں، لیکن یہ شوق اس قدر غالب نہ آجائے کہ بدن کو نقصان پہنچ جائے اور کسی فتنہ میں مبتلا ہوجاؤں۔'' دنیا کے کام سے رہ جاؤں اور کوئی اور ٹوٹ پھوٹ کا کام کرنے لگوں، اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو اپنی ملاقات کا شوق نصیب فرمائے:

اے خوشا وقت کذیں منزل و یراں بروم
نظر کردم گر بسراید ایں غم روزے

کیا مبارک وقت ہوگا کہ اس منزل ویران سے میں جاؤں گا اور محبوب کو دیکھوں گا اور اس کی زیارت سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کروں گا، میں نے بھی منت مانگ رکھی ہے کہ یہ چند دن کا جو غم ہے ختم ہوجائے، دنیا کی زندگی ختم ہوجائے:

''تا در میکدہ شاہ جان غزل خواں میروم''

میکدے کے دروازے تک خوشی میں غزل پڑھتے ہوئے اور ناچتے ہوئے جاؤں گا، آج اذن ملا ہے بارگاہ خداوندی میں حاضری کا۔ سبحان اللہ!

تو حضرت ابودرداءؓ رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے تھے جن پر اشتیاق اور لقاءِ الٰہی کا غلبہ تھا، یعنی اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا شوق غالب تھا، عقلی طور پر تو ہم بھی کہہ سکتے ہیں، کہ ہم بھی اللہ کی ملاقات کو اچھا سمجھتے ہیں، لیکن جب یہ تصور آتا ہے کہ پہلے عزرائیل علیہ السلام آکر گلا دبائیں گے تو ہم کانپ جاتے ہیں، موت کا تصور اتنا خوفناک ہے کہ ہم اس کی تمنا کی جرأت بھی نہیں کر سکتے اور کرنی بھی نہیں چاہئے کہ یا اللہ مجھے موت دے دے، یہ دعا بھی نہیں کرنی چاہئے، اس کی بھی اجازت نہیں ہے بلکہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں:

''فَاِنْ كَانَ لَا بُدَّ مُتَمَنِّيًا فَلْيَقُلِ اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِىْ مَاكَانَتِ الْحَيٰوةُ خَيْرًا لِّىْ. وَتَوَفَّنِىْ اِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِّىْ'' (مسلم ج:۲ ص:۳۴۲)

ترجمہ:...... ''جس کو موت مانگنی ہی ہو تو یوں کہے: یا اللہ مجھے زندہ رکھ جب تک کہ زندگی میرے حق میں اچھی ہو، اور مجھے وفات دے دے جب کہ آپ کے علم میں وفات میرے لئے بہتر ہو۔''

اللہ تعالیٰ زندہ رکھیں تو اسلام پر زندہ رکھیں، اور موت دیں تو ایمان کی موت دیں، ”اَللّٰھُمَّ مَنْ اَحْیَیْتَہٗ مِنَّا فَاَحْیِہٖ عَلَی الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّیْتَہٗ مِنَّا فَتَوَفَّہٗ عَلَی الْاِیْمَانِ۔“ یہ دعا ہم ہر نماز جنازہ میں پڑھتے ہیں کہ یا اللہ جس کو آپ ہم میں سے زندہ رکھیں اسلام پر زندہ رکھیئے اور جس کو آپ وفات دیں تو ایمان پر وفات دیں، کم سے کم اتنا تو ہو کہ یا اللہ زندگی مطلوب نہیں، بلکہ زندہ رہ کر آپ کی اطاعت مطلوب ہے، کیونکہ یہاں ہمیں بھیجا گیا ہے کچھ کمانے کے لئے، اللہ تعالیٰ کی یاد دل میں بسانے کے لئے، ذکر کے لئے، تسبیح کے لئے، نماز کے لئے، اور اس کے لئے جتنی مہلت مل جائے، غنیمت ہے، زیادہ سے زیادہ کما لیں، زندگی بجائے خود مطلوب نہیں، بلکہ یاد الٰہی کے لئے مطلوب ہے، جتنا یاد کریں گے اور جتنا وقفہ گزرے گا، اتنا ہی اشتیاق اللہ کی ملاقات کا بڑھے گا، اور جب ملاقات اشتیاق کے بعد ہوگی تو اس طرح ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہوں گے اور یہ اللہ تعالیٰ سے خوش ہوگا اور ارشاد ہوگا:

”یٰاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً۔“ (الفجر:۲۸)

ترجمہ:......”اے اطمینان والی روح تو لوٹ اپنے رب کی طرف، اس حال میں کہ وہ تجھ سے راضی اور تو اس سے راضی۔“

اور اگر خدانہ کرے کہ یہ نصیب نہ ہو تو پھر گدھے کی موت میں اور اس کی موت میں کیا فرق ہے؟ کتے کی موت میں اور اس کی موت میں کیا فرق ہے؟ فرق یہ ہے کہ گدھے اور کتے پر عذاب نہیں ہوگا، حساب و کتاب نہیں ہوگا، اس کا حساب بھی ہوگا، عذاب بھی ہوگا۔

فقر افضل ہے یا غنا؟:

فقر کہتے ہیں خالی ہاتھ ہونے کو اور غنا کہتے ہیں مالدار اور غنی ہونے کو، پھر اس میں اختلاف ہے کہ ان دونوں میں سے افضل کون سا ہے، فقر افضل ہے یا غنا افضل ہے؟ امام غزالی رحمہ اللہ علیہ نے احیاءُ العلوم میں دونوں طرف کے دلائل جمع کر دیئے ہیں۔

غنا کی فضیلت کے دلائل:

ایک فریق کہتا ہے کہ غنا افضل ہے، اس لئے کہ اگر مال اس کے پاس ہوگا اور اس کو یہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرے گا تو دین و دنیا کا تمام نظام چلے گا، اور اگر سب کے سب فقیر ہوتے تو نظام عالم کیسے چلتا؟

دوسری بات یہ کہ جس کے پاس مال ہوتا ہے اس کے لئے اجر و ثواب کمانے کے بہت سے ذرائع اس کو حاصل ہوتے ہیں، فقیر آدمی بیچارہ کچھ بھی نہیں کرسکتا، یتیموں کی، بیواؤں کی اور ناداروں کی خدمت کرنا کتنا بڑا کارِ ثواب ہے؟ اب یہ کام مالدار ہی کر سکتے ہیں، فقیر تو نہیں کرسکتے، مساجد کا بنانا، مدرسوں کا بنانا، رفاہ عامہ کی چیزوں کا بنانا، یہ مال دار ہی کر سکتے ہیں، فقیر آدمی نہیں کرسکتا، جیسا کہ حدیث میں ہے:

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ اَنَّ فُقَرَاءَ الْمُهَاجِرِیْنَ اَتَوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا قَدْ ذَهَبَ اَهلُ الدِّثَارِ بِالدَّرَجَاتِ الْعُلٰی وَالنَّعِیْمِ الْمُقِیْمِ۔ فَقَالَ وَمَا ذَاکَ؟ قَالُوْا یُصَلُّوْنَ کَمَا نُصَلِّیْ وَیَصُوْمُوْنَ

كَما نَصُومُ وَيَتَصَدَّقُوْنَ وَلَا نَتَصَدَّقُ وَيُعْتِقُوْنَ وَلَا نُعْتِقُ۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفَلَا اُعَلِّمُكُمْ شَيْئًا تُدْرِكُوْنَ بِهٖ مَنْ سَبَقَكُمْ وَ تَسْبِقُوْنَ بِهٖ مَنْ بَعْدَكُمْ وَلَا يَكُوْنُ اَحَدٌ اَفْضَلَ مِنْكُمْ اِلَّا مَنْ صَنَعَ مِثْلَ مَا صَنَعْتُمْ؟ قَالُوْا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ تُسَبِّحُوْنَ وَتُكَبِّرُوْنَ وَتُحَمِّدُوْنَ فِیْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِيْنَ مَرَّةً............الخ۔ وَفِیْ رِوَايَةٍ ثَلَاثًاوَّثَلَاثِيْنَ تَسْبِيْحَةً، ثَلَاثًا وَّثَلَاثِيْنَ تَحْمِيْدَةً، وَأَرْبَعًا وَّثَلَاثِيْنَ تَكْبِيْرَةً۔" (مسلم ج:۱ ص:۲۱۹)

خلاصہ یہ کہ فقرأ مہاجرین نے شکایت کی تھی کہ سارا اجر و ثواب تو یہ مالدار حضرات لے گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیسے؟ تو انہوں نے کہا: "نُصَلِّی وَهُمْ يُصَلُّوْنَ" مہاجرین نے کہا کہ ہم بھی نماز پڑھتے ہیں، وہ بھی نماز پڑھتے ہیں، ہم روزہ رکھتے ہیں، وہ بھی روزہ رکھتے ہیں، (ہم دین کے دوسرے کام کرتے ہیں، وہ بھی کرتے ہیں) وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں، ہم خرچ نہیں کرسکتے، (اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے کا بہت بڑا ثواب ہے، تو وہ اجر لے گئے) وہ غلام آزاد کرتے ہیں، ہم غلام آزاد نہیں کرسکتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہیں ایک ترکیب بتادیتے ہیں تم ان کے برابر آجاؤ گے اور اپنے بعد میں آنے والوں سے تم بڑھ جاؤ گے، اور تم سے سوائے ان لوگوں کے جو تم کرو وہ بھی وہی کریں، کوئی افضل نہیں ہوگا۔ فقرائ مہاجرین نے کہا اے اللہ کے رسول! ضرور بتائیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم ہر نماز کے بعد تسبیحات پڑھ لیا کرو یعنی ۳۳ بار سبحان اللہ ۳۳ بار الحمدللہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر

پڑھا کرو۔

یہ کلمات تم لوگ پڑھ لیا کرو، کوئی بھی اس دن تمہارے برابر نہیں پہنچ سکے گا اتنا تمہیں اجر و ثواب ملے گا، کہ کوئی بھی بڑے سے بڑا مال دار بھی خیرات کر کے تمہارے برابر نہیں آئے گا، مال دار صحابہ کو پتہ چلا تو انہوں نے بھی یہ کلمات پڑھنا شروع کر دیا، فقرأ مہاجرین نے پھر شکایت کی کہ یا رسول اللہ! ہمارے مالدار بھائیوں کو آپ کے اس ارشاد کا پتہ چلا، انہوں نے بھی پڑھنا شروع کر دیا، وہ پھر ہم سے آگے نکل گئے۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ”ذَالِکَ فَضۡلُ اللّٰهِ یُؤۡتِیۡهِ مَنۡ یَّشَآءُ۔“ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ جس کو چاہتے ہیں عطا کرتے ہیں۔

تو ایک فریق اس بات کا قائل ہوا ہے کہ غنا افضل ہے فقر سے، اور ان کے پاس مضبوط دلائل ہیں۔

فقر کی فضیلت کے دلائل:

لیکن دوسرا فریق کہتا ہے کہ نہیں فقر افضل ہے غنا سے، اس لئے کہ آنحضرت ﷺ ساری زندگی فقیر رہے، آنحضرت ﷺ نے کبھی مالدار ہونے کی دعا نہیں کی، بلکہ آپ یہ دعا مانگا کرتے تھے:

”اَللّٰهُمَّ اَحۡیِنِیۡ مِسۡکِیۡنًا وَّاَمِتۡنِیۡ مِسۡکِیۡنًا
وَّاحۡشُرۡنِیۡ فِیۡ زُمۡرَةِ الۡمَسَاکِیۡنِ۔“ (مشکوٰۃ ص:۴۴۷)

یعنی یہ دعا کی کہ ”یا اللہ مجھے مسکین زندہ رکھ، مسکین ہونے کی حالت میں موت دے، اور قیامت کے دن بھی مجھے مسکینوں میں اٹھا۔“ یعنی میرا حشر مسکینوں میں فرما، مالداروں میں نہیں، اس لئے فرمایا گیا ہے کہ فقرأ مہاجرین، مالداروں سے

آدھا دن پہلے جنت میں داخل ہو جائیں گے، اور آدھا دن ہے پانچ سو سال کا، تم نے پچاس، ساٹھ سال کی عمر میں عیش اڑائے، دنیا کی نعمتوں سے اور فقیر کو یہ راحت نہیں ملی اور وہ تم سے پانچ سو سال پہلے جنت میں پہنچ گیا اور اس نے وہ تو کسر پوری کر لی، لہٰذا ان لوگوں کے پاس بھی مضبوط دلائل ہیں اور زیادہ قوی ہیں، زیادہ تر صوفیا کرام کا رجحان اسی طرف ہے کہ فقر افضل ہے۔

قول فیصل:

ایک تیسرے فریق نے کہا کہ علی الاطلاق نہ غنا افضل ہے، نہ فقر افضل ہے، بات یہ ہے کہ غنا کی اپنی جگہ فضیلتیں ہیں اور فقر کی بھی اپنی جگہ فضیلتیں ہیں، لیکن ہر نعمت کے ساتھ بلا بھی لگی ہوئی ہوتی ہے، ایک بلا لگی ہوئی ہے نعمت کے ساتھ اور وہ ہے مالدار ہونے کی وجہ سے ''کبر'' کا پیدا ہونا، مالداری عموماً کبر پیدا کر دیتی ہے، اگر کسی کے پھٹے ہوئے کپڑے ہوں تو مال دار اس کی عزت نہیں کرتا، اپنے کبر کی وجہ سے، اس کی عزت نہیں کرتا، یہ سمجھتا ہے کہ جس کے پاس مال ہوتا ہے وہ بڑا آدمی ہوتا ہے اور جس کے پاس مال نہیں ہوتا ہے وہ چھوٹا آدمی ہوتا ہے، اور اس سے بہت سی قباحتیں پیدا ہوتی ہیں، میں تفصیل میں نہیں جاتا، وقت نہیں ہے، اسی طرح ایک بلا فقر کے ساتھ لگی ہوئی ہے اور وہ ہے ''شکایت کی'' کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کیوں نہیں دیا، شکایت کی تو مارا گیا، گویا تجھ پر اللہ تعالیٰ نے ظلم کیا ہے اور تیرے ساتھ اس نے بے انصافی کی ہے؟ وہ اُس راستے سے مارا گیا، یہ اِس راستے سے مارا گیا۔ اس لئے خوش قسمت وہ آدمی ہے جس کو اللہ تعالیٰ مالداری عطا فرمائیں اور پھر کبر سے اور خواہش نفسانی سے بچائے رکھا، مال کو اپنی خواہشات میں خرچ کرنے کے بجائے رضائے

الٰہی کے حصول کا ذریعہ بنائے رکھا، اور یہ سمجھتا رہا کہ مال میرے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، مال مجھے اپنے نفس کی پوجا پاٹ کرنے کے لئے نہیں دیا گیا، بلکہ خلق خدا کو نفع پہنچانے کے لئے دیا گیا ہے، دینے والے اللہ تعالیٰ ہیں، میں تقسیم کرنے والا ہوں، تقسیم کا کام میرے ذمہ لگا دیا گیا ہے۔

آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے "اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِىْ" (مشکوٰۃ ص:۳۲) میں تو تقسیم کرنے والا ہوں، اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں، آپ ﷺ خود فقیر تھے، لیکن کون سا بادشاہ ہوگا کہ جس نے اتنے خزانے لٹائے ہوں گے، جتنے رسول اللہ ﷺ نے لٹائے؟ اور کون سا سائل تھا جو آپ ﷺ کے در سے خالی گیا ہو؟ لیکن تواضع کا یہ حال تھا کہ آپ ﷺ فرماتے میں کسی کو نہیں دیتا، بلکہ میں تو تقسیم کرتا ہوں، عطا کرنے والے اللہ تعالیٰ ہیں، تو اگر غنا ان آفات سے محفوظ ہے، تو بہت اچھی چیز ہے، اور دوسری طرف فقر اگر شکایت سے محفوظ رہے اور وہ کیفیت پیدا ہوجائے، جو حضرت ابو درداءؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرمارہے ہیں کہ میں تَوَاضُعًا لِلّٰهِ فقر کو پسند کرتا ہوں، کیونکہ مال ہوگا تو سمجھا جائے گا کہ یہ مالک ہے اور میں نہیں چاہتا کہ اپنے مالک کے سامنے، اپنا مالک ہونا منسوب کروں، بندہ اس کو کہتے ہیں کہ جس کے پاس کچھ نہ ہو اور بندگی یہ ہے کہ اس کی کوئی خواہش نہ رہے، اس کی ملکیت میں کچھ نہ ہو، اس کے ہاتھ میں کچھ نہ ہو، اس کی کوئی خواہش پوری نہ ہو، اسی طرح فقیر کا فقر کے بارے میں یہ نظریہ ہو کہ چونکہ فقر اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، اس لئے وہ اس پر خوش رہے اور کہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے عبدیت کا مقام عطا فرمایا ہے جیسے کسی شاعر نے کہا ہے:

ما ہیچ نہ داریم غمِ ہیچ نہ داریم
دستار نہ داریم غم نہ پیچ داریم

ترجمہ:......"ہم کچھ نہیں رکھتے اور کسی چیز کا غم بھی نہیں رکھتے پگڑی ہوگی تو سر پر باندھنے کی فکر ہوگی اور اگر پگڑی نہیں ہوگی تو باندھنے کی بھی فکر نہ ہوگی۔"

فقر کے فوائد:

جن فقراً پر اللہ تعالیٰ نے حقیقت کھول دی ہے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جتنا کم ہوگا اتنا حساب بھی کم ہوگا، اور جتنا سامان زیادہ ہوگا، اتنا جھنجھٹ بھی زیادہ ہوگا، ہم باہر ملک سے سفر کرکے آتے ہیں، اگر ہاتھ میں ایک صرف دستی بیگ ہو تو جہاز سے اترتے وقت کوئی پوچھتا بھی نہیں ہے، بلکہ جلدی سے ایئر پورٹ سے نکل جاتے ہیں، اور اگر سامان کا ڈھیر ساتھ ہوتا ہے تو پہلے تو وزن کراؤ گے جہاز پر جمع کرنے کے لئے اور اگر سامان مقدار سے زیادہ ہوا تو اس کا جرمانہ ادا کروگے یعنی کرایہ دوگے اور پھر یہاں ایک ایک چیز کی تفتیش ہوگی، کسٹم والے تفتیش کریں گے، اِدھر والے بھی کریں گے اور اُدھر والے بھی کریں گے، کتنا وقت لگے گا، اب ایک آدمی کو گھر جانا ہے، گھر بھی کون سا جنت کا اور وہ وہاں پھنسا ہوا ہے، دوسری طرف ایک آدمی کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں تھا صرف ایک چادر تھی جو کندھے پر ڈالی اور چل پڑا، سواری تیار ہے بیٹھ جاؤ، تمہیں تمہارے گھر پہنچا دیں گے، ان دونوں کا جب موازنہ کیا جائے تو پھر تو ایسا لگتا ہے کہ فقر بہت اچھی چیز ہے، لیکن داروئے تلخ ہے، دوائی کافی کڑوی ہے، ہر ایک آدمی کے حلق سے نیچے نہیں اترتی۔

کوئی اللہ کے بندے ہوں گے جو اس کو انگیز کرتے ہوں گے، تو فقر سے تواضع پیدا ہوتی ہے اور حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں

”تَوَاضُعًا لِلّٰہِ“ اللہ تعالیٰ کے سامنے متواضع بننے کے لئے اپنی عبدیت کا اظہار کرنے کے لئے کہ صاحب مجھے کچھ نہیں چاہئے، مجھے تو صرف بندگی چاہئے، اور کچھ نہیں چاہئے، فقر کو ترجیح دیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کے بہت سے بندے ایسے ہوئے ہیں کہ وہ اس حال میں دنیا سے رخصت ہوئے کہ کوئی چیز ان کی ملک میں نہیں تھی۔

صحت نہیں، علاج مقصود ہے:

تیسری چیز کہ میں مرض کو پسند کرتا ہوں، لوگ صحت کو پسند کرتے ہیں، بڑی بڑی گرانقدر فیسیں دیتے ہیں، بیماری دور کروانے کے لئے، اور آدمی کا بدن اللہ تعالیٰ نے ایسا بنایا ہے کہ ایک بیماری کا علاج کرلو، دوسری کھڑی ہے، کہاں تک کرتے جاؤ گے؟ تم علاج کرواتے ہو، موت سے بچنے کے لئے، موت سے تو بچنا ممکن نہیں ہے، ہاں ہمارے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے تھے کہ علاج مقصود ہے، صحت مقصود نہیں، سبحان اللہ! کیا بات ہے، حکم ہے کہ علاج کرواؤ:

”یَا عِبَادَ اللّٰہِ! تَدَاوَوْا۔ فَاِنَّ اللّٰہَ لَمْ یَضَعْ دَاءً اِلَّا وَضَعَ لَہٗ شِفَاءً۔ غَیْرَ دَاءٍ وَّاحِدٍ اَلْھَرَمُ۔“ (مشکوٰۃ ۸۸)

آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ”اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری ایسی پیدا نہیں کی، جس کی دوا پیدا نہ کی ہو، اس لئے اللہ تعالیٰ کے بندو! علاج کروایا کرو“ اور ایک حدیث شریف میں فرمایا کہ: ”مَاجَعَلَ اللّٰہُ دَاءً اِلَّا جَعَلَ اللّٰہُ لَہٗ دَوَاءً اِلَّا الْھَرَمُ۔“ ایک روایت میں ”اِلَّا الْمَوْتُ۔“

’’اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کی دوا پیدا کی ہے، لیکن بڑھاپے کی کوئی دوا نہیں۔‘‘ اور ایک روایت میں ہے کہ ’’موت کی کوئی دوا نہیں۔‘‘ جس کا وقت مقدر آچکا ہے اس کو تم بہترین قسم کا علاج مہیا کرو، بچے گا نہیں، ہمارے دیہاتی محاورہ میں کہتے ہیں کہ:

’’جب اللہ کو شفا دینی ہو تو راکھ کی چٹکی سے دے دیتے ہیں، اور جب شفا نہ دینی ہو تو ہیرے جواہرات کے کشتے بھی کھلا دو کچھ نہیں بنے گا، شفا نہیں ہوگی۔‘‘

بہرکیف دوا کرنی چاہئے اور ہم تو کمزور آدمی ہیں، جب تک علاج نہ کروائیں اطمینان نہیں ہوتا اور دل مطمئن نہیں ہوگا، مگر علاج اس لئے نہ کرواؤ کہ علاج سے صحت حاصل ہوگی، نہیں، صحت میرے مالک کے پاس ہے، شفا میرے مالک کے پاس ہے، حکیموں ڈاکٹروں کے پاس اور دوائیوں میں شفا نہیں ہے، شفا میرے مالک کے پاس ہے، جب چاہتے ہیں شفا عطا فرماتے ہیں، لیکن کچھ بندے اللہ تعالیٰ کے ایسے ہوئے ہیں جیسے حضرت ابودرداءؓ رضی اللہ عنہ، وہ فرماتے ہیں کہ نہیں! دوا کی ضرورت نہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے، آخری مرض الوفات میں، عرض کیا گیا کہ حضرت کسی طبیب کو بلائیں؟ فرمایا طبیب آیا تھا، عرض کیا گیا کہ اس نے کیا کہا؟ فرمایا کہ اس نے کہا کہ بہت اچھی حالت میں ہو، بالکل ٹھیک ہو، اور طبیب اللہ تعالیٰ تھے، مالک نے جو حالت دی ہے وہ بالکل ٹھیک حالت ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو آخری تکلیف ہوئی، زہر دے دیا گیا تھا، لوگوں نے کہا کہ طبیب کو بلائیں؟ فرمایا ضرورت نہیں ہے، پھر بے ہوشی ہوگئی تو لوگوں نے طبیب کو بلا لیا، یعنی ایک نصرانی طبیب کو بلایا گیا، جب ہوش آیا تو شکایت کی کہ اللہ تعالیٰ کو کیا منہ دکھاؤں گا کہ میں نے اپنی بیماری کی شکایت اس کے دشمن کے

سامنے کی تھی؟ بیماری اللہ تعالیٰ کی جانب سے اور نصرانی اللہ کا دشمن، بہرحال علاج کروانا فرض نہیں ہے، یہ مسئلہ یاد رکھو! البتہ علاج کروانا اچھا ہے، مستحب ہے، فرض نہیں ہے، اگر کوئی شخص بیمار ہوجائے اور اپنا علاج نہ کروائے تو گناہ گار نہیں ہے، علاج کی اجازت دی گئی ہے، فرض نہیں کیا، جب بھوک لگے، روٹی کھانا فرض ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سنت یہ قائم کی ہے کہ بھوکا آدمی روٹی کھالے تو اس کو تسکین ہوجاتی ہے، پیاسا آدمی پانی پی لے تو اس کو تسکین ہوجاتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی یہ سنت نہیں ہے کہ بیمار آدمی علاج کرائے تو اس کو لازماً شفا ہوجائے، ہاں کبھی ہوبھی جاتی ہے، اور کبھی نہیں بھی ہوتی، لیکن بیماری کفارہ سیئات ہے، یعنی گناہوں کا کفارہ ہے، بیماری سے سارے گناہ جھڑ جاتے ہیں، انشاءاللہ اس مضمون کو پھر کسی دوسرے وقت میں بیان کریں گے۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

خوف خدا
اور
فکر آخرت!

بندے کے قدم اپنی جگہ سے ہٹ نہیں سکتے جب تک اس سے چار سوال نہ کرلئے جائیں، دیکھنے میں تو یہ چار سوال بہت چھوٹے چھوٹے معلوم ہوتے ہیں، مگر ان چار سوالوں کے جواب دیئے بغیر کسی کے قدم اپنی جگہ سے ہل نہیں سکیں گے۔

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم
الحمدللّٰہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین
وعلی آلہ الطیبین الطاھرین اما بعد!

قاری صاحب نے جو رکوع تلاوت کیا ہے اس میں ایک آیت یہ آئی:

”فَأَمَّا مَنْ طَغٰی وَاٰثَرَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا۔ فَاِنَّ الْجَحِیْمَ هِیَ الْمَأْوٰی۔ وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَی النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰی۔ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَأْوٰی۔“ (النازعات:۳۷ تا ۴۱)

ترجمہ:......”جس شخص نے سرکشی کی (اللہ تعالیٰ کے حکم سے سرتابی کی اور سر پھیر لیا) اور اس نے دنیا کی زندگی کو ترجیح دی۔ تو بیشک دوزخ اسکا ٹھکانہ ہے۔ لیکن جو شخص ڈرا اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے (یعنی ایک دن اللہ کے سامنے

کھڑے ہونا ہے، اور اس کے دل میں اس کا خوف وخیال پیدا
ہوگیا کہ مجھے اللہ کے سامنے کھڑا ہونا ہے) اور نفس کو روکے رکھا
خواہشات سے پس اس شخص کا ٹھکانہ جنت ہوگا۔“

بارگاہ الٰہی میں:

قیامت کے دن جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوگا، وہ بغیر کسی وکیل کے اور بغیر کسی معین اور مددگار کے حاضر ہوگا۔

وہ تو سب سے بڑی عدالت ہوگی، جب کہ یہ بیچارہ دنیا کی معمولی عدالتوں میں بھی کبھی پیش نہیں ہوا تھا اور اگر خدانخواستہ کبھی ضرورت پیش آئی تو وکیل کرلیا کرتا تھا، لیکن قیامت کے دن کسی کا کوئی وکیل نہ ہوگا، کوئی اس کی طرف سے جواب دہی کرنے والا نہیں ہوگا، ہر آدمی کو اپنے تمام اعمال کی خود جواب دہی کرنی ہوگی۔

چار سوال:

ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ: ”لَاتَزُوْلُ قَدَمَا عَبْدٍ یَّوْمَ الْقِیَامَةِ حَتّٰی یُسْئَلَ عَنْ اَرْبَعٍ ......الخ۔“ (ترمذی ج:۲ ص:۶۴) بندے کے قدم اپنی جگہ سے ہٹ نہیں سکتے جب تک اس سے چار سوال نہ کرلئے جائیں، دیکھنے میں تو یہ چار سوال بہت چھوٹے چھوٹے معلوم ہوتے ہیں، مگر ان چار سوالوں کے جواب دیئے بغیر کسی کے قدم اپنی جگہ سے ہل نہیں سکیں گے وہ چار سوال یہ ہیں:

۱:...... ”عَنْ عُمْرِہٖ فِیْمَ اَفْنَاہُ؟“ پہلا چھوٹا سا سوال یہ ہوگا کہ عمر کس چیز میں ضائع کی؟

میری عمر ۷۰ کے قریب ہوگئی ہے، مجھے تو صبح کا کھانا بھی یاد نہیں رہتا کہ کیا

کھایا تھا؟ تو اس سے کہا جائے گا کہ اپنی پوری زندگی کس چیز میں خرچ کی تھی؟ اس کا جواب دو۔

۲:...... "وَعَنْ شَبَابِهٖ فِيْمَ اَبْلَاهُ؟" دوسرا سوال یہ ہوگا کہ: "جوانی کس چیز میں بوسیدہ کی؟" بڑھا ہوگیا، پہلے بچہ تھا، پھر جوان ہوا، پھر بوڑھا ہوگیا، اس جوانی کو کہاں ضائع کیا؟

۳:...... "وَعَنْ مَالِهٖ مِنْ أَيْنَ اِكْتَسَبَهٗ وَفِيْمَا اَنْفَقَ؟" مال کے بارے میں دو سوال ہوں گے، ایک یہ کہ کہاں سے حاصل کیا تھا؟ اور دوسرا یہ کہ کس جگہ خرچ کیا؟ دنیا میں تو چونکہ ہمارے اوپر کوئی نگران نہیں ہے کہ کہاں سے لیتے ہیں اور کہاں خرچ کرتے ہیں؟ اس لئے ہم نے یہ تصور کرلیا ہے کہ ہمارے اوپر کبھی کوئی نگران نہیں ہوگا، اور ہم سے کوئی نہیں پوچھے گا۔

۴:...... اور چوتھا سوال: "وَعَنْ عِلْمِهٖ بِمَاذَا عَمِلَ فِيْهِ" یعنی اللہ تعالیٰ نے جو تمہیں علم عطا فرمایا تھا اس پر کتنا عمل کیا؟ اس کا غالباً ہم بہت آسان سا جواب دیں گے کہ ہم نے علم حاصل ہی نہیں کیا، اور اگر یہ پوچھ لیا گیا کہ کیوں نہیں کیا تو پھر......؟

انعامات کے بارے میں سوال:

بہرحال انسان سے تمام نعمتوں اور مال و دولت سے متعلق سوال کیا جائے گا، جیسا کہ حدیث میں ہے:

"عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ يُجَاءُ بِابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَأَنَّهٗ بَذَجٌ فَيُوْقَفُ بَيْنَ يَدَىِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَيَقُوْلُ اللّٰهُ اَعْطَيْتُكَ وَخَوَّلْتُكَ وَأَنْعَمْتُ عَلَيْكَ فَمَاذَا

أَصنعتَ؟ فيَقُولُ يَا رَبِّ جمَعْتُهُ وَثمَّرْتُهُ وَترَكتُهُ اَكثَر مَاكَانَ فَارْجعْنِی اٰتِکَ بِهٖ كُلّهٗ۔ فيَقُولُ لَهٗ أَرِنِی مَا قَدَّمتَ فَيقُولُ يَا رَبِّ جمَعْتُهٗ وَثمَّرتُهٗ فترَكتُهٗ أَكْثَرَ مَا كَانَ فَارْجعْنِی اٰتِکَ بِهٖ كُلّهٗ فَاِذَا عبْدٌ لّمْ يُقدِّمْ خيرًا فيُمضٰی بِهٖ اِلَی النَّارِ۔" (ترمذی ج:۲ ص:۶۵)

ترجمہ:......"حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: قیامت کے دن آدمی کو ایسی حالت میں لایا جائے گا کہ وہ بھیڑ کے بچے کی طرح (ذلیل وحقیر) ہوگا۔ پس اس کو اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میں نے تجھ کو بہت کچھ عطا کیا تھا، میں نے تجھے مال و دولت سے نوازا تھا، میں نے تجھ پر انعامات کئے تھے، پس تو نے کیا کیا؟ وہ کہے گا کہ اے پروردگار! میں نے مال خوب جمع کیا اور اسے خوب بڑھایا، اور اسے زیادہ سے زیادہ حالت میں چھوڑ کر آیا ہوں، اب مجھے واپس کردیجئے! میں اسے لے کر آتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ مجھے یہ بتا کہ تو نے آگے کیا بھیجا؟ وہ کہے گا اے پروردگار! میں نے اسے خوب جمع کیا اور خوب بڑھایا اور اسے زیادہ سے زیادہ حالت میں چھوڑ کر آیا ہوں، اب مجھے واپس بھیج دیجئے، وہ سارے کا سارا آپ کو لاکر دے دوں گا۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب بندے نے کوئی خیر آگے

نہ بھیجی ہو تو اسے دوزخ کی طرف چلتا کردیا جائے گا۔“

خلاصہ یہ کہ: ”اللہ تعالیٰ بندے سے پوچھیں گے کہ میں نے تجھے بہت مال دیا تھا تو نے اس میں کیا عمل کیا اور کہاں خرچ کیا؟ بندہ کہے گا کہ: ”یا اللہ! وہ سارے کا سارا میں چھوڑ کر آ گیا ہوں، مجھے واپس بھیج دے، میں واپس لے آتا ہوں، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میں پوچھتا ہوں کہ میرے لیے کیا لایا؟ ایک دفعہ جو چلا گیا اس کے واپس آنے کا سوال نہیں ہے۔

آنکھ کھل گئی:

جیسے ایک بنیا (ہندو) تھا لوگوں سے سود لیا کرتا تھا اور وہ ظالم لوگوں کی آٹے کی کنالی میں گوندھا ہوا آٹا اٹھا کر لے جاتا تھا، اسی طرح ہنڈیا تیار ہوتی تھی، اٹھا کر لے جاتا تھا۔ایک دن خواب میں دیکھتا ہے کہ اپنے مقروض سے کہہ رہا ہے کہ آج سود کے دو روپے دیدو، وہ کہتا ہے: ”لالہ جی! ایک روپیہ ہے آج میرے پاس بس یہی ہے لے لو، لالہ جی کہتا ہے نہیں دوروپے دیدو اور مقروض کہہ رہا تھا ایک لے لو، اسی دو ایک کی بحث میں اس کی آنکھ کھل گئی، لالہ جی جلدی سے آنکھ بند کرکے کہنے لگا چلو ایک ہی دیدو!، اب تو آنکھ کھل گئی ہے بھئی اب آنکھ بند کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

عبرت چاہئے:

میرے بھائیو! ہم لوگ غافل ہوگئے ہیں! اللہ تعالیٰ نے ہمیں پیدا کیا، بے شمار نعمتیں عطا فرمائیں، لیکن ہم نے کبھی یہ سوچا بھی نہیں کہ میں کسی مالک کا بھیجا ہوا کارندہ ہوں، اس نے مجھ سے حساب بھی لینا ہے، بھائی یہ نہ سوچا کہ میں کسی آقا کا

ملازم ہوں تو مالک نے مجھ سے حساب بھی لینا ہے، ہمیں یہ بات بھی بھول گئی۔ کھانے میں، پینے میں، اور عیش وعشرت میں کچھ ایسے مگن ہوئے اور کچھ ایسے مست اور ایسے مدہوش ہوگئے کہ ہمیں آگا پیچھا، کچھ بھی یاد نہیں رہا، نہ یہ یاد رہا کہ کہاں سے آئے تھے؟ نہ یہ یاد رہا کہ کہاں جانا ہے؟ ہمارے خواجہ مجذوب رحمہ اللہ کا قول ہے کہ:

دفن خود صدہا کیے زیر زمین
پھر بھی مرنے پہ نہیں تجھ کو یقین
کچھ تو عبرت چاہیے نفس لعین

خود اپنے ہاتھ سے لوگوں کو دفن کیا، اپنے ماں باپ کو دفن کیا، اپنے بزرگوں کو دفن کیا، وہ ہمیں چھوڑ کر چلے گئے، اور ہم نے کبھی ان کی خبر بھی نہیں لی اور خبر لے بھی کیسے سکتے تھے؟

قبر میں کوئی ٹیلیفون نہیں لگا ہوا، وہاں ٹیلیفون نہیں ہے کہ کوئی پیغام پہنچادیں یا خبر گیری کرلیں۔

مرنے کا یقین نہیں:

حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ السلام سے لے کر اب تک اور اب سے لے کر قیامت تک لوگ قبروں میں پڑے ہوئے ہیں، ان کی ہڈیاں بھی گل سڑ گئی ہیں، مٹی بن گئی ہیں، لیکن روح تو باقی ہے، جسم تو گل سڑ جاتا ہے لیکن روح تو باقی رہتی ہے، اور افسوس یہ ہے کہ جو گلنے سڑنے والا جسم ہے اس پر تو ہم نے بہت محنت کی اور جو ہمیشہ باقی رہنے والی چیز ہے، اس پر کوئی محنت نہیں، لوگوں کو روزانہ مرتے دیکھتے ہیں لیکن اپنے مرنے کا یقین نہیں آتا۔

ہمیں یقین ہے کہ ایک وقت تھا کہ اس مکان میں میرا باپ رہتا تھا، مگر باپ چلا گیا، اور کل ہم نے بھی جانا ہے، لیکن ہمیں خیال ہی نہیں آتا، ہم اپنی موج سے رہ رہے ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ سے ایک شخص نے کہا کہ حضرت مجھے کوئی نصیحت فرمائیے۔ فرمانے لگے: تیرا باپ زندہ ہے؟ کہنے لگا نہیں میرا باپ فوت ہوگیا۔

فرمانے لگے: اٹھ جا میرے پاس سے، جس کو اس کے باپ کے مرنے نے نصیحت نہیں دی، اس کو عمر بن عبدالعزیز کیسے نصیحت دے سکتا ہے؟

ہم ایک دو دن روتے ہیں، تیسرے دن قل کرلیتے ہیں، قل کرلیے پتہ نہیں ''قل'' کہاں سے نکال لئے، اللہ جانے؟

کیا قضائ نمازوں کی فکر کی؟

کوئی چنے پڑھتے رہتے ہیں، کوئی کچھ کرتے رہتے ہیں، کوئی کچھ کرتے رہتے ہیں، تیسرے دن قل پڑھ لیتے ہیں اور بس قل کرلئے ہیں، ان کے لیے دعا کرلیتے ہیں، ارے بھائی ابا جان کو کبھی دوبارہ بھی یاد کیا؟ کہ ان کے ذمہ کتنی نمازیں تھیں؟ کبھی ان کا حساب لگایا، یا کسی عالم سے پوچھا؟ کہ میرے ابا کی اتنی عمر ہوئی ہے اور اس کے ذمہ اتنی نمازیں تھیں؟

ایک خاتون نے مجھے لکھا کہ میرے پاس اتنا سونا تھا، بیس سال میری شادی کو ہوگئے ہیں، میں نے کبھی زکوٰۃ نہیں دی۔ اب میں زکوٰۃ دینا چاہتی ہوں تو کیسے دوں؟ میں نے پورے آٹھ دن لگا کر اس کا حساب نکالا، آٹھ دن میرے لگے حساب

نکالنے میں، بیس سال پہلے اتنی تھی، ایک سال کم ہوگیا تو اتنی زکوٰۃ ہوگئی وغیرہ وغیرہ اس کو بیس سال کا پورا حساب جوڑ کر کے دیا۔

اس نے اپنی زکوٰۃ کے بارے میں پوچھ لیا لیکن ابا کے بارے میں تو نہیں پوچھا۔

ہماری مدہوشی:

میرے بھائیو! ہم بالکل غافل ہوگئے، غفلت کی بھی ایک حد ہوتی ہے، مدہوشی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے؟ کبھی تو ہوش میں آجائیں۔ ہر آدمی سویا ہوا ہے کبھی تو جاگ پڑے، اب رمضان آجائیں گے، بہت کم آدمی ہوں گے جو ہم میں روزہ رکھنے والے ہوں گے، ورنہ ہم میں سے ہر ایک آدمی زبان حال سے یہ کہتا ہے کہ یہ روزہ رکھنا، تراویح پڑھنا، قرآن سننا، سنانا، صرف مُلّاؤں کا کام ہے، روزہ رکھنے سے ہمارے کاروبار متأثر ہوتے ہیں، نماز کی اس کو توفیق نہیں ہوتی، ان لوگوں کو اپنے بچوں کو نصیحت کرنے کی توفیق نہیں ہوتی، گھر والوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا یا ان سے کیسا معاملہ کرنا ہے اس کی توفیق نہیں ہوتی۔

معاف کیجئے! مجھے کبھی کبھی خیال آتا ہے کہ ہم میں اور جانوروں میں کیا فرق ہے؟ صرف اتنا فرق ہے کہ ہم کھانا پلیٹوں میں ڈال کر کھا لیتے ہیں اور وہ بیچارے جو بھی ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے نظام بنایا ہے، وہ اس طرح کھا لیتے ہیں، عقل پر خدا جانے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ غالباً اس دھرتی کی تاثیر ہی ایسی ہے جو یہاں پیدا ہوجاتا ہے اس کو واپس لوٹنے کا خیال ہی نہیں رہتا۔

دنیا والوں کی قسمیں:

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ تبلیغ دین میں جو ان کا ایک چھوٹا سا رسالہ ہے، لکھتے ہیں کہ: دنیا میں رہنے والوں کی چند قسمیں ہیں، اس کو مثال دے کر فرمایا کہ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک کشتی پر لوگ سوار ہوئے اور کشتی کسی جزیرے پر جا کر لگی، ملاح نے کہا کہ اپنی ضرورت کی چیزیں لے لو اور ذرا جلدی آؤ، بعض لوگوں نے اس نصیحت پر عمل کیا اور اپنی ضرورتیں پوری کیں اور فوراً آ گئے اور اچھی جگہ سنبھال لی، کچھ لوگ ایسے ہوئے کہ وہ سیر سپاٹے میں لگ گئے اور جزیرے کے پتھر جمع کرنے میں لگ گئے اور ڈھیر سر پر لاد لیا اور کشتی میں آئے تو دیکھا کشتی بھری ہوئی ہے اور بیٹھنے کی بھی جگہ نہیں ہے، سر پر بوجھ ہے وہ بہرحال پہنچ گئے، تیسری قسم کے لوگ کچھ ایسے مگن ہوئے کہ کشتی چھوٹ گئی۔ وہ پہنچے تو کشتی جا چکی تھی، وہ درندوں کا لقمہ بن گئے۔ فرمایا کہ یہاں آنے والے لوگوں کی بھی یہی مثال ہے۔

کچھ تو اللہ کے بندے وہ ہیں جن کو اپنی آخرت یاد رہی، اللہ کے سامنے جانا یاد رہا اور بعض وہ ہیں جنہوں نے بھلا دیا مگر ان کو جلدی عقل آ گئی، بہرحال! کشتی میں سوار ہو گئے لیکن: قرآن مجید میں ہے: ”وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ۔“ (الانعام: ۳۱)

ترجمہ:...... ”اور وہ لوگ اٹھائے ہوئے ہوں گے اپنے بوجھ اپنی پشتوں پر۔“

اور تیسری قسم کے لوگ وہ ہیں جن کو یاد ہی نہیں رہا کہ واپس بھی جانا ہے، عام طور پر آج کل لوگوں کی حالت وہی ہو گئی جو یہاں کے لوگوں کی ہے، (برطانیہ میں) یہاں کے تو انگریزوں کو دیکھتے ہو اور دوسرے لوگوں کو دیکھتے ہو، جو بالکل

بھولے ہوئے ہیں، اور کچھ ان کی دیکھا دیکھی ہم بھی بھول گئے، آئے تو تھے یہاں کچھ کمانے کے لئے، مگر ان کو دیکھ کر ہم بھی بھول گئے۔ بالکل تھوڑا سا تعلق رہ گیا مسجدوں کے ساتھ، ورنہ ہماری بھی حالت وہی ہوگئی ہے۔

غفلت نہیں بیداری چاہئے:

بہرحال! مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ ہمیں غفلت سے نہیں کام لینا چاہئے، جو فرصت ہمیں اللہ تعالیٰ نے دی ہے، اس فرصت کو غنیمت سمجھنا چاہئے اور جتنی تلافی ہوسکتی ہے، اتنی تلافی کرنی چاہئے، جب آدمی یہاں دنیا سے جائے گا تو خالی ہاتھ جائے گا، کوئی روپیہ، پیسہ ساتھ نہیں ہوگا، اور کوئی آدمی ساتھ نہیں ہوگا، قبر کا اکیلا گڑھا ڈھائی فٹ چوڑا اور چھ فٹ لمبا ہوگا، چادر اس پر لپٹی ہوئی ہوگی اور اس میں ڈال کر بند کرکے آجائیں گے، قبر میں کیا کیا ہوتا ہے؟ اس کو کیا عرض کریں؟

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''اِنَّمَا الْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ اَوْحُفْرَةٌ مِّنْ حُفَرِ النَّارِ۔'' (ترمذی ج:۲ ص:۷۳) ترجمہ: قبر جنت کے باغچوں میں سے ایک باغیچہ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔ (نعوذ باللہ)

قبر کا مراقبہ:

وہاں کتنے سانپ ہوں گے؟ اور کتنے بچھو ہوں گے؟ وہاں کتنی ایذا دینے والی چیزیں ہیں؟ میں کبھی کبھی سوچنے لگتا ہوں، مکان میں لیٹا ہوا ہوں، کمرہ بند ہے مکان اچھا خاصا ہے، لیکن فرض کرو باہر سے کوئی کنڈا لگا دے اور میرے نکلنے کی کوئی صورت نہ رہے تو میں کیا کروں گا؟ اتنی طبیعت پریشان ہوتی ہے اس بات کو سوچ کر، اور قبر کا معاملہ تو اور بھی زیادہ گہرا ہے، یہاں تو بتی جل رہی ہے، روشنی ہے، لیکن قبر

میں تو کوئی سوراخ بھی نہیں چھوڑا ہوا ہوگا، اللہ سبحانہ وتعالیٰ مجھے بھی توفیق عطا فرمائے، آپ حضرات کو بھی توفیق عطا فرمائے، اپنی آخرت کو یاد رکھنے کی۔ رمضان المبارک آرہے ہیں اس کی تیاری کریں اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے معافی مانگیں، اور میرے بھائیو! میں ہمیشہ کہتا ہوں ''اپنی شکلیں رسول اللہ ﷺ کے مطابق بنالو۔'' تم نے یہ جو شکلیں بگاڑی ہوئی ہیں، یہ تمہیں کام نہیں دیں گی، جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا، اب اپنی شکل رسول اللہ ﷺ کے مطابق بناؤ، اور اپنے اعمال درست کرو، اور کسی اللہ والے کے پاس بیٹھو اور اس سے کچھ بات سمجھو، پوچھو، کچھ تعلیم لو، اللہ سبحانہ و تعالیٰ مجھے بھی ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور آپ کو بھی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

قبر کی تیاری ضروری ہے

قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے، اگر انسان یہاں کامیاب ہوا تو اگلی منزلوں میں بھی کامیاب ہوگا اور اگر یہاں ناکام ہوا تو اگلی منزلوں میں کامیابی کی کیا صورت اور امید کی جاسکتی ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمدللہ وسلام وعلی عبادہ الذین اصطفیٰ!

حق تعالیٰ شانہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے اپنے پاک گھر میں بیٹھنے کی توفیق عطا فرمائی اور پھر اپنی عبادت ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائی، مسجدیں اللہ کا گھر ہیں، جو شخص مسجدوں میں آتا ہے وہ اللہ کا مہمان ہوتا ہے، اور مہمان کی خاطر، تواضع کرنا صاحب خانہ پر حق ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں مسجد کے صحیح حقوق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے، ہم مسجد میں آتے ہیں تو ہمیں اس پاک گھر کے آداب کی رعایت کی توفیق نہیں ہوتی۔

مسجد کے حقوق:

عام طور پر طالب علم اور نمازی حضرات، مسجدوں میں بیٹھتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ گپ شپ اور باتیں کرتے ہیں، اس بات کا ہمیں دھیان ہی نہیں رہتا کہ ہم کس دربار میں حاضر ہیں؟ کس کے لئے آئے ہیں؟ اور یہاں سے کیا لے کر جارہے ہیں؟

چونکہ ہمارا مسجد میں آنا اور مسجد سے جانا روز مرہ کا معمول بن گیا ہے، اس لئے مسجد میں آنے سے ہم پر کوئی خاص کیفیت طاری نہیں ہوتی اور کوئی نئ بات ہم

یہاں لے کر آتے ہیں اور نہ لے کر جاتے ہیں، آپ چاہیں تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ جیسے آتے ہیں ویسے ہی چلے جاتے ہیں، اللہ پاک مجھے بھی اور آپ کو بھی صحیح ادب کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

قبر کی ہولناکیوں کا استحضار:

بے شمار لوگ آئے اور اپنے وقت پر چلے گئے، اپنے اپنے وقت پر ان کا بلاوا آگیا، وہ چلے گئے اور ہم اپنے بلاوے کے منتظر ہیں، نہیں معلوم کہ ہم میں سے کس کا کس وقت بلاوا آجائے؟ کیا ہم نے جانے کی تیاری بھی کی ہے؟

آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

”عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ أَبُوالْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَبَکَیْتُمْ کَثِیْرًا وَلَضَحِکْتُمْ قَلِیْلًا۔ وَفِیْ رِوَایَةٍ وَلَخَرَجْتُمْ اِلَى الصُّعُدَاتِ......الخ“

(مشکوٰۃ ص:۴۵۶،۴۵۷)

ترجمہ:......”اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر تم جان لو وہ چیز جس کو میں جانتا ہوں، تو تم کم ہنسا کرو اور زیادہ رویا کرو اور دھاڑیں مارتے ہوئے جنگلوں کی طرف نکل جاؤ۔“

حق تعالیٰ شانہ نے اپنی رحمت فرمائی ہے، وہ جو اگلا جہاں ہے جسے عالم برزخ کہتے ہیں اور جو مرنے کے بعد مجھ کو اور آپ کو پیش آنے والا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا اگر وہ منظر ہمارے سامنے آجائے تو وہ اتنا ہولناک ہے کہ ہم

اپنے مردے دفنانا چھوڑ دیں، کسی کی ہمت ہی نہ پڑے کہ قبروں میں مردہ کو دفن کر سکے، یہ تو حق تعالیٰ شانہ کا احسان ہے کہ ہم پر غفلت کا پردہ ڈال دیا ہے، کہ استحضار نہیں اور خیال ہی نہیں کہ ہمیں یہ مرحلہ پیش آنے والا ہے،

برزخ کے ہولناک مناظر:

حدیث میں ہے:

”عَنْ عُثْمَانَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّہٗ کَانَ اِذَا وَقَفَ عَلٰی قَبْرٍ بَکٰی حَتّٰی یَبُلَّ لِحْیَتَہٗ۔ فَقِیْلَ لَہٗ تَذْکُرُ الْجَنَّۃَ وَالنَّارَ فَلَا تَبْکِیْ، وَتَبْکِیْ مِنْ ھٰذَا۔ فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِنَّ الْقَبْرَ اَوَّلُ مَنْزِلٍ مِنْ مَّنَازِلِ الْاٰخِرَۃِ۔ فَاِنْ نَّجَا مِنْہُ فَمَا بَعْدَہٗ اَیْسَرُ مِنْہُ وَاِنْ لَّمْ یَنْجُ مِنْہُ فَمَا بَعْدَہٗ اَشَدُّ مِنْہُ۔ قَالَ: وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا رَأَیْتُ مَنْظَرًا قَطّ اِلَّا وَالْقَبْرُ اَفْظَعُ مِنْہُ۔“

(مشکوٰۃ ص:۲۶)

ترجمہ:......”امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ جب قبر کا تذکرہ کرتے تو اتنا روتے کہ داڑھی مبارک تر ہوجاتی، لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت آپ جنت اور دوزخ کا تذکرہ کرتے ہیں، مگر اتنے نہیں روتے، جتنا کہ قبر کے تذکرے پر روتے ہیں، فرمایا کہ: میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ: قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے، اگر انسان یہاں کامیاب ہوا، تو اگلی منزلوں میں بھی کامیاب ہوجائے گا، اور اگر

یہاں ناکام ہوا تو اگلی منزلوں میں کامیابی کی کیا صورت اور کیا امید کی جاسکتی ہے؟ اور ارشاد فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی سنا ہے کہ: ”میں نے جتنے مناظر دیکھے ہیں ان میں سب سے زیادہ خوفناک قبر کا منظر ہے۔“

آدمی یہاں تو یوں سمجھتا ہے کہ میں یہاں ہمیشہ رہنے کے لئے آیا ہوں، کوئی تیاری کرنے کی فکر ہی نہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اگلے جہان کی تیاری کی توفیق عطا فرمائے، بعض حضرات اور بعض بندے تو ایسے ہوں گے، جن کو اپنی آخرت کی تیاری کی، اپنی اگلی منزل کی تیاری کی فکر ہوگی کہ مجھے جانا ہے، اور جاکر حساب و کتاب دینا ہے، ایک تو بڑا حساب کتاب ہے، جو قیامت کے دن ہوگا، وہ تو بعد کی چیز ہے، یہ جو پہلا حساب ہے اور مرنے کے بعد کا مرحلہ ہے، اس کی فکر ہوگی کہ اتنی سی جگہ ہوتی ہے، جس میں آدمی کو لٹا دیتے ہیں، اور گویا کہتے ہیں لیٹ جا شاباش: کیونکہ مردہ بدست زندہ ہوتا ہے، اس کو جیسے بھی لٹادو، وہ بیچارہ لیٹ جائے گا، کیونکہ وہ تو کچھ کہہ بھی نہیں سکتا، پھر اوپر سے اس کو بند کردیتے ہیں اور منوں مٹی ڈال دی، تاکہ بھاگ کر نہ آجائے حالانکہ وہ بے جان محض نہیں ہوتا بلکہ اس میں روح ڈالی جاتی ہے اور وہ اپنے دفن کرنے والوں کی جوتیوں کی آہٹ سنتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے:

”عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تعَالیٰ عَنْہُ قَالَ: رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا وُضِعَ فِیْ قَبْرِہٖ وَتَوَلّٰی عَنْہُ اَصْحابُہُ اِنَّہٗ لَیَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِھِمْ اَتَاہُ مَلَکَانِ............الخ۔ وَفِیْ رِوَایَۃٍ: یُقَالُ لِاَحَدِھِمَا الْمُنْکَرُ وَلِلْاٰخَرِ النَّکِیْرُ۔“ (مشکوٰۃ ص:۲۴،۲۵)

ترجمہ:......''حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ''مردہ کو ابھی دفنانے والے کے قدموں کی آہٹ سنائی دے رہی ہوتی ہے، یعنی جب وہ دفنا کر واپس ہوتے ہیں ان کے قدموں کی آہٹ سن رہا ہوتا ہے کہ دوفرشتے آجاتے ہیں جن کومنکرنکیر کہتے ہیں۔بعض روایات میں آیا ہے کہ ان کومبشر بشیر کہتے ہیں۔''

قبر کے تین سوال:

خلاصہ یہ کہ وہ اس سے بہت آسان سے تین سوال کرتے ہیں:

''وَعَنْ بَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَأْتِيْهِ مَلَكَانِ فَيُجْلِسَانِهٖ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَنْ رَّبُّكَ؟ فَيَقُوْلُ رَبِّیَ اللّٰهُ۔ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَادِيْنُكَ؟ فَيَقُوْلُ دِيْنِیَ الْاِسْلَامُ۔ فَيَقُوْلَانِ مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِیْ بُعِثَ فِيْكُمْ؟ فَيَقُوْلُ هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ وَمَا يُدْرِيْكَ؟ فَيَقُوْلُ قَرَأْتُ كِتَابَ اللّٰهِ فَاٰمَنْتُ بِهٖ وَصَدَّقْتُ............فَيَقُوْلَانِ مَنْ رَّبُّكَ؟ فَيَقُوْلُ هَاهَ هَاهَ لَا اَدْرِیْ۔ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَادِيْنُكَ؟ فَيَقُوْلُ هَاهَ هَاهَ لَا اَدْرِیْ۔ فَيَقُوْلَانِ مَاهٰذَا الرَّجُلُ الَّذِیْ بُعِثَ فِيْكُمْ......الخ۔'' (مشکوٰۃ ص:۲۵)

ترجمہ:......''حضرت براءؓ بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس آدمی

کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اس کو قبر میں بٹھاتے ہیں پھر وہ دونوں فرشتے اس سے سوال کرتے ہیں کہ: تیرا رب کون ہے؟ (اگر تو وہ نیک آدمی ہوتا ہے تو) کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ پھر وہ دونوں فرشتے اس نیک آدمی سے سوال کرتے ہیں کہ: تیرا دین کیا ہے؟ وہ نیک آدمی جواب دیتا ہے کہ میرا دین اسلام ہے۔ پھر وہ فرشتے اس سے سوال کرتے ہیں کہ اس آدمی کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جو تم میں بھیجا گیا تھا؟ وہ آدمی کہتا ہے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر وہ فرشتے اس سے سوال کرتے ہیں کہ تجھے کیسے معلوم ہوا؟ وہ آدمی کہتا ہے کہ میں نے اللہ کی کتاب پڑھی تھی، اس پر میں نے یقین کیا تھا اور میں نے تصدیق کی تھی............ (اگر کوئی بدکار آدمی ہوتا ہے تو) اس سے فرشتے سوال کرتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ تو وہ کہتا ہے مجھے معلوم نہیں، مجھے معلوم نہیں۔ پھر وہ فرشتے اس سے سوال کرتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے مجھے معلوم نہیں، مجھے معلوم نہیں۔ پھر وہ فرشتے اس سے سوال کرتے ہیں کہ اس آدمی کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جو تم میں بھیجا گیا تھا؟ وہ آدمی کہتا ہے کہ مجھے معلوم نہیں، مجھے معلوم نہیں۔‘‘

پہلا سوال:

ایک سوال یہ کہ تیرا رب کون ہے؟ دوسرا یہ کہ تیرا دین کیا ہے؟ اور تیسرا یہ کہ آنحضرت ﷺ کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ تو ان کے بارے میں کیا کہتا تھا؟

آنحضرتﷺ نے جب اس کو بیان فرمایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہﷺ اس وقت ہمارے ہوش وحواس ہوں گے؟ فرمایا کہ ہوش حواس ہوں گے، اور ایسے ہی ہوں گے جیسے اب ہیں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ: پھر ہم نمٹ لیں گے انشاءاللہ۔ یہ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حوصلہ تھا، اور کہہ سکتے ہیں کہ ہم نمٹ لیں گے، مگر سوچئے تو کہ جہاں کوئی غم خوار، کوئی مددگار نہیں ہوگا، نہ کوئی تلقین کرنے والا ہوگا، اور نہ کوئی سمجھانے والا ہوگا، وہاں وہ ان سوالوں کا جواب کیسے دے گا؟ ہاں اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق بندے کی دستگیری کرے، تو پھر وہ ان کا صحیح صحیح جواب دے گا، اور کہے گا کہ میرا رب اللہ ہے، اس لئے کہ اس کا دنیا میں یقین بنا ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ میرا رب ہے، وہاں جھوٹ تو چلے گا نہیں، سچ پر وہاں نجات ہوگی، جھوٹ پر نجات نہیں ہوگی۔

دوسرا سوال:

دوسرا سوال ہوگا کہ تیرا دین کیا ہے؟ وہ جواب میں کہے گا: اسلام! کیا ہم نے دین اسلام کو مانا تھا؟ کیا ہم نے دین اسلام کو مان کر داڑھی منڈوائی ہوئی ہے؟ اسی طرح ہم نے کالر لگائے ہوئے ہیں، کیا یہ بھی دین اسلام کو سمجھ کر کیا ہے؟ غرض جتنی تعلیمات رسول اللہﷺ نے دی تھیں، ہم نے ان پر عمل کیا تھا؟ اسلام کے معنی ہیں جھک جانے کے، کیا ہم اللہ تعالیٰ کے اور رسول اللہﷺ کے حکموں کے سامنے جھکے تھے؟

تیسرا سوال:

اور تیسرا سوال ہوگا کہ ان صاحب (حضرت محمد رسول اللہﷺ) کے بارے

میں کیا کہتے تھے؟ حافظ بن حجرؒ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ: آنحضرتﷺ کا نام نہیں بتایا جائے گا، ویسے ہی فرشتے پوچھیں گے کہ ان کے بارے میں کیا خیال ہے؟ بعض حضرات نے تو یہ فرمایا کہ مردے کے درمیان اور آنحضرتﷺ کے درمیان کے سارے پردے ہٹا دیئے جاتے ہیں اور آنحضرتﷺ کی زیارت کروائی جاتی ہے، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اگر ایسا ہوتو یہ بہت ہی بڑی سعادت ہے،لیکن ایسی روایت مجھے کہیں نہیں ملی، بہرحال رسول اللہﷺ کے بارے میں پوچھا جاتا ہے کہ ان کے بارے میں کیا کہتے تھے؟ ان کو رسول مان کر اپنے آپ کو امتی سمجھتے تھے؟ رسول اور امتی کا تعلق تم نے صحیح طور پر نبھایا تھا؟ بندہ مؤمن ہو،تو ان تین سوالوں کا صحیح صحیح جواب دے دیتا ہے، زیادہ مشکل سوال نہیں ہیں، اور ان ہی تین سوالوں میں پوری زندگی آگئی ہے، اگر مؤمن ہوگا تو ان تین سوالوں کا صحیح صحیح جواب دے دے گا۔

مقامِ ناز:

حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کے بارے میں آتا ہے کہ ان کا انتقال ہوا، جب ان کو دفن کردیا گیا تو ان کے پاس منکرنکیر آئے، اور ان سے بھی تین سوال کئے، تو کہنے لگیں کہ کہاں سے آئے ہو؟ فرشتوں نے کہا کہ آسمان سے آئے ہیں، رابعہ بصریہ رحمہا اللہ نے کہا تم آسمان سے یہاں تک آئے اور تم اپنے رب کو بھول گئے؟ اور رابعہ کے بارے میں خیال ہے کہ زمین سے صرف ڈیڑھ گز نیچے پہنچ کر بھول گئی ہوگی؟ جاؤ اپنا کام کرو۔

عام طور پر آدمی جب مرتا ہے تو لوگ لا الہ الا اللہ کی تلقین کیا کرتے ہیں، تو لوگ معمول کے مطابق ان کو بھی تلقین کرنے لگے، مسکرا کر فرمانے لگیں کہ: ساری عمر اسی وقت کے لئے تو محنت کی تھی، اب تم مجھے کیا سکھاتے ہو؟ تو جو لوگ صحیح صحیح جواب دے دیتے ہیں، تو حکم ہوتا ہے کہ ان کے لئے جنت کا لباس لاؤ، جنت کا بستر بچھاؤ، اور حدیث میں فرمایا کہ قبر اس کے لئے اتنی وسیع کردی جاتی ہے، جہاں تک اس کی نظر پہنچتی ہے۔

دو قسم کے آدمی:

اور دوسرا آدمی جس نے دنیا میں ایمان و یقین نہیں بنایا تھا، وہ ہر سوال کے جواب میں کہے گا: ”ھَاھَا لَا اَدْرِیْ۔“ مجھے نہیں معلوم، مجھے نہیں معلوم: چنانچہ فرشتے پوچھیں گے، تیرا رب کون ہے؟ کہے گا: ”ھَاھَا لَا اَدْرِیْ۔“ پھر وہ کہیں گے: تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہے گا: ”ھَاھَا لَا اَدْرِیْ، ھَاھَا لَا اَدْرِیْ۔“ مجھے معلوم نہیں، مجھے معلوم نہیں، پھر فرشتے حضور اکرم ﷺ کے بارے میں پوچھیں گے کہ ان کے بارے میں تو کیا کہتا تھا؟ تو کہے گا: ”ھَاھَا لَا اَدْرِیْ، ھَاھَا لَا اَدْرِیْ۔“ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

تب اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا جائے گا کہ تو جھوٹ بولتا ہے، تو نے ساری عمر کبھی یہ کام کیا ہی نہیں تھا۔ میرے بھائیو! اللہ تعالیٰ کو پہچانو، اور اپنے دین کو پہچانو، اپنے رسول ﷺ کو پہچانو، اور ان کی تعلیمات کو پہچانو، اور تعلیمات کو پہچاننے کے بعد ان پر عمل کرو، مگر ہم نے ساری عمر یہ کام کیا ہی نہیں، بہرحال میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ یہ جو آخرت کی منزلوں میں سے سب سے پہلی منزل ہے، جو ہمارے بزرگ آگے چلے گئے ہیں، ان کو تو یہ پیش آگئی ہے، اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان

کے ساتھ کیا معاملہ ہو رہا ہے؟ اور ادھر ہمارے سر پر یہ منزل کھڑی ہے، مگر ہم یہاں اس سے غافل اپنے کاروبار میں لگے ہوئے ہیں، خوشیاں ہو رہی ہیں، گپّیں ہانکی جارہی ہیں۔ ایک بزرگ فرماتے تھے کہ آدمی کھلکھلاتا ہے، یعنی ہنستا ہے حالانکہ اس کا کفن دھوبی سے دھل کر آچکا ہے، سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ ہم اس بات کو جانیں اور پہچانیں کہ ہماری منزل کون سی ہے؟

احساس ندامت کی برکت:

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک شخص کا انتقال ہوگیا اتنا برا آدمی تھا کہ کوئی اس کی وفات کا سن کر اس کے گھر نہیں آیا، عام طور پر وفات ہوجاتی ہے، تو لوگ جمع ہوجاتے ہیں، مگر وہاں کوئی نہ آیا، تو اس کی بیوی نے چار مزدور لئے اور ان کے کندھے پر لاد کر قبرستان کے پاس پہنچادیا، قبرستان کے قریب ایک میدان تھا، جہاں لوگ عموماً جنازہ پڑھتے تھے، وہاں پہنچادیا گیا، اس علاقے کے ایک مشہور بزرگ تھے، ان کو الہام ہوا کہ ایک ولی اللہ کا انتقال ہوگیا ہے اور کوئی اس کا جنازہ پڑھنے کے لئے نہیں آیا، جاؤ! جاکر جنازہ پڑھو، وہ جنازہ کے لئے نکلے تو ان کو دیکھ کر بے شمار مخلوق ٹوٹ پڑی، جنازہ ہوا تدفین ہوگئی، اس کے جنازہ سے فارغ ہوکر وہ بزرگ اس کے گھر آئے اور اس کی بیوی سے پوچھنے لگے کہ اس کا کون سا عمل ایسا تھا کہ جس کی بناءً پر اس کا اکرام کیا گیا؟ اس عورت نے کہا کہ اور تو میں کچھ نہیں جانتی، البتہ دو عمل اس کے مجھے یاد ہیں، ایک تو یہ تھا کہ وہ رات کو شراب پیتا تھا اور ساری رات اس نشے میں دھت پڑا رہتا تھا، آخری رات میں اس کا نشہ ٹوٹتا اور اللہ تعالیٰ کو خطاب کر کے ہمیشہ کہتا رہتا کہ یا اللہ تو مجھے جہنم کے کس کونے میں ڈالے گا؟

ساری رات اسی طرح کرتا رہتا، یہاں تک کہ فجر کا وقت ہو جاتا، فجر ہو جاتی تو پھر یہ غسل کرتا، نئے کپڑے پہنتا اور نماز پڑھتا اس کا ایک تو یہ عمل تھا۔ اور اس کا دوسرا عمل یہ تھا کہ اس کا گھر کبھی یتیم سے خالی نہیں ہوا، ہمیشہ کسی یتیم کو اپنے گھر میں رکھتا تھا، وہ بچہ بڑا ہوتا، اس کی شادی کراتا، پھر دوسرا بچہ لے آتا، اسی پر اللہ تعالیٰ نے ان کی نجات کردی، میرا بھائی! ہمیں تو رات کو کبھی لیٹتے ہوئے بھی خیال نہیں آیا کہ ہمارے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟ اسی طرح صبح کو اٹھتے وقت بھی کبھی یہ خیال نہیں آیا، بھائیو! سب باتیں غلط ہیں، مگر موت برحق ہے، دنیا کی سب باتیں غلط ہوسکتی ہیں، موت غلط نہیں ہوسکتی، موت برحق ہے، تو ہم لوگوں کو اپنی موت کی فکر کرنی چاہیئے، اور اس کی تیاری کرنی چاہیئے، بس آپ حضرات گرمی میں بیٹھے ہیں میں ان ہی کلمات پر ختم کرتا ہوں۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

مقام بندگی
اور
دعا کی حقیقت

بندہ مؤمن کی شان یہ ہونی چاہیے کہ جب وہ ایک بار ہاتھ اٹھا لے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کی مان لیں، یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مؤمن کی اتنی وجاہت تو کم از کم ہونی چاہیے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

”وَاِذَا سَأَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّھُمْ یَرْشُدُوْنَ۔“ (البقرۃ:۱۸۶)

ترجمہ:...... ”جب میرے بندے، میرے بارے میں آپ سے پوچھیں، تو ان کو بتادو کہ میں قریب ہوں، میں پکارنے والے کی پکار کو سنتا ہوں جب وہ مجھے پکارے، سو ان کو چاہئے کہ میری بات ہی مانیں، مجھ پر ایمان اور یقین رکھیں، ہوسکتا ہے کہ ان کا بھلا ہوجائے ان کو رشد و ہدایت مل جائے۔“

رمضانِ مبارک غیر متوقع طور پر تیزی سے گزر رہا ہے، اندازہ نہیں تھا کہ اس تیزی سے گزر جائے گا، چنانچہ اب یہ دوسرا عشرہ، جو مغفرت کا عشرہ کہلاتا ہے، یہ

بھی ختم ہونے کو ہے، کل یہ بھی پورا ہوجائے گا، اس کے بعد صرف تیسرا عشرہ ہی باقی رہ جائے گا یعنی "عِتقٌ مِّنَ النَّار" (دوزخ کی آزادی کا عشرہ)۔ میں نے رمضان المبارک کے پہلے جمعہ میں ذکر کیا تھا کہ: رمضان المبارک میں چند چیزوں کا اہتمام کیا جائے اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سنائی تھی، اب تو شاید ہم سنبھلتے سنبھلتے یہ اہتمام کریں گے، اور اتنے میں شاید رمضان ہی گزر جائے گا، اور چونکہ اعتکاف کا عشرہ شروع ہونے والا ہے، اس لئے خصوصیت کے ساتھ چند چیزوں کی طرف متوجہ کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کے بندوں نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں آنحضرت ﷺ سے پوچھا تھا، اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے سوال کا جواب دیا ہے، انہوں نے یہ پوچھا تھا کہ: "یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! اَقَرِیْبٌ رَبُّنَا فَنُنَاجِیْهِ اَمْ بَعِیْدٌ فَنُنَادِیْهِ؟" یعنی یا رسول اللہ! کیا ہمارا رب قریب ہے کہ ہم اس سے آہستہ آہستہ سرگوشی کے انداز میں بات کریں؟ یا دور ہے تاکہ ہم اس کو پکار کر کہیں؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس کا ترجمہ میں سنا چکا ہوں۔

خاص بات:

یہاں ایک خاص بات یہ ہے کہ یہ آیت روزہ اور رمضان کے تذکرے کے بیچ میں آگئی ہے، پہلے بھی رمضان کے روزہ کا تذکرہ ہے اور بعد میں بھی اسی کے مسائل ذکر ہورہے ہیں، مگر درمیان میں اللہ تبارک و تعالیٰ اس دعا والی آیت کو لے آئے ہیں، تو میں اسی دعا کے سلسلے میں کچھ باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ رمضان المبارک میں ایک خاص اہتمام دعا و التجا کا کیا جائے، یعنی اللہ تعالیٰ سے مانگنے کا اور

یہ مانگنا بھی مانگنے کے انداز میں ہو۔

بندۂ مؤمن کی شان:

جب بے نظیر ہم پر مسلط تھی ان دنوں کی بات ہے میں نے خواب دیکھا کہ بہت بڑے علمائ اور صلحائ کا مجمع ہے، اور میں ان حضرات کی خدمت میں بڑے جوش کے ساتھ عرض کررہا ہوں کہ: آپ لوگوں سے ایک عورت بھی نہیں ہٹتی، بڑے بڑے طروں والے بزرگ بنے ہوئے ہیں، ایک عورت بھی تم سے نہیں ہٹتی؟ تمہاری اتنی بھی وجاہت اللہ کے نزدیک نہیں ہے، تو ڈوب کر مرجاؤ، کہ تم اللہ تعالیٰ سے کہو اور وہ ہٹا دے، یہ میں گستاخی کررہا ہوں بزرگوں کی خدمت میں کہ: اگر تمہاری وجاہت اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنی بھی نہیں ہے کہ تم ہاتھ اٹھاؤ اور اللہ تعالیٰ انقلاب پیدا نہ کردے تو ڈوب کر مرجاؤ، اللہ تعالیٰ نے ان بزرگوں کی لاج رکھ لی اور پھر اللہ نے اس کو ہٹا دیا۔ یہ خواب کا قصہ میں نے اس لئے سنایا کہ آپ کو میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ بندہ مؤمن کی شان یہ ہونی چاہئے کہ جب وہ ایک بار ہاتھ اٹھالے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کی مان لیں، یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مؤمن کی اتنی وجاہت تو کم از کم ہونی چاہئے، ورنہ انسان کی وجاہت کیا ہوسکتی ہے؟ قطرۂ ناپاک سے پیدا ہونے والے کی عزت کیا ہے؟ اس کی کوئی عزت نہیں ہے، لیکن جیسے جیسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت، فرمانبرداری، عبدیت اور بندگی بڑھتی جائے گی، اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی اتنی ہی وجاہت بھی بڑھتی جائے گی، ایک بزرگ اپنی مناجات میں فرمارہے تھے:

کہ چہار چیز آوردہ ام شاہا کہ درگنج تو نیست
عاجزی و بے کسی عذر گناہ آوردہ ام

اللہ میاں سے کہہ رہے ہیں کہ ''اے بادشاہوں کے بادشاہ! چار تحفے آپ کی بارگاہ میں پیش کرنے کے لئے لایا ہوں، جو آپ کے پاس نہیں ہیں، آپ کے خزانے میں نہیں ہیں۔ ایک عاجزی، دوسری بے کسی، تیسرے گناہ اور چوتھے توبہ، یہ آپ کے پاس نہیں ہیں، یہ بندوں کی شان ہے، خدا کی شان نہیں ہے، یہ چار تحفے ہیں جو بندے کی طرف سے خدا تعالیٰ کی بارگاہ عالی میں پیش کئے جا سکتے ہیں۔

عبدیت کا اظہار:

ارے تم کیا بڑا بن کر دکھاؤ گے کہ میں نے اتنے عمل کئے ہیں، میں نے اتنی عبادتیں کی ہیں، اتنی ٹکریں ماری ہیں، کیا دکھاؤ گے؟ یہ چیزیں کچھ نہیں ہیں، اپنی عبدیت کا اظہار کرو، اپنے کو مٹاؤ، اپنی نفی کرو، اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھو اور جتنا اس میدان میں آگے بڑھو گے، اتنا اتنا عجز و انکسار کا استحضار ہوتا جائے گا اور اپنی بے کسی کا اظہار ہوگا۔

میں نے ''اختلاف امت اور صراط مستقیم'' میں لکھا ہے کہ ہمارے جو دوست جن اولیائے اللہ کو مالک و مختار مانتے ہیں اور جن سے اپنی حاجتیں اور مرادیں مانگتے ہیں، ان سے ذرا جا کر پوچھو کہ کیا حال ہے ان کا؟ ہم تو اپنی طرف سے جو چاہیں گھڑتے رہیں، مگر ان بزرگوں سے تو پوچھو کہ ان کا کیا حال ہے؟ ہم لوگ تو اپنے اوپر اختیار کی تہمت دھر بھی لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں نے ایسا کیا، میں نے ویسا کیا، میں یہ کرتا ہوں، اور میں وہ کرتا ہوں، مگر ان حضرات کے نزدیک تو یہ بھی نہیں ہے، تم ان کو خدائی کے اختیارات دے رہے ہو، لیکن وہ تو اس کے کہنے سے بھی گریزاں ہیں کہ میں یہ کرتا ہوں، میں وہ کرتا ہوں۔

پیران پیرؒ کی تواضع:

میں نے اسی کتاب میں حضرت پیران پیر حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ’’مخلوق ساری کی ساری اللہ رب العزت کی بارگاہ عالی کے سامنے بے بس اور عاجز محض ہے، لاچار ہے۔‘‘ یعنی کوئی چارہ نہیں ہے ان کے پاس، بندے اور خدا کا بھی بھلا کوئی مقابلہ ہے؟ تمام کی تمام مخلوق آسمان کی ہو یا زمین کی، ولی ہوں یا نبی، انسان ہوں یا جن، سب کے سب محض ناکارہ اور لاچار ہیں، اور شیخؒ نے تو اس کے بعد اوپر کا لفظ کہا، چنانچہ فرماتے ہیں کہ عدم محض ہیں، عدم محض، جن کا وجود اور عدم برابر ہوتا ہے۔

اللہ کے ہاں بڑا بننے کا گُر:

یعنی بالکل ہیں ہی نہیں، خیر یہ بات تو بیچ میں آگئی، میں یہ عرض کررہا تھا کہ آپ کی کچھ تو وجاہت ہونی ہی چاہئے اللہ تعالیٰ کے ہاں، لیکن وجاہت بڑا بننے سے نہیں ہوتی کہ مونچھوں کو تاؤ دے لو اور کالر رکھوالو، تو تم اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑے بن جاؤ گے؟ بڑے خان صاحب کہلانے سے اللہ کے ہاں بڑے نہیں بنو گے، بلکہ اپنے آپ کو جتنا ذلیل سمجھو گے، اور اپنے آپ کو جتنا مٹاؤ گے، اتنے ہی اللہ کے ہاں بڑے بنو گے، تمہاری عاجزی اور بے بسی کی کیفیت جتنی بڑھتی جائے گی، اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہاری وجاہت اتنی بڑھتی جائے گی، اور جس قدر اپنے اوپر ہستی کی تہمت رکھو گے، اسی قدر اللہ تعالیٰ کی نظر سے گرتے جاؤ گے، عاجزی و بے کسی، توبہ اور گناہ بس یہ چار ہتھیار ہیں، بندہ مؤمن کے پاس، جتنا ان میں کمال پیدا ہوتا جائے گا، اتنی ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں وجاہت بڑھتی جائے گی، اور پھر وہ حال آئے گا جیسا کہ حدیث میں

آتا ہے:

”عَنْ أَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَمْ مِنْ اَشْعَثٍ اَغْبَرَ ذِیْ طِمْرَیْنِ لَا یُوْبَہٗ لَہٗ، لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ وَمِنْھُمُ الْبَرَاءُ بْنُ مَالِکٍ۔“ (مشکوٰۃ ص:۵۷۹)

یعنی بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کے سر کے بال بکھرے ہوئے ہیں، بدن میلا کچیلا ہے اور دو پھٹی پرانی چادریں پہنی ہوئی ہیں، ایک اوپر اوڑھنے کی چادر ہے، کرتہ وغیرہ نہیں ہے، جیسے احرام والوں نے باندھی ہوئی ہوتی ہیں، اور ایک نیچے کی لنگی اور وہ بھی پھٹی پرانی، اب اس نقشہ کا آدمی، اس کی عزت و وقعت لوگوں کی نظر میں کیا ہوگی؟ سر کے بال بکھرے ہوئے ہیں، بدن میلا کچیلا ہے، گویا بدبو آرہی ہے اور ڈھنگ کا کوئی کپڑا بدن پر نہیں، صرف دو چادریں ہیں اور وہ بھی پھٹی پرانی میلی کچیلی، تمہارے نزدیک اس آدمی کی قیمت کیا ہوگی یہ تم جانو! لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی قدر و قیمت یہ ہے کہ اگر وہ قسم کھا کر یہ کہہ دے کہ آج اللہ ایسا کرے گا، تو اللہ تعالیٰ ویسا ہی کریں گے۔

اللہ تعالیٰ اس کی قسم کو پورا کردیں گے، اور انہی لوگوں میں سے برأ بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جب کبھی جنگ بہت سخت ہو جاتی تھی، مقابلہ سخت ہوتا تھا، بظاہر مسلمانوں کی فتح کا کوئی امکان نہیں ہوتا تھا، تو حضرت برأ بن مالک رضی اللہ عنہ کو بلا کر لے جاتے اور فرماتے تھے کہ قسم کھاؤ کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فتح دے گا، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمادیا تھا: ”لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ“

آنحضرت ﷺ کی بات پر، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو یقین تھا، اس لئے حضرت برأ بن مالک کو لے جاتے تھے، جب دیکھتے کہ صرف ظاہری اور مادی اسباب سے جیتتے نظر نہیں آتے، تو برأ بن مالک کو کہتے کہ قسم کھاؤ اللہ پر، وہ زبان سے اتنا کہہ دیتے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فتح دے گا، بس پھر اللہ تعالیٰ فتح دے دیتے تھے، میں اس کو عزت و وجاہت کہہ رہا ہوں کہ دعا مانگنے کے لئے تمہاری، اللہ تعالیٰ کی نظر میں ایسی عزت ہونی چاہیئے۔

دعا سب کی قبول ہوتی ہے:

یوں ٹکڑا تو کتے کو بھی آدمی ڈال ہی دیتا ہے، دعائیں تو سب کی منظور ہوتی ہیں، بلکہ شاہ تاج الدین ابن عطا اللہ اسکندری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب میں لکھا ہے وہ فرماتے ہیں: کہ کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ اٹھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے مانگتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ ان کا کام جلدی کردو، ان کا ہاتھ اٹھانا مجھے اچھا نہیں لگتا، اس کا کام جلدی نمٹادو، کام ہوجائے گا تو ہاتھ اٹھانا بند کردے گا، مگر بعض بندے ایسے ہوتے ہیں کہ جب وہ اللہ سے ہاتھ اٹھا کر کوئی دعا مانگتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ اس کا کام ذرا تاخیر سے کرنا، اس کا ہاتھ اٹھانا مجھے بہت اچھا لگتا ہے، جی چاہتا ہے کہ ہاتھ اٹھائے رکھے، اٹھائے رکھے، تمہیں تمہارے مالک کے ہاں سے ملے، نہ ملے، اور کیوں نہ ملے؟ ضرور ملے گا! لیکن تمہارا ہاتھ اٹھانا اللہ کو بہت اچھا لگتا ہے، کاش! ہم ایسے بن جائیں کہ ہمارا ہاتھ اٹھانا اللہ کو محبوب بن جائے، اور کیا تمہارے مانگنے پر دیں گے؟ نہیں۔ بھولتے ہو، وہ تو تمہارے بنانے سے پہلے دینے کا وعدہ کرچکے ہیں۔

جنید بغدادیؒ کا ذوق:

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے دعا مانگنے کے بارے میں کہا، تو فرمانے لگے کہ ہاں اگر وہ بھول گیا ہے تو اس کو یاد دلا دو۔ اللہ کو یاد دلاتے ہو؟ اللہ میاں! شاید آپ کو یاد نہیں رہا، ہم آپ کو یاد دلاتے ہیں کہ میری ضرورت یہ ہے، نعوذ باللہ! ہمارے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام عرفات کے میدان میں حج کے لئے تشریف لے گئے تھے، آپ نے پیدل سو حج کئے تھے، آپؑ عرفات کے میدان میں کھڑے ہیں، اور صرف اتنا مانگتے ہیں: ”اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ تَعلَمُ حَاجَتِیْ فَاٰتِنِیْ سُؤْلِیْ۔“ کہ یا اللہ آپ کو میری حاجتیں معلوم ہیں، میری حاجتیں پوری فرمادے، یہ ہمارے ابا جی کی دعا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کو یاد نہ دلاؤ، اس کو یاد ہے، اس کے علم میں نہ لاؤ، وہ جاہل نہیں ہے، تمہاری ضرورتوں اور تمہاری حاجتوں کو جانتا ہے، سوال یہ ہے کہ پھر یہ ہاتھ کیوں اٹھاتے ہیں؟ مانگتے کیوں ہیں؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارا مانگنا اچھا لگتا ہے، ہمارا ہاتھ اٹھانا اس کو پسند آتا ہے، فقیر کا کام ہے مانگنا، اگر ہم مانگیں نہیں، اگر ہم ہاتھ نہ اٹھائیں، تو کیسے پتہ چلے گا کہ ہم فقیر ہیں؟ جیسا کہ ارشاد ہے: ”یَا اَیُّھَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ اِلَی اللّٰہِ وَاللّٰہُ ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ۔“ (فاطر:۱۵) لوگو! تم سب کے سب اللہ کے فقیر ہو، اور اللہ تعالیٰ غنی وحمید ہے، فقہاءؒ کہتے ہیں کہ فقیر اس کو کہتے ہیں جس کے پاس کوئی شے نہ ہو، اس کو فقیر کہتے ہیں، اور جس کے پاس تھوڑا ہو مگر نصاب کے برابر نہ ہو، تو اس کو مسکین کہتے ہیں، فقیر فقر سے ہے اور فقر کے معنی خالی ہونے کے ہیں۔

ایک نکتہ:

اور یہاں ایک اور نکتہ عرض کرتا ہوں وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ۔“ (التوبہ:٦٠) (صدقات، فقراء اور مساکین کے لئے ہیں) بھائی فقیر بنوگے، تو صدقہ ملے گا، اپنے آپ کو خالی کروگے اور واقعتاً فقیر الی اللہ بنوگے، تو پھر صدقات ملیں گے اور اگر نہیں بنتے، تو جاؤ دفع ہوجاؤ، بھئی مالدار تو مالدار کو نہیں دیا کرتا، نہ مالدار، مالدار سے مانگتا ہے، ہم اس سے مانگنے کیوں جائیں؟ تو مالدار، مالدار سے مانگتا بھی نہیں اور مالدار، مالدار کو دیا بھی نہیں کرتا، غنی، غنی سے مانگتا بھی نہیں اور غنی، غنی کو دیتا بھی نہیں، ہاں البتہ غنی، فقیر کو دیتا ہے، اور فقیر، غنی سے مانگتا ہے، اللہ تعالیٰ کے فقیر بنوگے، اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا محتاج بنا کے اللہ تعالیٰ سے مانگوگے، تو اللہ تعالیٰ دیں گے، اور اگر تم یوں کہو کہ ہمارے پاس بھی بہت کچھ ہے، تو پھر جاؤ، پھر مانگنے کیوں آئے ہو؟

خیر یہ تو چونکہ درمیان میں بات آگئی اور میں نے کہہ دی۔ تو رمضان المبارک کا تذکرہ چل رہا تھا اس کے آگے بھی اور پیچھے بھی، درمیان میں اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر فرمادیا، شاید اس لئے کہ معلوم ہوجائے کہ رمضان المبارک کے اعمال سے خصوصیت کے ساتھ ایک عمل یہ بھی ہے یعنی دعا و التجا، اللہ تعالیٰ سے مانگنا اور گڑگڑانا۔ پھر مانگنے کی مختلف شکلیں ہیں۔ ایک مانگنا دل سے ہوتا ہے، ایک مانگنا زبان سے ہوتا ہے، اور ایک مانگنا پورے وجود سے ہوتا ہے، ہمارا پورا وجود سراپا سوال بن جائے اور اللہ تعالیٰ سے اس طرح مانگو، اس کا اہتمام کرو، اور حافظ شیرازیؒ کی نصیحت یاد رکھو:

حافظ وظیفۂ تو دعا گفتن است و بس
دربندے آں باش شنیدآں یا نہ شنید

(حافظ تمہارا کام صرف دعا مانگنا ہے، اس فکر میں نہ پڑا کرو کہ سنی بھی کہ نہیں سنی۔) یہ ان کا کام ہے ان پر رہنے دو، تم اپنا کام کرو۔ کہاوت ہے کہ! ''اَلْحَائِکُ یُصَلِّی الرَّکْعَتَیْنِ ثُمَّ یَنْتَظِرُ الْوَحْیَ۔'' (جولاہا دو رکعت پڑھ لیتا ہے اور وحی کے انتظار میں ہوتا ہے) کہ اب جبرائیل علیہ السلام راستے میں ہوں گے، ایک دفعہ کہیں الٹی سیدھی دعا مانگ لی، یعنی دل کہیں دماغ کہیں؟ اور لگے انتظار میں کہ اب دعا قبول ہوتی ہے اور جبرائیل علیہ سلام ابھی قبولیت کا پیغام لے کر آتے ہوں گے کہ تمہاری دعا قبول ہوگئی، اس فکر میں نہ پڑو کہ قبول ہوئی کہ نہیں ہوئی؟ سنی ہے یا نہیں سنی؟ سنانا تمہارا کام نہیں، مانگنا تمہارا کام ہے، بلکہ صرف اور صرف مانگنا تمہارا کام ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ دعا ہر آدمی کی قبول ہوتی ہے:

''عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: یُسْتَجَابُ لِاَحَدِکُمْ مَا لَمْ یُعَجِّلْ۔ یَقُوْلُ دَعَوْتُ فَلَمْ یُسْتَجَبْ لِیْ۔'' (ترمذی ص:۱۷۴)

آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ''بندے کی دعا قبول ہوتی ہے جب تک کہ جلد بازی نہ کرے، (عرض کیا گیا: یارسول اللہ! جلد بازی سے کیا مراد ہے؟) فرمایا کہ یوں کہنے لگے کہ میں نے بہت مانگا مگر ملتا ہی نہیں، اور تھک ہار کر مانگنا چھوڑ دیا۔ اچھا چھوڑ دیا؟ تو پھر اب کسی اور خدا کی تلاش ہے؟ کسی اور خدا کو تلاش کروگے؟ اور اس سے مانگوگے؟ بھائی بنیادی غلطی یہاں سے لگی کہ تم اس فکر میں لگ گئے کہ منظور ہوئی یا نہیں؟ جب تم نے ہاتھ اٹھالئے، منظور ہوگئی، بس ختم! اب یہ ان پر چھوڑ

دو کہ تمہاری دعا کی قبولیت کو کس شکل میں ظاہر فرماتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ ایک تو دعاؤں کا التزام کرو، اللہ تعالیٰ سے مانگو، اپنے لئے بھی مانگو اور اپنے والدین کے لئے بھی مانگو، اپنے عزیز و اقارب کے لئے بھی مانگو، اور پوری امت کے لئے مانگو۔

ابدال بننے کا نسخہ:

ایک روایت میں یوں آتا ہے کہ جو شخص امت کی مغفرت کے لئے روزانہ ۲۵ مرتبہ دعا مانگے، اللہ تعالیٰ اس کو ''ابدال'' میں لکھ دیتے ہیں، امت کے لئے مانگنا بڑی چیز ہے، آج اپنے لئے رونے والے موجود ہیں، بیوی بچوں کے لئے رونے والے موجود ہیں، عزیز و اقارب کے لئے رونے والے موجود ہیں، لیکن امت کے لئے رونے والے نہیں ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی امت دوزخ میں جانے سے بچ جائے۔ ہم گنہگاروں کو نظرِ حقارت سے تو دیکھتے ہیں، لیکن کبھی جذبۂ ترحم ہمارے دل میں پیدا نہیں ہوتا اور ہمارے ہاتھ نہیں اٹھتے کہ: یا اللہ یہ صورت بھی دوزخ میں جائیگی؟ یا اللہ اس کو جنت میں داخل کردیجئے؟ امت کے لئے مانگنے والا آنحضرت ﷺ کو محبوب ہے اور جو رسول اللہ ﷺ کو محبوب ہے، وہ اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے، اس لئے کہ امت کی نسبت آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہے، امت کے لئے مانگنے والا دراصل آنحضرت ﷺ کے لئے مانگ رہا ہے، یا اللہ امت میں جتنے نیک اور صلحاءٔ گزرے ہیں، ان کے درجات بلند فرما اور یا اللہ امت کے جتنے گناہ گار بندے ہیں، ان کو اپنے مقبول اور نیک بندوں کے طفیل معاف فرما، بس سارے آگئے، تمہاری کوئی دعا اس قرآنی دعا سے خالی نہیں ہونی چاہئے:

”رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ
وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّکَ رَءُ وْفٌ
الرَّحِیْمٌ۔“ (الحشر:۱۰)

اللہ تعالیٰ نے بعد میں آنے والوں کو یہ دعا سکھائی ہے کہ بعد میں جو لوگ آئیں وہ یہ کہیں۔ پہلے مہاجرین کا ذکر فرمایا پھر انصار کا ذکر فرمایا اور اس کے بعد تیسرے فریق کا ذکر فرمایا:

”وَالَّذِیْنَ جَآءُ وْا مِنْ بَعْدِھِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا
وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا
لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّکَ رَءُ وْفٌ الرَّحِیْمٌ۔“ (الحشر:۱۰)

ترجمہ:......”جو لوگ کہ آئے مہاجرین اور انصار کے بعد، وہ یہ کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! ہماری بخشش فرما اور ہمارے ان بھائیوں کی جو ہم سے پہلے سبقت لے گئے ایمان کے ساتھ اور نہ رکھیے ہمارے دلوں میں کینہ ایمان والوں کی جانب سے (خدا کرے ہمارے سینے میں کسی مؤمن کی جانب سے کینہ نہ رہے بغض دشمنی اور عداوت اللہ کے دشمنوں سے ہو، اللہ کے دوستوں سے نہیں، کسی اللہ کے دوست سے ہمارے دل میں بغض اور کینہ نہ ہو) اے ہمارے پروردگار! تو بہت ہی بخشنے والا، شفقت کرنے والا، بہت ہی رحم کرنے والا ہے۔“

رمضان اور قرآن:

دوسری بات جس کی طرف میں خاص طور سے متوجہ کرنا چاہتا ہوں اور میں اس میں کمی محسوس کرتا ہوں، وہ قرآن کریم کی تلاوت ہے، رمضان میں قرآن کریم کی تلاوت کا اہتمام بڑھ جانا چاہئے، ویسے بھی مسلمانوں کو قرآن کریم کی تلاوت کا اہتمام کرنا چاہئے، لیکن رمضان میں اس کا اہتمام اور بڑھ جانا چاہئے، جبرئیل علیہ السلام، ہر رمضان میں آکر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ قرآن کریم کا دور کرتے تھے، جیسے دو حافظ بیٹھ کر دور کرتے ہیں، چنانچہ فرمایا: ”كَانَ يُدَارِسُهُ الْقُرْاٰنَ۔“ (بخاری ج:۱ ص:۳) یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدارست کرتے تھے، اور دور کرتے تھے، جبرئیل علیہ السلام سناتے تھے، رسول اللہ ﷺ سنتے تھے اور رسول اللہ ﷺ سناتے تھے اور جبرئیل علیہ السلام سنتے تھے۔

کیا شان تھی کہ جبرئیل امین کے ساتھ دور ہوتا تھا۔ تو رمضان کا مہینہ تو قرآن کریم کے دور کا ہے، رمضان میں کثرت سے تلاوت کرو، اس لئے کہ رمضان مبارک کا اور قرآن کریم کا خاص جوڑ ہے، یہ میں پہلے ذکر کر چکا ہوں۔

رمضان اور درود:

تیسری چیز جس کا بطور خاص رمضان میں اہتمام کرنا چاہئے وہ یہ ہے، درود شریف کا پڑھنا یعنی کثرت کے ساتھ درود شریف پڑھو، اور یہ یاد رکھو کہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ عالی میں سب سے بڑا تحفہ درود شریف کا ہے، حضور ﷺ کو تحفہ بھیجنا چاہتے ہو؟ ہاں چاہتے تو ہو، لیکن تمہیں معلوم نہیں، ایک تو تمہیں پتہ معلوم نہیں کہ کیا پتہ لکھیں، اور دوسرے تمہیں یہ معلوم نہیں کہ انہیں کون سی چیز زیادہ پسند ہوگی کہ ہم وہ بھیج دیں،

پتہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے جب تم کہہ دو گے: ”اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ“ تو فوراً خود بخود لفافے میں بند ہو کر مہر لگ جائے گی، اور رسول ﷺ کے پاس پہنچ جائے گا، اس لئے کہ حدیث پاک میں ہے:

”عَنْ أَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُہٗ وَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ نَائِیًا اُبْلِغْتُہٗ۔“

(مشکوٰۃ ص:۸۷ بحوالہ بیہقی فی شعب الایمان)

یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص میری قبر پر آ کر مجھے سلام کرے، صلوٰۃ پڑھے اور درود شریف پڑھے، میں اس کو اپنے کانوں سے سنتا ہوں، سبحان اللہ! کیا شان ہے؟ وہاں جا کر کے کہو: ”اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔“ مزہ تو آئے، یہاں مسجد کے لاؤڈ اسپیکروں پر کہتے ہو، کیا مزہ ہے، جنگل میں مور ناچا کس نے دیکھا؟ جاؤ وہاں جا کر کے کہو ”اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔“ جالیوں کے سامنے کھڑے ہو کر کہو، کیونکہ آپ نے فرمایا: جو شخص میری قبر پر سلام کہے اور صلوٰۃ بھیجے درود شریف بھیجے، میں اس کو خود سنتا ہوں اور جو شخص کہ دور سے سلام کہے یا درود شریف بھیجے مجھ کو پہنچا دیا جاتا ہے۔ ایک اور حدیث میں فرمایا:

”عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اِنَّ لِلّٰہِ مَلَائِکَۃً سَیَّاحِیْنَ فِی الْاَرْضِ۔ یُبَلِّغُوْنِیْ مِنْ اُمَّتِی السَّلَامُ۔“

(نسائی حدیث:۱۲۸۱)

ترجمہ:......''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے اس کام پر مقرر ہیں کہ وہ زمین پر پھرتے رہتے ہیں اور میری امت کا جو شخص جس وقت درود پڑھے، وہ فوراً لے کر مجھ تک پہنچاتے ہیں۔''

لیجئے پتہ بھی میں نے بتا دیا، ایڈریس کیا لکھوگے؟ یہ میں نے بتادیا، اب تمہیں تحفہ بھی بتا دیا کہ سب سے محبوب ترین تحفہ، آنحضرت ﷺ کی بارگاہ عالی میں درود شریف کا ہے، لیکن پھر وہی بات، میں نے ایک بزرگ کا مکاشفہ ذکر کیا تھا نا کہ آپ کو یاد ہوگا، ابھی گزشتہ دفعہ۔

ایک بزرگ کا مکاشفہ:

ایک بزرگ نے مکاشفہ میں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی پوچھا: یارسول اللہ! آپ زندگی میں بعض لوگوں سے منہ پھیر لیتے تھے، ادھر سے سلام کیا، ادھر منہ کرلیا، ادھر سے آکر کے سلام کیا، ادھر منہ پھیرلیا، تو جو داڑھی منڈے آپ کے روضۂ اطہر پر آکر سلام پیش کرتے ہیں، آپ ان کے سلام کا جواب دیتے ہیں؟ فرمایا: میں ان کے سلام کا جواب نہیں دیتا، ان کا سلام مقبول نہیں، مردود ہے، نعوذ باللہ، حضور ﷺ کی سنت اور طریقے کی مخالفت کرنے والے کا تو درود بھی مقبول نہیں ہے۔سلام بھی مقبول نہیں ہے۔

معتکفین کے لئے خصوصی ہدایت:

میں یہ ایک بات خاص اعتکاف والوں کے لئے کہتا ہوں وقت زیادہ ہوگیا ہے، آپ نے دیکھا ہوگا پرانے زمانے میں، مَیں نے دیکھا ہے اور اب بھی یہ رواج ہے، اعتکاف والے نکلتے تھے باہر تو اس طرح گھونگھٹ نکال کر نکلتے تھے، چہرے پر کپڑا ڈال کر نکلتے تھے، یہ کوئی شریعت کا مسئلہ نہیں ہے، لیکن اس میں ایک مصلحت تھی مسئلہ نہیں ہے، مصلحت ہے، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کیمرے لگا رکھے ہیں جن کو آنکھیں کہتے ہیں اور انہوں نے فٹافٹ تصویریں کھینچ کھینچ کر ہمارے دماغ کو کباڑ خانہ بنادیا ہے، آج زیادہ تر پریشانیوں کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ خدا جانے دنیا بھر کی کیا کیا چیزیں ہمارے دماغ میں گھسی ہوئی ہیں۔

حضرات صوفیا چلّہ کشی کرواتے ہیں، مخلوق سے بول چال بند کروادیتے ہیں، حتی کہ آنکھوں پر بھی پابندی لگا دیتے ہیں، مقصود اس سے تصفیہ قلب ہوتا ہے، تو جو حضرات اعتکاف میں بیٹھنا چاہتے ہیں یہ بھی جیسا میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ ایک قسم کی چلّہ کشی ہے، وہ اس بات کا خاص طور سے اہتمام کریں کہ وہ مسجد میں آکر بیٹھ گئے ہیں، میری طرف نہ دیکھیں، میری تو زیادہ بولنے کی عادت ہے، مجھے بیماری ہے، ہر وقت بولتا رہتا ہوں، اللہ مجھے معاف کرے، لیکن کیا ضروری ہے کہ جس غلطی میں مَیں مبتلا ہوں، اس میں آپ بھی مبتلا ہوجائیں؟ اعتکاف کے دنوں میں اپنی زبان پر پابندی لگاؤ اور کوشش کرو کہ کم سے کم بات کریں۔

جتنا ہوسکے اور جتنا تم میں تب وتاب ہے اللہ کے ذکر، تلاوت اور درود شریف کے لئے زبان کو استعمال کرو، لیکن عام باتیں کرنے کے لئے زبان پر پابندی

لگا لو اور تالا لگادو، ضرورت کی بات کرو، بات کرنے کی اگرچہ ممانعت نہیں ہے، مگر بے ضرورت بات نہ کرو، خاموش رہو، اور ایک آنکھوں پر پابندی لگادو اور اعتکاف میں اس کیمرے کا بٹن بند کردو، پھر دیکھو کہ قلب میں تصفیہ کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، یعنی صفائی پیدا ہوئی ہے یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

اس دفعہ بھئی باہر کے حضرات بھی اعتکاف کے لئے تشریف لا رہے ہیں، میں چھوٹے بچوں اور بے ریش لڑکوں سے گزارش کروں گا کہ وہ اعتکاف میں نہ بیٹھیں، اس دفعہ مجمع سو سے زیادہ ہوگا، تو جو عبادت کرنے والے ہیں، اللہ، اللہ کرنے والے ہیں، وہ لوگ اعتکاف کا اہتمام کریں، یہ بے ریش قسم کے لونڈے اوپر جا کر شور مچاتے ہیں، دوسروں کو بھی تنگ کرتے ہیں، بہتر ہوگا کہ یہ اعتکاف میں نہ بیٹھیں، میں تو مشورہ ہی دے سکتا ہوں حکم تو نہیں دے سکتا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اصلاحی مواعظ (۸ جلدیں) ایک نظر میں

جلد اول

مقصد حیات دنیا نہیں ۔۔ آخرت
محبت رسول ﷺ
لیلۃ القدر کی برکات
فضائل اعتکاف
عظمت قرآن
توبہ کیسے کریں؟
حسد کا علاج
غیبت ایک اخلاقی برائی
دنیا کی حقیقت
صبر کے درجات

جلد دوم

حضرت آدم علیہ السلام کا تذکرہ
انسان پر گزرنے والے ادوار
روضہ اقدس پر حاضری
شب برات ۔۔ ایک تحقیقی جائزہ
صبر و شکر
زبان کی حفاظت
بہترین تاجر کی علامت
خوف خدا اور فکر آخرت
قبر کی تیاری ضروری ہے
مقام بندگی اور دعاء کی حقیقت

جلد سوم

آنحضرت ﷺ کا ذریعہ معاش
موذن کے فضائل
اعتکاف کے آداب
رجال آخرت
تبلیغ والوں کے لئے ہدایات
شیعان علی اور حضرات اہل بیت
غصہ کے اسباب اور اس کا علاج
حج کے انعامات
غدار کی سزا
جواہر پارے

جلد چہارم

حضور ﷺ کے سفر حج کی تفصیلات
فضیلت شیخین رضی اللہ عنہما
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی چھ نصیحتیں
حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت
دو بڑے بدبخت
شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ کی چند دعائیں
ریاکاری اور اخلاص
۱۲ ربیع الاول اور اس کے تقاضے
مدرسہ کے چار بنیادی اصول
اللہ کی نعمتوں کا استحضار

جلد پنجم

بڑوں کے بعد چھوٹوں کی ذمہ داری
جذبہ ایثار، حکمت و دانائی
حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی پانچ نصیحتیں
عورتوں کا فتنہ
بدعت کی حقیقت
قرآن سیکھ کر پڑھنے کے فضائل
صوفیاء کے اخلاق
شہادت کی فضیلت اور اقسام
موت کے وقت کے احوال
شاہراہ انسانیت کی روشن قندیلیں

جلد ششم

قرابت نبوی ﷺ کا فائدہ
مہاجرین رضی اللہ عنہم وانصار رضی اللہ عنہم کی فضیلت
خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ
آداب تعلیم و تربیت
جھگڑے کے اسباب
صبر، تمام مسائل کا علاج ہے
جھوٹی گواہی، بدترین سود اور شرک
ظلم و ستم اور حرص کے نقصانات
کمزور اور مظلوم کی مدد کرنا
عذاب الٰہی سے بچاؤ کی صورت

جلد ہفتم

معرفت الٰہی
صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایمان سیکھنا
اوقات نماز کی حکمتیں
آخرت کی تیاری
تین طلاق کا حکم
زندگی کے مراحل
مسجد کی تعمیر و آبادی کا ذوق
مخلوق کے ساتھ حسن سلوک
حرام اشیاء کی خرید و فروخت

جلد ہشتم

سنت کے مطابق نماز پڑھنا
نماز ۔۔ مناجات الٰہی کا نام
اللہ تعالیٰ کی وحدانیت
نیک لوگوں کی صحبت
عبدیت کاملہ
امت میں اختلاف کا سبب
جدید تعلیم کے نتائج
بغیر علم کے مسئلہ بتانا
گیارہویں شریف
تعلق مع اللہ اور تصوف

مکتبہ لدھیانوی سلام کتب مارکیٹ بنوری ٹاؤن کراچی
03212115502